بسم الله الرحمن الرحيم

انتخاب
تفسیر المیزان

(جلد: 5)

تالیف وتصنیف:

علامہ سید محمد حسین طباطبائیؒ

☆☆☆☆☆

مترجم:

علامہ سید افتخار حسین نقوی النجفی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

تعارف

نام کتاب:	انتخاب تفسیر المیزان
تالیف:	علامہ محمد حسین طباطبائیؒ
ترجمہ و حاشیہ:	سید افتخار حسین نقوی النجفی
معاونت:	مولانا محمد نقی
کمپوزنگ و فارمیٹنگ:	شاہد علی جعفری
فنی معاونت:	قرآن سنٹر، لاہور
جلد:	پنجم
ناشر:	مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور

ملنے کا پتہ:

قرآن سنٹر لاہور: 042-37211214

معراج کمپنی لاہور: 042-37361214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد: 0333-5234311

فہرست

سورۃ المؤمنون.. 41

اس سورت کے مطالب 41

مومنین کی فلاح و کامیابی.. 41

دُنیاوی کامیابی.. 41

اُخروی کامیابی.. 41

ایمان.. 41

مومنوں کی پہلی صفت خشوع.. 42

دوسری صفت.. 43

تیسری صفت.. 43

چوتھی صفت.. 44

پانچویں اور چھٹی صفت 45

ساتویں صفت.. 45

مومنین کے لیے بشارت 46

انسان کی خلقت.. 47

حیات کے بعد موت کا مرحلہ 49

سات آسمان 50

سماء سے بارش 51

پھلدار درخت 52

زیتون کے درخت بارے 52

حیوانات کے فوائد 53

نوحؑ اولوالعزم پیغمبر 54

نوحؑ کے زمانہ کے اشراف 55

کشتی نجات بنانے کا فرمان الٰہی 56

نوحؑ کو اللہ سے دُعا مانگنے کا حکم 58

اللہ کی آزمائش 59

قوم نوحؑ کے بعد والی اقوام 59

قوم نوحؑ کے بعد والی اقوام کی اشرافیہ 60

اشرافیہ کی عوام کو دھوکہ دینے والی باتیں 62

منکرین پر اللہ کا عذاب 63

الٰہی قانون، الٰہی سنت 64

موسیٰؑ اور ہارونؑ کی ماموریت 66

فرعون اور اشرافیہ کا بیان 66

موسیٰؑ اور ہارون کو جھٹلانے والوں کا انجام 67

مریمؑ اور عیسیٰؑ کی بات 68

پیغمبروں کے لیے خصوصی خطاب 69

اُمت واحدہ اور تفرقہ 70

کافروں کے بارے خصوصی فرمان 71

مومنین کی صفات 73

مومنین کی صفات کا خلاصہ 74

اسلام میں ذمہ داری کی اہم شرط 74

مؤمنوں کا انجام 76

مترفین 76

کافروں کی توجیہات کا جواب 78

رسول خداؐ کے بارے بیان 78

انسان کی حیثیت 80

کافروں کی عذر تراشیاں 81

رسول خداؐ کا کردار 81

اللہ کی مہربانیاں اور کفار کی ناشکری 82

اللہ کی نعمات 83

اللہ ہی خالق، مارنے اور حیات دینے والا ہے 85

معاد کا انکار 86

کافروں کی بے تکی باتوں کا جواب 87

اللہ کی مالکیت و سلطنت کا تذکرہ 88

کافروں کا جھوٹا دعویٰ 90

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں 90

اللہ عالم الغیب والشادة ہے.. 92
پیغمبر اکرمؐ کو دعا مانگنے کا حکم.. 93
رسول خداؐ کی دعا کا جواب.. 94
کافروں کی بد کلامی کا جواب.. 94
شیاطین سے پناہ.. 95
موت آنے پر کافروں کی آرزو.. 96
مُردوں کا میدان محشر میں حاضر ہونا.. 97
قیامت کے دن اجر کا معیار.. 98
دوزخیوں کی حالت.. 99
جہنمیوں سے خطاب اور ان کا جواب.. 99
دُنیا میں واپس بھیجنے کی درخواست.. 100
اخساء کا معنی.. 101
اللہ کے نیک بندوں کا رویہ.. 101
صابروں کے لیے اللہ کی جزاء.. 102
زندگانی اور خلقت کا باہدف ہونا.. 104
غیر اللہ کو پکارنے کی گنجائش نہیں.. 105
مومنوں کی زبانوں کا ورد.. 106
سورۃُالنور.. 106
اس سورت کے مطالب.. 107

سورہ کا معنی..107
زناکار کی سزا..108
زانی مرد اور زانیہ عوت کا حکم..110
پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا..111
اپنی بیوی کی طرف زنا کی نسبت دینا..112
اللہ کا فضل و کرم اور توبہ قبول کرنا..113
رسول اللہؐ کی ازواج کا واقعہ..114
مسلمانوں کی مذمت..115
تہمت لگانے والوں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ..116
اللہ کا مومنوں پر فضل و کرم..116
مومنین کے لیے سخت تنبیہ..118
فحاشی پھیلانے والوں کے لیے سخت عذاب..119
شیطان کی پیروی کا خطرناک نتیجہ..120
رشتہ داروں، مساکین اور مہاجرین کی امداد کرنا..122
شادی شدہ مومنہ خواتین کا دفاع..123
ایک دوسرے کے کفو خواتین اور مرد..125
کسی کے گھر میں داخل ہونے کے بارے ضابطہ..126
بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے سے منع..127
جس گھر میں کسی کی رہائش نہ ہو..128
چشم پوشی کا حکم..129

پردہ کا حکم 130
ازدواج کا حکم 132
جن کے پاس مالی قدرت نہیں 133
ابتغاء کا معنی 133
آیات کے نزول کا مقصد 134
اللہ کی نورانیت 135
اللہ کے گھروں کی برکات 138
کافروں کے اعمال 140
کافروں کے اعمال بارے دوسری مثال 142
تمام موجودات کا اللہ کی تسبیح انجام دینا 143
اللہ کا اقتدار اعلیٰ 145
بادو باراں کا تذکرہ 146
دن و رات کا آنا و جانا 147
تمام اُمور کا تعلق اللہ کی مشیت سے ہے 147
اللہ کی آشکار آیات 148
مومنوں اور منافقوں کا فرق 149
منافقوں کا رویہ 150
مومنین کا رویہ 151
منافقوں کی قسمیں 152
اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم 153

اللہ کا مسلمانوں کے لیے عمومی خطاب..154
نماز و زکوٰۃ و اطاعت رسولؐ کا حکم..155
کافروں کا انجام..156
مومنین کے لیے خصوصی ہدایات..157
بالغ بچوں اور بوڑھی عورتوں کے بارے احکام..158
تبرج..159
نابینا اور معذور افراد کے لیے اجازت نامہ..160
کسی کے گھر میں داخل ہونے کے آداب..161
حقیقی مومنین..162
رسول اللہؐ سے گفتگو کرنے کے آداب..163
اللہ کی عمومی مالکیت اور تدبیر کا بیان..164
سورۃ الفرقان..166
اس سورت کے مطالب..166
اللہ کی طرف سے خیر و برکت..167
اللہ کا اقتدار اعلیٰ..168
مشرکین کے معبودوں کی حقیقت..169
عربی کافروں کی باتیں..170
کافروں کی بات کا تسلسل..171
کافروں کے طعنوں کا جواب..172

کافروں کے طعنے 173
کافروں کے اقدامات پر تبصرہ 174
کافروں کے طعنوں کا جواب 175
کافروں کا انجام 176
آگ کی کیفیت 176
آگ کے شعلے دیکھ کر کفار کا اظہار 176
کافروں سے سوال 177
اہل تقویٰ کا ٹھکانہ بہشت ہے 178
الٰہی وعدہ کا پورا ہونا 179
جھوٹے معبودوں سے سوال اور ان کا جواب 180
مشرکین کی گمراہی کا سبب 180
کافروں کے لیے سخت عذاب 181
رسولوں کی باہمی مشابہت 182
معاد کے منکرین کی باتیں 183
قیامت کے دن معاد کے منکروں کی پریشانی 184
مشرکین کے اعمال 184
اہل بہشت کے لیے آرام و سکون 185
قیامت کے دن بارے 186
قیامت کے دن ظالموں کی کیفیت 187
قرآن کو چھوڑنے کا شکوہ 189

اللہ کی سنت جاریہ 190

قرآن کے بارے مشرکین کا بیان 191

اللہ کی اپنے رسولؐ کی حمایت کا اعلان....................... 192

رسول اللہؐ پر اعتراضات کرنے والوں کا انجام 193

موسیٰؑ اور ہارونؑ کا حوالہ....................... 194

پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا انجام....................... 195

قوم لوط پر عذاب کا واقعہ....................... 197

کفار مکہ کا تمسخر آمیز رویہ....................... 198

پیغمبرؐ کے مخالفین کے بارے گفتگو....................... 199

اللہ پر ایمان لانے کی ایک نشانی کا بیان....................... 200

اللہ کی نشانیاں ایمان لانے میں مددگار 202

بارش کے فوائد....................... 203

میٹھے اور کھارے پانی کا حوالہ 204

اللہ کی قدرت کا اظہار....................... 205

مشرکین کا رویہ....................... 206

رسول اللہؐ سے اللہ کا خطاب 207

قرآن پہنچانے کے بدلہ میں اجر....................... 207

اللہ پر توکل کا حکم....................... 208

اللہ کی سلطنت اور اقتدار اعلیٰ....................... 209

کافروں کا برا رویہ 210

آفتاب و قمر کی منازل کا حوالہ.......................................211
دن اور رات، اللہ کی قدرت کے مظاہر.......................................212
مومنوں کا رویہ.......................................213
مومنوں کی ایک اور صفت.......................................214
مومنین کی دعا.......................................215
مومنین کی میانہ روی کا تذکرہ.......................................215
شرک کے بعد توبہ.......................................216
مومنین کے مزید اوصاف.......................................218
جنت کی نعمت کے حقدار.......................................220
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان.......................................221
سورۃ الشعراء.......................................222
اس سورت کے مطالب.......................................222
کتاب مبین.......................................223
پیغمبر اکرمؐ کے لیے تسلی.......................................224
کافروں کا رویہ.......................................225
اللہ کی نشانیوں کا انکار.......................................226
ظالموں کی طرف بھیجے گئے رسول.......................................227
موسیٰؑ کے لیے اللہ کا فرمان.......................................228
فرعون کا موسیٰؑ کو جواب.......................................231

موسیٰؑ کا فرعون کو جواب 232
فرعون کے سوالوں کے جوابات 235
فرعون کی ربوبیت کا بطلان 237
فرعون کی دھمکی 237
موسیٰؑ کا اپنے دعویٰ کے لیے معجزہ دکھانا 238
فرعون کا اپنی قوم کے بڑوں سے مشورہ 239
موسیٰؑ کے ساتھ مقابلے کا دن 241
مقابلہ کا آغاز 242
مصر کے ماہر جادوگروں کا ایمان لانا 244
ساحروں کی اللہ سے اُمید 245
موسیٰؑ کے لیے اللہ کا نیا حکم 246
مصر سے بنی اسرائیل کی روانگی 248
موسیٰؑ اور فرعون کے قصہ میں عبرت 250
ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے حالات 252
اللہ سے ابراہیمؑ کی درخواست 255
صالح جانشین کی درخواست 256
جنت میں جانے کی درخواست 257
ابراہیمؑ کی آزر کے لیے اللہ سے درخواست 258
قیامت کی ہولناکیوں سے اللہ کی پناہ مانگنا 258
قیامت کے دن کا وصف 259

جنت نیکوکاروں کے لیے اور جہنم بدکاروں کے لیے 260
گمراہوں کا انجام 261
تین گروہ 261
شیاطین اور ان کے پیروکاروں کا آپس میں جھگڑا 263
قوم نوحؑ کے حالات 265
نوحؑ کی قوم کا جواب 266
قوم نوحؑ کی بغاوت 268
قوم عاد کا واقعہ 270
ہودؑ کا اپنی قوم سے تبلیغی خطاب 272
قوم ہود کا باغیانہ انداز 274
قوم ثمود میں صالحؑ کی تبلیغ 277
قوم صالحؑ کا باغیانہ رویہ 280
معجزہ کا مطالبہ 280
قوم لوطؑ کا قصہ 283
لوطؑ کی دعوت پر ان کی قوم کا ردعمل 286
لوطؑ کا اپنی قوم کو جواب 286
اللہ سے لوطؑ کی درخواست 287
اللہ کا فیصلہ 287
عذاب کی کیفیت 287
اس واقعہ سے درس 288

شعیبؑ کا اپنی قوم کو الٰہی پیغام 289
شعیبؑ کا اپنی قوم کو ایک برائی سے روکنا 290
شعیبؑ کی قوم کا عذاب مانگنا 292
شعیبؑ کا اپنی قوم کو جواب 292
قرآن کا نزول 293
علماء بنی اسرائیل کی قرآن سے آگاہی 295
مشرکین کا بے جا اعتراض 296
مشرکین کے لیے عذاب الٰہی 297
اللہ کی نعمتوں کا کفران 297
اتمام حجت 298
مشرکین کو جواب 299
مشرکین کا پہلا دعویٰ 299
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی حکم 301
خاندان کو ڈرانے کا حکم 302
شیاطین کے بارے خصوصی بات 304
مشرکین کی دوسری تہمت کا جواب 305
حقیقی شعراء کی پہچان 306
حضرت ابو طالبؑ کی شان 307
سورۃ النمل 309

اس سورت کے مطالب 309
قرآن کے بارے بیان 310
مومنین کے اوصاف 311
انسان کی زندگی کا انجام 312
حکیم اور علیم کی جانب سے اترنے والا قرآن 313
موسیٰؑ کا کوہ طور پر جانا 313
موسیٰؑ کا ماجرا 314
موسیٰؑ کا آگ کے پاس پہنچنا 315
اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کا تعارف 315
موسیٰؑ کے لیے اللہ کا فرمان 316
حضرت موسیٰؑ کے معجزات 318
فرعونیوں کے پاس کا نشانیاں لے کر آنا 319
علم کا عطیہ 320
سلیمانؑ، داؤدؑ کے وراث 320
سلیمانؑ اور ان کی فوج 322
اللہ سے سلیمانؑ کی دعا 324
سلیمانؑ کا پرندوں کا جائزہ لینا 326
ہدہد کی سلیمانؑ کے پاس حاضری 327
سباء شہر کے بارے معلومات 327
ہدہد کی گفتگو کا نتیجہ 329

ہدہد کے ذمہ نامہ رسانی کا کام.......... 330
ملکہ سباء کی گفتگو.......... 330
ملکہ سباء کا اپنی قوم کے بزرگوں سے مشورہ.......... 332
بزرگان قوم کا جواب.......... 332
ملکہ سباء کا عاقلانہ فیصلہ.......... 333
ملکہ سباء کا سلیمانؑ کے لیے ہدیہ بھیجنا.......... 333
سلیمانؑ کا ملکہ کے تحائف پر رد عمل.......... 334
سلیمانؑ کا بلقیس کے قاصد کو جواب.......... 335
سلیمانؑ کی اپنے بڑوں کو خبر.......... 336
شرارتی جن کا اعلان.......... 336
سلیمانؑ کے وزیر کا اعلان.......... 337
ملکہ کے تخت بارے خصوصی حکم.......... 339
ملکہ سباء سلیمانؑ کے دربار میں.......... 339
غیر خدا کی پرستش.......... 340
ملکہ سباء کا رب العالمین پر ایمان لانا.......... 341
قوم ثمود کے پاس صالحؑ کی آمد.......... 342
قوم ثمود کی نافرمانی.......... 342
قوم صالحؑ کا معاندانہ رویہ.......... 343
فسادیوں کے بارے بیان.......... 344
صالحؑ اور ان کے گھر والوں کے قتل کا منصوبہ.......... 345

قوم ثمود کی ہلاکت.. 346
قوم لوط کا انجام.. 347
قوم لوط کا اعلان 348
قوم لوط پر عذاب 348
انبیاء کے واقعات کا نتیجہ.. 349
آسمانوں اور زمین کا خالق 350
اللہ کی وحدانیت کے ثبوت 351
مضطر و پریشان کی دعا کو سننے والا 352
اللہ کی وحدانیت کے ثبوت 353
اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں.. 354
اللہ کی الوہیت پر ایک اور برہان 355
منکرین معاد کے دلائل.. 356
مشرکین کو جواب.. 357
پیغمبر اکرمؐ کو تسلی.. 357
مشرکین کا اعتراض.. 359
عذاب کی تاخیر کا سبب 359
قرآن میں حقائق کا بیان 360
رسول اللہؐ کے سابقہ بیانات کا نتیجہ 361
قیامت کے دن کا منظر.. 362
اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے 364

جھٹلانے والوں کی خاموشی............................ 365

دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں............................ 365

صُور پھونکا جانا............................ 366

قیامت کے دن کا ایک منظر............................ 367

نیک اور بد عمل کا انجام............................ 369

رسول اللہؐ کا کام............................ 370

سورۃ القصص............................ 373

اس سورت کے مطالب............................ 373

موسیٰؑ اور فرعون کے واقعات............................ 374

فرعون کے فسادات............................ 375

اللہ کا محروم طبقات پر احسان کا اعلان............................ 376

فرعونیوں کا انجام............................ 376

موسیٰؑ کی نجات کا انتظام............................ 378

موسیٰؑ کی اپنی ماں کے پاس واپسی............................ 380

موسیٰؑ کے لیے اللہ کا انعام............................ 382

موسیٰؑ کا فرعون کے محل سے باہر نکلنا............................ 383

موسیٰؑ کی اللہ سے التجاء............................ 385

موسیٰ علیہ السلام کی پریشانی............................ 386

بنی اسرائیلی کی موسیٰؑ کے خلاف گواہی............................ 387

دربار فرعون کا فیصلہ.. 387
موسیٰؑ کا مصر سے فرار.. 388
موسیٰؑ مدین شہر میں.. 388
موسیٰؑ کی شعیبؑ کی بیٹیوں کی مدد.. 390
موسیٰؑ، شعیبؑ کے پاس.. 391
موسیٰؑ کو اُجرت پر لینے کا مسئلہ.. 392
موسیٰؑ کو شعیبؑ کی پیشکش.. 394
موسیٰؑ کا شعیبؑ کی تجویز کو قبول کرنا.. 394
موسیٰؑ کی مدین سے روانگی.. 395
حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر.. 396
عصا کا سانپ بن جانا.. 398
موسیٰؑ کے دو معجزے.. 399
موسیٰؑ کی اللہ سے درخواست.. 400
موسیٰؑ کی درخواست قبولیت.. 401
موسیٰؑ فرعون کے دربار میں.. 402
موسیٰؑ کا فرعونیوں کو جواب.. 402
فرعون کا موسیٰؑ کی دعوت کو ٹھکرانا.. 403
فرعونیوں کا تکبر اور ان کا انجام.. 405
موسیٰ علیہ السلام کے لیے کتاب.. 406
محمد مصطفیؐ سے گفتگو.. 408

کوہ طور پر رسول اللہؐ کا موجود نہ ہونا........................... 408
اتمام حجت کے لیے رسول بھیجنا........................... 409
مشرکین کی بہانے تراشیاں........................... 410
مشرکین کو جواب........................... 411
مشرکین نفسانی خواہشات کے پیروکار........................... 412
قرآن کا نزول........................... 413
قرآن پر ایمان لانے والے........................... 414
ایمان لانے والے اہل کتاب کا اجر........................... 414
ایمان لانے والے اہل کتاب کی خصوصیات........................... 415
اللہ کی ہدایت........................... 416
کچھ مشرکین کا بہانہ........................... 417
مشرکین کے بہانے کا جواب........................... 417
مشرکین کو دوسرا جواب........................... 418
آبادیوں کی تباہی و ویرانی........................... 419
اللہ کا قانون........................... 420
دُنیاوی نعمات کی بے ثباتی........................... 420
مشرکین کے لیے بیان شدہ مطالب کی مزید تشریح........................... 421
خود ساختہ شرکاء کے بارے سوال........................... 422
خود ساختہ شرکاء کا بیان........................... 423
مشرکین کے نام آواز........................... 423

قیامت کے دن مشرکوں پر اعتراض........................ 424

خلقت اللہ کے ہاتھ میں........................ 425

تکوینی اختیار........................ 426

انسان پر اللہ تعالیٰ کا اختیار........................ 426

اللہ کی حاکمیت اور بلند شان........................ 427

رات اور قیامت کا تعلق........................ 429

قیامت اور دن کا تعلق........................ 429

اللہ کی خصوصی رحمت........................ 430

روز قیامت مشرکین سے مطالبہ........................ 430

قیامت میں گواہوں کی حاضری........................ 431

قارون کا واقعہ........................ 433

قارون کو ناصحانہ مشورے........................ 434

قارون کا متکبرانہ جواب........................ 434

قارون کا اپنی ثروت کی نمائش........................ 436

بنی اسرائیل کے دو گروہ........................ 436

قارون کا انجام........................ 437

قارون کے غرق ہونے پر دُنیاداروں کی گفتگو........................ 439

آخرت کا انعام........................ 440

قیامت کے دن دُنیاوی اعمال کا بدلہ........................ 441

اللہ کا اپنے حبیبؐ کو مکہ واپسی کا وعدہ........................ 442

قرآن کا نزول 444
رسول اللہؐ کے لیے کافروں کے بارے حکم 444
ہر شئی کی فنا حتمی ہے 445
سورۃ العنکبوت 448
اس سورت کے مطالب 448
اسلام میں امتحان کا قانون 449
مشرکین کے لیے بیان 450
مومنوں کی سرزنش 451
حقیقی ایمان کا انجام 452
والدین سے احسان 453
ایمان اور عمل صالح کا ثمر 454
کمزور ایمان والے 455
مومن اور منافق کی شناخت 456
مشرکین مکہ کا مسلمانوں کے لیے اعلان 457
کافروں کی عاجزی اور ناتوانی 458
قوم نوحؑ کا تذکرہ 459
نجات پانے والے 460
حضرت ابراہیمؑ کی دعوت 460
کافروں کے باطل خداؤں کی بیچارگی 461

مشرکین قریش سے خطاب.. 462
معاد کے ثبوت پر دلائل.. 463
مشرکین پر اتمام حجت.. 465
ابراہیمؑ کی دعوت کا جواب.. 466
بت پرستوں کا انجام.. 467
حضرت لوطؑ کا کردار.. 468
ابراہیمؑ کے لیے اللہ کا عطیہ.. 469
قوم لوط کا قبیح عمل.. 470
لوطؑ کی اپنی قوم پر نفرین.. 471
فرشتوں کا ابراہیمؑ کو خبر دینا.. 472
ابراہیمؑ کا لوطؑ کے لیے فکر مند ہونا.. 472
لوطؑ کے پاس عذاب کے فرشتوں کی آمد.. 473
عذاب اُتارنے کی خبر.. 474
صاحبان عقل کے لیے اللہ کی نشانی.. 474
حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم.. 475
حضرت ہودؑ و صالحؑ کی قوم.. 476
قارون، فرعون اور ہامان کا انجام.. 477
مختلف اقوام پر عذاب کی کیفیت.. 478
غیر خدا کو اولیاء قرار دینا.. 479
غیر خدا کی پرستش کرنے والوں کے متعلق.. 480

قرآنی مثالیں............................ 481
آسمانوں اور زمین کی با مقصد خلقت.................... 481
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی دستور.................... 482
تبلیغ کا اسلوب.................... 484
رسول اللہؐ پر قرآن کا نزول.................... 485
رسول اللہؐ کی خصوصیت.................... 485
قرآن کی خصوصیت.................... 487
مشرکین کا مطالبہ.................... 487
حقانیت کی گواہی.................... 488
رسالت کی حقانیت پر گواہی.................... 489
مشرکین کی جانب سے عذاب کا مطالبہ.................... 489
کافروں کی جہالت پر مبنی خواہش.................... 491
مومنین کے لیے خصوصی خطاب.................... 491
دُنیاوی زندگی.................... 492
صبر اور توکل کرنیوالوں کے لیے اللہ کا انعام.................... 493
اللہ کی طرف سے رزق کی فراہمی.................... 494
مشرکین کا اپنے عقیدے کے خلاف عمل.................... 495
روزی اللہ کے اختیار میں ہے.................... 496
بارشیں برسانے والا کون؟.................... 497
دُنیا اور آخرت کا موازنہ.................... 498

مشرکین کے رویوں کا بیان 500
اللہ کا مکہ والوں پر احسان 501
جہنم مشرکین کا ٹھکانہ 502
جہاد کرنے والوں کی سرپرستی 502

سورۂ روم 504
اس سورت کے مطالب 504
روم پر غلبے کی خبر 506
برحق الٰہی وعدہ 507
انسانوں کی مادی سوچ اور معاد کا انکار 508
خود فراموشی 508
آیات الٰہی کے انکار کا سبب 510
آغاز اور انجام اللہ کی طرف سے 512
قیامت کے دن گناہگاروں کی حالت 512
قیامت میں مومن و کافر کے درمیان جدائی 513
قیامت کے دن مومنوں کی کیفیت 513
کافروں کی کیفیت 513
اللہ کی حمد و تسبیح 514
حیات و موت 515
اللہ کی نشانیاں 516

انسان کا جوڑا جوڑا ہونا.......................................517
اللہ کی تکوینی آیات.......................................519
آسمان اور زمین کا ثبات.......................................522
آفرینش کے مظاہر الٰہی آیات کا بیان.......................................522
اللہ کی مالکیت.......................................523
ابتدائی ایجاد اور موت کے بعد دوبارہ ایجاد.......................................524
اللہ کا شریک قرار دینے کے بطلان پر ایک مثال.......................................525
شرک کی کوئی عقلی بنیاد نہیں.......................................526
خلقت اور تدبیر عالَم.......................................527
نوع انسان کی سعادت و شقاوت.......................................528
دین فطرت کا تقاضا.......................................529
مشرکین کی خصوصیت.......................................531
مشکلات میں عام لوگوں کی کیفیت.......................................532
رحمت اور تکلیف کا تقابل.......................................533
نعمت و مصیبت کے ظاہر پر نظر رکھنا.......................................534
رزق میں وسعت اور تنگی.......................................535
حقوق کی ادائیگی.......................................536
رسول اللہؐ سے خطاب.......................................536
سُود اور زکوٰۃ کا مسئلہ.......................................537
الوہیت اور ربوبیت اللہ کے لیے ہے.......................................538

زمین پر فساد 539
زمین میں سیر و سیاحت کا حکم 540
اللہ کے دین پر قائم رہنا 541
ہر ایک کو اس کے عمل جیسا بدلہ ملے گا 541
نیک مومنین پر اللہ کا خصوصی انعام 541
اللہ کی نشانیاں 542
شکر نعمت 543
ہر قوم کے پاس رسول کا آنا 543
ہواؤں کا فائدہ 544
اللہ کی رحمت کے آثار 545
ناشکرا انسان 546
پیغمبر اکرمؐ کی حوصلہ افزائی 547
انسان کی خلقت کے مراحل 547
کافروں اور گناہگاروں سے نااُمیدی 548
اہل علم اور اہل ایمان کا کافروں کو جواب 549
قیامت کے دن ظالموں کی معذرت 549
حق کا اظہار 550
رسول اللہؐ کو صبر کی تلقین 550
سورۂ لقمان 552

اس سورت کے مطالب 553
قرآن کے اوصاف اور فوائد........................ 554
حق سے بہکانے والے لوگ........................ 555
اللہ کا سچا وعدہ........................ 556
بے ستون آسمانوں کی خلقت........................ 557
خلقت اور تدبیر کے نمونے........................ 557
لقمان کا تذکرہ........................ 558
شکر گذاری اور ناشکری کا انجام........................ 559
لقمان کی اپنے بیٹے کو وصیت........................ 560
والدین بارے اللہ کی وصیت 561
والدین کے احترام میں استثناء 561
اللہ کی جانب واپسی........................ 562
حقوق والدین کا مسئلہ 562
ماں کا احترام والد سے زیادہ 562
حقیقت شناس بنیں! 563
دنیوی معاملات میں والدین سے تعلق داری 563
انسان کا عمل........................ 564
لقمانؑ کے مواعظ حسنہ........................ 565
متکبرانہ چال چلنے سے منع 566
چلنے میں مناسب انداز 567

آواز کا دھیما رکھنا.. 567
مشرکین کی ہٹ دھرمی.. 568
مشرکین کی اندھی تقلید.. 570
رسول اللہؐ کے لیے تسلی و حوصلہ افزائی.. 571
انسان کی توحیدی فطرت پر خلقت.. 572
حقیقی مالکیت.. 573
اللہ کے کلمات کا شمار.. 573
کلمۃ اللہ.. 574
معاد کا اثبات.. 575
اللہ کی قدرت کے مظاہر.. 576
حق اور باطل.. 577
اللہ کی نعمت کا کفران.. 579
تقویٰ کی دعوت اور قیامت سے خبردار رہنا.. 580
علم الٰہی کے ساتھ خاص امور.. 581

سورۃ السجدۃ.. 584
اس سورت کے مطالب.. 584
قرآن الٰہی کتاب.. 585
قرآن کے متعلق کافروں کا خیال.. 586
عالم کی خلقت اور انسان کے اعمال.. 588

عرش سے مراد 588

اللہ ہی ولی اور شفیع 589

اللہ کا علمی احاطہ 591

مخلوقات کی بہترین صورت میں خلقت 591

انسان کی خلقت 592

منکرین قیامت 594

ملک الموت کا کام 594

قیامت میں اللہ کی ملاقات کا انکار کرنیوالوں کا حال 595

ہدایت کا اختیار اللہ کے پاس 596

قیامت کا دن بھلانے کا انجام 597

مومنین کی خصوصیات 597

نیک اور برے اعمال کا بدلہ 599

امام حسنؑ کا احتجاج 599

مومنوں اور فاسقوں کا انجام 601

دُنیاوی عذاب 601

سب سے بڑا ظالم 602

موسیٰؑ کی قوم پر اللہ کا احسان 603

ہدایت دینے والے ائمہ 604

دین کے امر میں اختلاف کا فیصلہ 605

سابقہ اقوام کی ہلاکت 606

اللہ تعالیٰ کی حُسنِ تدبیر.. 606
فتح وکامرانی کا دن.. 607
سورۃ الاحزاب.. 610
اس سورت کے مطالب.. 610
جنگ اُحد کے بعد قریش کے بڑوں کی تجویز.. 611
اللہ کے فرمان کی اتباع.. 612
اللہ پر توکل کا حکم.. 612
حقیقی ماں اور حقیقی اولاد کے بارے.. 613
ظِہار اور منہ بولا بیٹا.. 614
منہ بولے بیٹے.. 615
رسول اللہؐ کا مومنین سے تعلق.. 616
رسول اللہؐ کی ازواج کا حکم.. 617
رشتہ داروں کے بارے حکم.. 617
پیغمبروں سے میثاق.. 618
انبیاء سے میثاق.. 618
سچوں کی بازپرس.. 619
جنگ خندق کے بارے بیان.. 620
منافقین کا رویہ.. 622
منافقین کے بہانے.. 624

فراریوں کے بارے بیان............................ 625

جنگ سے فراریوں کی حالت............................ 627

منافقوں کے خوف کی حالت............................ 628

رسول اللہؐ کی پیروی کا حکم............................ 628

مومنین کی شان............................ 629

مومنین کی وفاداری............................ 630

مومنین اور منافقین کا انجام............................ 631

بعض اوقات گناہ سعادت کا مقدمہ............................ 631

کافروں کی شکست............................ 632

یہود بنی قریظہ کا واقعہ............................ 633

رسول اللہؐ کی ازواج کے بارے............................ 634

برے عمل کی سزا............................ 636

نیک اور اطاعت گذار بیویوں کا اجر............................ 637

ازواج پیغمبرؐ کا بلند مقام............................ 637

ازواج پیغمبرؐ کے لیے خصوصی احکام............................ 639

اہل البیتؑ کی طہارت و عصمت کا اعلان............................ 639

ازواج پیغمبرؐ کے لیے خصوصی یاددہانی............................ 642

مرد اور عورت کی کرامت............................ 643

اللہ اور رسولؐ کے فیصلہ کی حیثیت............................ 645

زید اور اس کی زوجہ زینب کا معاملہ............................ 646

پیغمبرؐ کے لیے اللہ کا فرمان.. 648
الٰہی پیغام پہنچانے والے.. 649
محمدؐ، اللہ کے رسول اللہؐ ہیں.. 650
رسول اللہؐ کا خاتم الانبیاء ہونا.. 650
مومنین کے لیے خصوصی ہدایات.. 651
مومنین پر اللہ کی رحمت.. 652
قیامت کے دن اللہ سے ملاقات.. 653
رسول اللہؐ کی خصوصیت.. 654
کفار اور منافقوں سے دُوری کا حکم.. 655
کافروں، منافقوں سے دُوری.. 655
نکاح کے بعد طلاق.. 656
رسول اللہؐ کے لیے حلال عورتیں.. 658
رسول اللہؐ پر خصوصی مہربانی.. 659
رسول اللہؐ کے لیے آسانی.. 659
رسول اللہؐ کے لیے خصوصی ہدایت.. 661
رسول اللہؐ سے معاشرت کے آداب.. 663
علم الٰہی.. 664
حجاب کے بارے استثناء.. 665
رسول اللہؐ پر صلوات و سلام کا حکم.. 666
صلوات پڑھنے کا طریقہ.. 666

اللہ اور رسولؐ کو اذیت دینے والوں پر لعنت 667
بغیر جرم کے مومنین کو اذیت دینا 668
حجاب کا حکم 669
منافقین کے بارے الٰہی فیصلہ 671
قیامت کے بارے علم 671
کافروں کا انجام 672
جہنم میں کافروں کی حالت 673
کافروں کی بہانہ تراشی 673
مومنین کے لیے خصوصی ہدایت 674
مومنین کے تقویٰ کا نتیجہ 675
انسان کا الٰہی امانت کو اٹھا لینا 676
الٰہی امانت لینے کا انجام 677

سورۃ المومنون

(مکی، آیات 118)

اس سورت کے مطالب

انسانوں کو ایمان کی دعوت، مومنین کے لیے ہدایات، قیامت کا تعارف، مومنوں اور کافروں کے درمیان امتیاز، جنت کی بشارت اور جہنم کے بارے خبردار کرنا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: "بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے۔"

مومنین کی فلاح و کامیابی

فلاح کا معنی نتیجہ حاصل کر لینا، کامیابی کا حصول، اپنی آرزو کو پہنچ جانا۔

دُنیاوی کامیابی

سعادت مند اور خوشحال زندگی، توانگری، ظاہری عزت و آبرو، نیک نامی، اولاد، دوست و احباب، عزیز و اقارب، اچھی رہائش، خوراک کا اچھا انتظام ہے

اُخروی کامیابی

بقاء بغیر فنا کے، بے نیازی بغیر فقر و فاقہ کے، عزت بغیر ذلت کے، علم بغیر جہالت کے۔

ایمان

یہ ایسا عقیدہ، نظریہ اور ایسی بات کا اعتراف اور تصدیق کہ عمل میں پابندی جس کے لوازمات

اور ضروریات سے ہے جیسے اللہ پر ایمان، اللہ کے رسول پر ایمان، اللہ کے رسولوں کے فرامین پر ایمان، قیامت کے بارے ایمان، قیامت کے دن حساب پر ایمان، جنت و جہنم کے وجود پر ایمان، فرشتگان کے وجود پر ایمان اور دیگر لازمی عقائد پر ایمان، ان امور کا اعتقاد رکھ لینا نہیں بلکہ اعتقاد کے ساتھ ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جہاں پر بھی ایمان کا ذکر کیا ہے اس کے ساتھ عمل صالح کو بھی بیان کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے فرمایا: ''اہل ایمان ہی حقیقت میں رستگار ہیں، دُنیا و آخرت کی سعادت ان کے لیے ہے'' اس کے بعد اہل ایمان کے اوصاف کا تذکرہ کیا ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲

ترجمہ: ''جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔''

مومنوں کی پہلی صفت خشوع

خشوع ایسی قلبی حالت کو کہتے ہیں جو قاہر، غالب کے سامنے مقہور و مغلوب اور شکست خوردہ ہونے کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا مومنین کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کی حالت میں ایسی کیفیت میں ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مالک کے حضور انتہائی ذلت و کمتری میں ہیں اس کے نتیجہ میں یہ ہوتا ہے بدن کے اعضاء شدت خوف سے کانپ رہے ہوں، آنکھیں نیچے جھکی ہوں، تواضع اور تذلل خشوع کے مصادیق سے ہے، دل ان کا لرز رہا ہوتا ہے بدن پر بھی اس کیفیت کے آثار نظر آتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳

ترجمہ: ''اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑنے والے ہیں۔''

دوسری صفت

مومنین لغو سے دُور ہوتے ہیں۔ لغو ایسے کام جن کے انجام دینے سے دُنیا میں فائدہ ہوتا ہے نہ آخرت میں فائدہ ہوتا ہے؛ بے مقصد کام کرنا۔ اس جگہ اعراض کہا گیا ہے اعراض کا معنی پوری طرح ترک کرنا نہیں ہوتا۔ یہ اس لیے کہا ہے کہ مومنین بھی انسان ہیں، انسان ہونے کے ناطے ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں، بھول بھی ہو جاتی ہے، وہ ایمان کی وجہ سے اللہ کی کبریائی اور عظمت کے سامنے جھکے رہتے ہیں، اللہ کو یاد کرتے ہیں لہٰذا ایسے کاموں سے دُور رہتے ہیں، جو بے فائدہ ہوتے ہیں۔ دُنیاوی مال و متاع، دُنیاوی عیش و عشرت جن میں جاہل اور پست فطرت لگے رہتے ہیں ان سے خود کو دُور رکھتے ہیں اگرچہ ان پر جاہل اور پست فطرت طعنہ زنی ہی کیوں نہ کریں۔ جاہلوں کے لیے ان کا جواب نرم ہوتا ہے۔ مومنوں کا وصف یہ ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں، پہلو تہی کرتے ہیں، یہ ان کی بلند ہمتی اور نفسیانی کرامت اور شرافت ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤

ترجمہ: ''اور جو زکوۃ دینے والے ہیں۔''

تیسری صفت

مومنین اپنے مال سے انفاق کرتے ہیں، زکوۃ کے ذریعہ اپنے مال کو پاکیزہ کرتے ہیں۔ یہ عمل معاشرہ کو سعادت تک پہنچانے اور اسے کمال کی منزل پر لے جانے اور معاشرہ کی حفاظت میں بزرگ ترین عامل سے ہے۔ اس لحاظ سے کہ یہ سورہ مکی ہے لیکن زکوۃ مدینہ میں واجب ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے اس آیت میں زکوۃ سے مراد مطلق انفاق ہے کہ وہ اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں۔ شریعت میں متعین زکوۃ مراد نہیں ہے اس عمل سے معاشرہ کی

ضروریات پوری کرنے میں مدد ملے گی۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾

ترجمہ: ''مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں۔''

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾

ترجمہ: ''پس جو شخص اس کے علاوہ طلب گار ہو تو وہی حد سے نکلنے والے ہیں۔''

چوتھی صفت

مومنین کی یہ صفت ہے وہ بدکاری سے خود کو محفوظ رکھتے ہیں۔ جنسی خواہشات انسان کی فطرت وطبیعت میں شامل ہے اسے پورا کرنا ضروری ہے، اسے جائز اور حلال راستہ سے پورا کرنا چاہیے، فقط اپنی ازواج اور جو ان کے لیے کنیزیں مہیا ہیں ان پر اکتفاء کرتے ہیں۔ البتہ جو اس جائز راستہ کو چھوڑ کر غلط راہ پر چلتے ہیں اور بدکاری کرتے ہیں، جنسی رابطے ناجائز طریقہ سے اپناتے ہیں تو یہ لوگ ظالم وستمگار ہیں۔ انہوں نے حدود الٰہی سے تجاوز کیا ہے کیونکہ اس طرح معاشرہ فاسد ہو جائے گا اور نسب کا نظام تباہ ہو جائے گا اور انسانی نسل کی شناخت ختم ہو جائے گی، گھرانہ اور خاندان کا سسٹم تباہ ہو جائے گا۔ مومنین ایسا کام نہیں کرتے جس سے اللہ کی حدود پامال ہو رہی ہوں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''اور جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدہ کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔''

پانچویں اور چھٹی صفت

مومنین کی دو اور اہم صفات ہیں۔

ا۔ وہ امانتدار ہوتے ہیں، امانت میں خیانت نہیں کرتے، مال کی امانت، آبرو کی امانت، راز کی امانت، ذمہ داری کی امانت، اللہ کے جتنے فرائض ہیں یہ بھی الٰہی امانت ہیں، جو ایمان والوں کے سپرد ہیں وہ ان میں خیانت نہیں کرتے۔ اللہ کے فرائض کو انجام دیتے ہیں جیسے ان کو انجام دینا چاہیئے، کسی کے ساتھ کسی بھی حوالے سے خیانت نہیں کرتے۔

۲۔ عہد کا پاس رکھتے ہیں، نذر مانتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، کسی کام کی قسم اٹھا لیتے ہیں تو اسے انجام دیتے ہیں۔ اس سے مراد مطلق فرائض بھی لیے جا سکتے ہیں کہ کلمہ توحید پڑھ لیا تو اللہ سے یہ عہد و پیمان باندھ لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے گا تو اس پر قائم رہے اور یوم اَلست، عالم اَرواح میں بھی اللہ نے تمام مخلوقات سے اور اس انسان سے اپنی اطاعت اور توحید کا عہد و پیمان لیا تھا، مومنین اس عہد کا پاس کرتے ہیں، فرائض کو انجام دیتے ہیں۔

اس آیت میں مومنین کو تاکید کی گئی ہے وہ خیانت نہ کریں اور امانت کا لحاظ رکھیں اور جو عہد و پیمان باندھا ہے اس کی مخالفت نہ کریں۔ جب ایمان اختیار کر لیا تو پھر اس کے تقاضے بھی نبھائے جائیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹

ترجمہ: ''اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

ساتویں صفت

مومنین اس بات کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نمازوں کو قضاء نہیں ہونے دیتے، وقت پر نماز پڑھتے ہیں، ہمیشہ اپنی نماز پر متوجہ رہتے ہیں۔ حقِ ایمان یہی ہے کہ

نماز جیسی عبادت کا خیال رکھیں۔ نماز کا دو دفعہ ذکر کیا ہے ایک بار یہ بتایا کہ مومنین نمازی ہوتے ہیں پھر دوبارہ بتایا کہ وہ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ نماز قضاء نہیں ہونے دیتے، نماز کے اوقات کا خیال رکھتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: ''وہی وارث ہیں۔''

الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾

ترجمہ: ''جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔''

مومنین کے لیے بشارت

پہلے مومنین کے اوصاف بیان کیے اور بتا دیا کہ مومنین ہی کامیاب و کامران ہیں۔ پھر ان کے اوصاف بتائے گئے پھر بتایا کہ مومنین جن کے اوپر اوصاف بیان کر دیئے ہیں بہشت کو اللہ نے ان کے لیے خلق کیا ہے۔ اللہ کا نظام ہی ایسا ہے کہ انسان اپنے اختیار سے اچھے اعمال کرے، عقیدہ صحیح رکھے تو پھر اس کے لے بہشت جاودانی ہے لیکن جو لوگ دُنیاوی ہیں، اپنے لیے کفر اختیار کر لیا، اللہ کی وحدانیت کا انکار کر دیا تو انہوں نے خود ہی اپنے لیے بہشت کا دروازہ بند کر دیا۔ اس طرح جنت فقط مومنوں کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے اور بہشت میں جو مکانات ان کو ملنے تھے، جو بے عملی اور کفر و الحاد کی وجہ سے جنت میں نہ آسکے تو ان کے مکانات مومنوں کو وراثت میں مل جائیں گے۔ روایات میں ہے ہر شخص کے لیے جنت میں مکان ہے اور ہر شخص کے لیے جہنم میں جگہ ہے۔ مومنین ایمان لانے اور عمل صالح کی وجہ سے جہنم کی بجائے جنت آجاتے ہیں اور جنت میں جو کافروں اور بے عملوں کے مکانات تھے ان

کو وراثت میں لے لیتے ہیں جبکہ کافر جہنم پہنچ جاتے ہیں اور مومنوں نے جو جگہیں چھوڑی ہیں ان کو بھی کافر اور بے عمل افراد سنبھال لیتے ہیں۔ بہشت میں جانے والے بہشت میں ہمیشہ رہیں گے اور جہنم میں جانے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور البتہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔''

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے اسے حفاظت کی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔''

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے نطفہ کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنائی پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت پہنایا، پھر اسے ایک نئی صورت میں بنا دیا، سو اللہ بڑی برکت والا سب سے بہتر بنانے والا ہے۔''

انسان کی خلقت

اس آیت میں انسان کی خلقت کے مختلف مراحل کو بیان کیا ہے کہ کس ترتیب سے ہم نے اس خوبصورت وجود کو خلق کیا۔ پہلے تو ہم نے گیلی مٹی سے اسے پیدا کیا یہ حضرت آدم اور حضرت حوا کی خلقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست گیلی مٹی سے آدم و حوا علیہما السلام کے پتلوں کو بنایا اور پھر ان میں رُوح ڈال دی اور وہ چلتا پھرتا انسان بن گیا۔ اس کے بعد انسان

کی خلقت کا درج ذیل طریقہ بتایا گیا:
آغاز میں نطفہ ایک گندے پانی کا گاڑھا قطرہ جس میں کثیر تعداد میں زندہ جرثومے ہوتے ہیں کہ ان ہزاروں جرثوموں سے ایک یا زیادہ جرثومے ماں کے رحم میں جا ٹھہرتے ہیں اور پھر اس رحم میں انسان بننے کے مراحل شروع ہوتے ہیں جس کی ترتیب اللہ نے بیان کی۔
نطفہ کا معنی بہت ہی تھوڑا سا پانی۔ پھر ہم نے انسان کو نطفہ قرار دیا جسے رحم میں ٹھہرایا اس کے بعد اس کے رشد کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلے تو نطفہ جمع شدہ خون بنا اس کے بعد گوشت کا لوتھڑا بنایا گیا اس کے وہی لوتھڑا ہڈیاں بنا دی گئیں، جب ہڈیاں بن گئیں تو پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا گیا اس کے بعد انسان کا جنین تیار ہو گیا۔ انشاء کا معنی نئی چیز، کسی چیز کو ترتیب دینا، تیار کرنا۔ یہ بات سمجھانے کے لیے کہ اس مرحلہ پر ایجاد ہوتا ہے یہ ایک نئی حقیقت ہے اور ان سے مختلف ہے جو پہلے گزر چکے ہیں یعنی ایسا مرحلہ جو جنین تھا اور بے جان تھا صرف مادہ جاہل اور عاجز تھا اس کے بعد اللہ نے اسے ایک زندہ متحرک وجود کی صورت میں بنا دیا ہے۔ جس کی ذات ہے، نفس ہے، جسم ہے، ایسا وجود ہے صفات ہیں اس کی ایسی صفات ہیں جو سابقہ سے مختلف ہیں، یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب اللہ اس کے جسم میں رُوح کو ڈال دیتا ہے۔
آخر میں فرمایا کہ اللہ کی ذات بابرکت ہے اور وہ بہترین خالق ہے۔ اللہ ہی خیر کثیر کا مالک ہے اس نے تمام موجودات کو ایجاد کیا ہے، ان کے اجزاء کی ترتیب کرتا ہے، بے جان اجزاء کو جوڑ کر جاندار کے وجود کو بنا دیتا ہے۔ اسی خیر کے ناطے ساری مخلوقات پر وجود کا اضافہ کرتا ہے، اللہ بہترین خالق ہے۔
خلق کا معنی تقدیر، اور اندازہ گری ہے، منصوبہ بندی ہے۔ بتحقیق اللہ ایجاد، تدبیر اور مخلوقات کے اجزاء کی ترکیب کرنے کے اعتبار سے بہترین خالق ہے، پورے جہان میں جو چیز ہے وہ اسی ذات سے ہی پھیلی ہے۔ انسان کی خلقت اللہ کی تمام ایجادات کا شاہکار ہے اس لیے انسان کی پیچیدہ اور عمدہ خوبصورت خلقت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف احسن الخالقین کا اظہار

فرمایا۔[1]

ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ؕ ۱۵

ترجمہ: ''پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو۔''

ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ۱۶

ترجمہ: ''پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔''

حیات کے بعد موت کا مرحلہ

دُنیا میں تدبیر الٰہی کا آخری مرحلہ موت ہے، موت ان مراحل سے ہے جو اللہ کی حتمی تدبیر اور منصوبہ بندی کا حصہ ہے اور ایسا ہر صورت ہونا ہے اس سے کسی کے لیے فرار نہیں ہے۔ اسی بات کو سورہ انبیاء آیت ۳۵ میں بیان کیا ہے:

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ

''ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے''۔

قیامت کے دن ساری مخلوقات مبعوث ہوں گی۔ سب کو اٹھایا جائے گا جو تدبیر کے پورے ہو جانے اور اللہ کی تدبیر کا آخری نقطہ ہے جس سے انسان نے گزرنا ہے اور قیامت کے دن حساب اور سب کے اعمال کا جائزہ لینے کے بعد سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ کچھ وہ ہوں گے جو ہمیشہ سکون، آرام، عیش اور جنت الفردوس میں ہوں گے اور کچھ وہ ہوں گے جو ہمیشہ کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ میں جلدیں گے۔

1۔ سورہ المائدہ آیت ۱۱۰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اور سورہ عنکبوت آیت ۱۷ باقی انسانوں کے لیے رُوح ان کے اجسام میں قرار دینے کا بیان موجود ہے۔

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَکُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ٭ۖ وَ مَا کُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے ہیں، اور ہم بنانے میں بے خبر نہ تھے۔''

سات آسمان

اس آیت میں سبع طرائق یا سات راستوں سے سات آسمان مراد ہیں۔ طرائق طریق کی جمع ہے، جس کا معنی گزرنے کی جگہ ہے۔ آسمان اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ سے وحی لے کر زمین پر آنے کے لیے ان آسمانوں سے گزر کر آنا ہوتا ہے، سورہ انبیاء آیت ۳۵: ''اسی طرح یہی راستے ہیں جہاں سے زمین والوں کے اعمال کو فرشتے اوپر لے جانے کے لیے ان آسمانوں سے گزرتے ہیں''۔

سورہ سجدہ آیت ۵ : ''آسمان سے زمین کی جانب امر کی تدبیر فرماتا ہے''۔ فرشتے اوپر سے نیچے آتے اور نیچے سے اوپر جانے کے لیے ان جگہوں سے گزرتے ہیں اس لیے ہفت آسمانوں کو ہفت طرائق کہا گیا ہے۔ سورۂ مریم آیت ۶۴ :

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَ ۚ ''کچھ بھی نازل نہیں ہوتا مگر تیرے رب کے امر اور اذن سے تیرے رب کا امر ہی اترتا ہے''۔ اللہ اس جگہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ اے انسان تمہارا سلسلہ اور رابطہ ہم سے منقطع نہیں ہوتا تم ہماری نگرانی سے باہر نہیں ہو، ہم تم سے غافل اور بے خبر نہیں ہیں کیونکہ یہ ہفت گانہ راستے تمہارے اور ہمارے درمیان نصب کر دیئے گئے ہیں تاکہ ہمارے فرشتے مسلسل آتے جاتے رہیں۔ ہمارے امر کو تمہارے لیے لے آئیں اور ہمارے اوامر کو تمہارے پاس پہنچائیں۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے معین مقدار میں آسمان سے پانی نازل کیا پھر اسے زمین میں ٹھہرایا، اور ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔''

سماء سے بارش

سماء سے مراد بلندی ہے، اس کو بھی کہا جاتا ہے جو اوپر سے انسان پر سایہ کرے۔ زمین کے اوپر جو فضاء ہے اور زمین کے اوپر نیلگوں آسمان نظر آرہا ہوتا ہے اسے بھی سماء، آسمان کہا جاتا ہے۔ آیت میں اللہ فرمارہا ہے کہ ہم اپنی پوری تدبیر اور منصوبہ بندی کے تحت بارش کو اوپر سے نیچے اتارتے ہیں پھر پانی زمین میں خزانہ ہو جاتا ہے، اس پانی کو ختم نہیں کیا جاتا، یہ زمین کے اندر موجود رہتا ہے جبکہ ہم اسے نابود بھی کر سکتے تھے۔ یہی پانی پھر چشموں، دریاؤں، کنوؤں، سمندروں کی صورت میں زمین پر ظاہر ہوتا ہے۔ کوہ و دمن میں پانی زمین سے ظہور کرتا ہے اور زمین پر آبادانی کا وسیلہ ہے جدید تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ پانی کی جتنی مقدار پہلے دن سے قرار دی گئی ہے وہ اتنی مقدار میں بغیر کم و زیادہ موجود ہے اور یہ بات اللہ کے دقیق نظام پر دلیل ہے۔ بارش کا اترنا اور پھر اس کا زمین میں جذب ہو جانا اور ذخیرہ کے طور پر رہنا یہ اللہ کی کمال کی حکمت و دانائی پر ثبوت ہے۔ پھر یہی زمین پر ظاہر ہونے والا پانی بخارات بن کر آسمان کی طرف جاتا ہے اور بادل تیار ہو کر پانی برساتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس طرح جاری و ساری ہے۔ یہ اللہ کی کامل و مکمل تدبیر ہے جو اس پورے جہاں پر جاری ہے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے اس سے تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ اگا دیے، جن میں تمہارے بہت سے میوے ہیں اور انہی میں سے کھاتے ہو۔''

پھلدار درخت

اللہ تعالیٰ نے پانی کو آبادکاری کا وسیلہ قرار دیا، انسان کی ضرورت کے لیے پھلدار درخت اُگائے، انسان ان درختوں کے پھلوں سے اپنے لیے غذا بناتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے کامل اور ہر نقص سے محفوظ نظام اور تدبیر کا حصہ ہے، اس میں کھجور اور انگور کا ذکر کیا گیا ہے کہ انسان ان پھلوں سے استفادہ کرتا ہے۔ اسے مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے وگرنہ دوسری آیات میں ان دو پھلوں کے علاوہ دوسرے پھلوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْآكِلِينَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ''اور وہ درخت جو طور سینا سے نکلتا ہے جو کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن لے کر اُگتا ہے۔''

زیتون کے درخت بارے

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے سینا پہاڑی پر زیتون کے درخت کو اُگایا ہے۔ زیتون کے پھل سے تیل تیار ہوتا ہے اور خود اس کا پھل بھی کھانے کے کام آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ زیتون کے درخت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ تو یہ اس لیے ہے کہ اس کے عجیب و غریب اور بہت سارے فائدے ہیں، ان مثالوں سے اللہ نے اپنی قدرت کاملہ اور اپنے نظام کے بارے آگاہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی زمین پر زندگی کی تمام ضروریات کا انتظام کیا ہے اور جیسا کہ پہلے فرمایا ہر شئی کو ہم نے پانی سے حیات عطا کی ہے تو یہ ساری پانی کی برکات ہیں، اسی سے غذا و خوراک کا مواد تیار ہوتا ہے اور خود ہی حیات کا ذریعہ ہے۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”اور بے شک تمہارے لیے چارپایوں میں بھی عبرت ہے کہ ہم تمہیں ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے پلاتے ہیں، اور تمہارے لیے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو کھاتے ہو۔“

وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”اور ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو۔“

حیوانات کے فوائد

اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے، اس لیے اس نے انسان کے منافع کے لیے حیوانات کو خلق کیا ہے۔ حیوانات سے انسان بہت سارے فائدے اٹھاتے ہیں جیسے دودھ حاصل کرنا، ان کے گوشت سے غذا لینا، ان کی اون سے لباس بنانا، اس کے چمڑے سے استفادہ۔ یہ سب اللہ کی اس پورے جہان کی تدبیر کا حصہ ہے۔ ان ہی جانوروں پر سواری کرتا ہے، ان پر سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے پانیوں پر کشتیوں کو چلانے کا انتظام کیا۔ ان تمام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت دی ہے کیونکہ انہیں اللہ نے خلق فرمایا ہے اور اللہ ہی ان سے استفادہ کے طریقے انسان کو تعلیم دے رہا ہے۔ یہ سب اللہ کی طرف سے انسان پر انعامات ہیں، اس سب میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے اور یہ کہ اللہ پر ایمان لانے کے اسباب ہیں۔ یہ سب بہترین دلیل ہے کہ اس ساری کائنات کا خالق اللہ ہے اور وہی اس کی تدبیر کر رہا ہے۔

وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کے پاس بھیجا پھر اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔''

نوحؑ اولوالعزم پیغمبر

سورہ ھود میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوحؑ پہلے اولوالعزم اور صاحب کتاب پیغمبر ہیں۔ باقاعدہ شریعت حضرت نوح لے کر آئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ اللہ کی عبادت کریں، اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، بتوں، فرشتوں، جنات، انسانی شیاطین کی عبادت نہ کریں، اللہ کے سوا کوئی اور رب نہیں ہے، اللہ کے قانون کی پابندی کرنا ہے۔ تقویٰ الٰہی کی دعوت دی۔ اللہ کے سوا کوئی بھی کسی کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اللہ واحد ہی پوری کائنات کا مدیر اور مدبر ہے۔ اللہ سے ڈرو، غیر کی عبادت کرکے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ مَا ھٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ ۙ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتَفَضَّلَ عَلَیۡکُمۡ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَۃً ۚۖ مَّا سَمِعۡنَا بِھٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿ۚ۲۴﴾

ترجمہ: ''سو اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ یہ بس تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے بھیج دیتا ہم نے اپنے پہلے باپ دادا سے یہ بات کبھی نہیں سنی۔''

اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: "یہ تو بس ایک دیوانہ آدمی ہے پس اس کا ایک وقت تک انتظار کرو۔"

نوحؑ کے زمانہ کے اشراف

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا جو اشرافیہ تھا وہ مراعات یافتہ طبقہ جو کسی بھی مادی وسیلہ سے اپنی قوم کے اندر کوئی مقام و حیثیت رکھتا تھا، باصطلاح ایلیٹ کلاس، ان کے بارے کہا گیا کہ یہ وہ تھے جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کا انکار کر دیا اور کفر کو اختیار کر رکھا تھا۔ انہوں نے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے ان سے یہ کہا کہ دیکھو یہ نوح تمہاری طرح کا ایک انسان ہے یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے کیونکہ اگر اللہ نے کسی کو اپنا نمائندہ بنانا تھا تو وہ فرشتوں سے کسی کو نمائندہ بنا کر آپ لوگوں کے درمیان بھیجتا۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے آباؤاجداد سے ایسی کوئی بات نہیں سنی، یہ سب نئی باتیں ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ وہ جو دعویٰ کر رہا ہے کہ غیب سے اس کا تعلق ہے اور وہ اللہ کی طرف سے خبریں لایا ہے تو پھر سب کے لیے ایسا ہوتا، تمہارے پاس بھی براہ راست غیب سے ایسی خبریں آتیں کیونکہ انسان ہونے کے ناطے وہ آپ جیسا ہی ہے۔ جب ایسا نہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے وہ تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ جھوٹا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے مقرب ہیں اور اللہ کی درگاہ میں شفعاء بھی ہیں تو اللہ ان کو بھیجتا، یہ زیادہ مناسب تھا کہ اللہ کسی عام انسان کے لیے اپنی نمائندگی دی، تیسری بات یہ ہے کہ اگر ان کی دعوت برحق ہوتی تو پھر اس کی مثال ماضی میں موجود ہوتی ہمارے آباؤاجداد نے ہمیں بتایا ہوتا جبکہ ایسا نہیں ہوا لہٰذا وہ جھوٹا ہے اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس پر جنات کا اثر ہے کسی جن نے ان میں حلول کر لیا ہے وہی جن ان کی زبان پر بولتا ہے کیونکہ ایسی باتیں کہتا ہے جسے عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔ ناگزیر ہے کہ تم لوگ کچھ عرصہ انتظار کرلو اور فوری اس کی بات کو قبول نہ کرو، ہو

سکتا ہے کہ جنون سے اسے شفاء مل جائے یا اس کی موت آجائے اور ہم اس کے شر سے بچ جائیں۔ اس طرح سے معاشرہ کے سفید پوشوں اور بڑوں نے سادہ عوام کو حضرت نوحؑ کے بارے بھڑکایا اور انہیں منع کیا کہ وہ ان کی دعوت کو قبول کریں، یہ حال ہر دور کے اشراف کا تھا۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''کہا اے میرے رب تو میری مدد کر کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔''

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنا پھر جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تنور (زمین سے پانی) ابلنے لگے، پس تو کشتی میں ہر نر مادہ چیز کا جوڑا اور اپنے گھر والوں کو بٹھالے مگر (نہ بٹھانا) ان میں سے وہ شخص جس کے لیے پہلے فیصلہ ہو چکا ہے، اور ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کر، بے شک وہ غرق کیے جائیں گے۔''

کشتی نجات بنانے کا فرمان الٰہی

حضرت نوح علیہ السلام نے جب قوم کے بڑوں کی سازش کو دیکھا تو اپنے رب کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا یا رب انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے میری بات کو قبول نہیں کیا، اے رب تو

میری مدد فرما جس طرح انہوں نے تیری نافرمانی کی تیرے عذاب کا انکار کیا ہے تو تو اپنی جناب سے ان پر عذاب بھیج کر ان کو جواب دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی نصرت فرمانے کا فرمان جاری کیا۔ نوح علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ میری نگرانی میں کشتی تیار کرو، کشتی بنانے کا طریقہ اللہ ہی نے غیب سے حضرت کو تعلیم دیا۔ جب ان کافروں کی ہلاکت اور انہیں غرق کرنے کا وقت آگیا تو اللہ کے حکم سے تنور سے پانی نکلنا شروع ہو گیا جبکہ تنور میں ہمیشہ آگ کے شعلے ہی نکلتے لوگوں کو دکھائی دیتے تھے، اللہ نے فرمان دیا کہ جیسے ہی پانی آجائے تو اس وقت کشتی پر ہر جانور کا جوڑا جوڑا پورا کرو اور خود بھی سوار ہو جاؤ اور اپنے عیال کو بھی سوار کرو۔ ظاہری طور پر تنور سے پانی کا اُبلنا ایک حیرت زدہ کرنے والی نشانی تھی جس سے ان لوگوں پر عذاب کے نزول کا پتہ چلتا تھا جن پر پہلے سے ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اللہ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ ان منکرین کو سوار نہ کریں، اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کافرہ بیوی اور کافر بیٹا تھا، کفر اور انکار حق کی وجہ سے ان پر ہلاکت لکھی جا چکی تھی۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے پیروکاروں کو حضرت کے اہل و عیال قرار دیا ہے۔

آخر میں فرمایا اے نوحؑ جو کافر اور گناہگار ہیں، ستمگار ہیں ان کے بارے کسی قسم کی شفاعت اور سفارش مجھ سے نہ کرنا کیونکہ میرا ان پر غضب ہے اور ان کا غرق ہونا حتمی ہے۔

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: ”پھر جب تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر چڑھ بیٹھو تو کہہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں ظالموں سے چھڑایا۔“

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''اور کہہ اے میرے رب مجھے برکت کے ساتھ اتار اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔''

نوحؑ کو اللہ سے دُعا مانگنے کا حکم

ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دعا کی تعلیم دی ہے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین کشتی پر سوار ہو گئے، طوفان آگیا، کشتی پانی پر اوپر اٹھ گئی اور اللہ نے انہیں ستمگاروں کے شر سے بچا لیا تو حکم ہوا کہ اب اللہ کی حمد و ستائش کرو کہ ساری حمد اس کے لیے ہے جس نے ہمیں ظالموں کے شر سے نجات دی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے سب بندوں کو بھی تعلیم دیا کہ جب کوئی مصیبت تم سے ٹل جائے تو پھر اللہ کی حمد بجالاؤ۔ دوسری بات یہ تعلیم دی کہ اے اللہ ہمیں اس طوفان سے خیر و عافیت سے نجات دینا، ایسی زمین پر اُتارنا جو بابرکت ہو، اس میں خیر کثیر ہو، ٹھہرنے کے لیے مناسب جگہ ہو۔

اس بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ نوح علیہ السلام کی ستمگار قوم نے اس طوفان کے نتیجہ میں ہلاک ہونا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے مخلص بندگان سے تھے جیسا کہ سورہ والصافات آیت ۱۵۹۔۱۶۰ میں آیا ہے: سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ ترجمہ: ''وہ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ وصف بیان کرتے ہیں مگر جو اللہ کے مخلص بندگان اللہ کی توصیف کرتے ہیں وہی اس کے لائق ہیں''

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''اس واقعہ میں بہت سی نشانیاں ہیں بے شک ہم تو آزمائش کرنے والے تھے۔''

اللہ کی آزمائش

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے بیان کرنے کو اپنی نشانیوں سے قرار دیا ہے کہ اس کو یاد کرکے لوگ نصیحت پکڑیں اور اللہ کے رسول کی دعوت کو رد نہ کریں۔ یہ سب اللہ کی جانب سے امتحان وآزمائش کا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ حضرت نوحؑ علیہ السلام کا واقعہ سبق لینے کے لیے ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے ان کے بعد ایک دوسرا دور پیدا کیا۔''

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: ''پھر ان میں بھی انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔''

قوم نوحؑ کے بعد والی اقوام

قرن سے ایک زمانہ کے لوگ مراد لیے جاتے ہیں۔ اللہ فرما رہا ہے کہ یہ سنت الٰہی ہے وہ اُمتوں کے ساتھ امتحان، ابتلا اور آزمائش کی روش کو برقرار رکھتا ہے، قوم نوحؑ کی ہلاکت کے بعد اللہ اس کی جگہ اور قوم کو لے آیا اور پھر ان کی ہدایت کے لیے رسول کو بھیجا اور جو بھی رسول اپنی قوم میں آیا اس قوم سے وہی کہا جو نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا معبود نہ بناؤ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ کے سارے انبیاء کی دعوت توحید الٰہی پر مبنی تھی، شرک

کی نفی کرتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ تم اللہ کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے اور خود کو اللہ کی ناراضگی سے کیوں نہیں بچاتے اور اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور اس کی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا تھا اور قیامت کی آمد کو جھٹلاتے تھے اور جنہیں ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا، کہ یہ بس تمہیں جیسا آدمی ہے، وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔''

وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی فرمانبرداری کی تو بے شک تم گھاٹے میں پڑ گئے۔''

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''کیا تمہیں وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤگے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤگے تو تم نکالے جاؤگے۔''

قوم نوحؑ کے بعد والی اقوام کی اشرافیہ

قوم نوحؑ کے بعد آنے والی اقوام کی اشرافیہ کافر تھی اور اپنے زمانے کے رسول کی دعوت کو جھٹلاتے تھے، دُنیاوی زندگی کی رنگینیوں میں غرق تھے، عیش و عشرت میں تھے۔ پوری طرح

مادی زندگی میں غرق تھے، اللہ کی ملاقات، روز معاد اور قیامت کے دن واپسی کے انکاری تھے۔
تیسری بات یہ تھی کہ یہ لوگ مادی رفاھیت میں تھے، اپنی خواہشات کی پیروی کرتے تھے۔
انہوں نے منصوبہ بنایا کہ لوگوں کو حضرت نوحؑ کے خلاف بھڑکائیں، انہوں نے لوگوں کی ذہنیت کو دیکھ کر باتیں کیں لوگوں سے کہا:

۱۔ یہ شخص (پیغمبر) تمہاری طرح ایک انسان ہے۔

۲۔ جس طرح تم کھاتے پیتے ہو یہ بھی اسی طرح کھاتا پیتا ہے۔

۳۔ جس طرح تم چلتے پھرتے ہو اسی طرح وہ بھی چلتا پھرتا ہے۔

اس لحاظ سے اسے کچھ بھی تم پر برتری حاصل نہیں ہے، اب وہ آپ سے یہ کہتا ہے کہ تم میری باتیں مانو، وہ کہہ رہا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو، جبکہ وہ تم پر کوئی برتری نہیں رکھتا، اسی حالت میں اگر تم اس کی پیروی کروگے تو تم خوش بخت اور سعادت مند زندگی سے محروم ہو جاؤگے کیونکہ اس دُنیاوی زندگی کے سوا کوئی اور زندگی نہیں ہے۔ بعد از مرگ حیات نہیں ہے، بس یہی دُنیاوی زندگی ہے، دُنیاوی زندگی کی لذات سے بہرہ ور ہو، عیش و عشرت میں مگن رہو، اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ یہ شخص تمہاری آزادی چھیننا چاہتا ہے اور تمہاری آزادی کا دشمن ہے، تمہارا خوشحال زندگی گزارنا اسے اچھا نہیں لگتا، لہٰذا اس کی باتیں نہ مانو۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: ’’بہت ہی بعید بہت ہی بعید بات ہے جو تم سے کہی جاتی ہے۔‘‘

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: ’’ہماری صرف یہی دنیا کی زندگی ہے، مرتے اور جیتے ہیں اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔‘‘

اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا وَّ مَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور ہم اسے ماننے والے نہیں ہیں۔''

اشرافیہ کی عوام کو دھوکہ دینے والی باتیں

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی اشرافیہ کی طرح بعد میں آنے والی اقوام کے بڑے لوگ عوام کو اس زمانے کے پیغمبر سے دُور کرنے کے لیے ان سے کہتے تھے یہ شخص تمہیں کہتا ہے کہ اس دُنیا سے جانے کے بعد (موت آنے کے بعد) پھر تمہیں زندہ کیا جائے گا اور حساب کتاب کے لیے اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤگے ایسا ہر گز نہیں ہوگا۔ وہ جو وعدہ تمہیں دے رہا ہے اس نے پورا نہیں ہونا، اس کی باتیں عملی ہونے والی نہیں ہیں۔ زندگی فقط یہی چند روزہ ہے ہمیشہ ہم میں سے کچھ لوگ اس جہاں میں زندہ رہتے ہیں اور وہ کچھ عرصہ بعد مر جاتے ہیں پھر ان مرنے والوں کی جگہ دوسرے آکے لیتے ہیں۔ یہ دُنیا ہے اس میں موت وحیات کا سلسلہ جاری ہے، ہم اس دُنیاوی زندگی کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے کہ ایک اور زندگی ہو،ایسا نہیں ہوتا۔

پیغمبر کی دعوت کو رَد کرنے کے لیے کہتے تھے کہ یہ شخص جھوٹا ہے، افتراء پرداز ہے، جو کچھ کہہ رہا ہے یہ غلط ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کی دعوت باطل پر مبنی ہے، اسے وحی نہیں ہوتی یہ اللہ کی طرف جھوٹی نسبت دیتا ہے۔ ہم اس کی بات پر ہر گز ایمان نہیں لائیں گے خود کو عوام کے ساتھ شریک کیا، یہ نہیں کہا کہ ہم اکیلے ایمان نہیں لائیں بلکہ یہ کہا کہ ہم سب ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس طرح انہوں نے اپنا نظریہ بیان کیا اور اس بیان کے ذریعہ عوام کو اپنے ساتھ ملالیا۔ یہ لوگ دُنیاوی طور پر آسودہ حال، کھاتے پیتے گھرانے کے، بڑے لوگ تھے۔ اللہ کے رسول سے ان کا انداز گفتگو ایسا تھا، خود بھی ایمان نہ لائے اور

دوسروں کو بھی منع کیا تاکہ وہ بھی ایمان نہ لائیں اور عوام کی سادگی سے استفادہ کیا، آج بھی ایسا ہی ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''کہا اے میرے رب میری مدد کر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔''

قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''فرمایا تھوڑی دیر کے بعد یہ خود نادم ہوں گے۔''

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''پھر انہیں ایک سخت آواز نے سچے وعدہ کے موافق آ پکڑا پھر ہم نے انہیں خس و خاشاک کر دیا، پھر ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔''

منکرین پر اللہ کا عذاب

جب ان اقوام کی اشرافیہ نے بھی اس دعوت کو ٹھکرایا تو اللہ تعالیٰ سے ان کے زمانے کے پیغمبر نے درخواست کر دی کہ اے میرے رب جس طرح انہوں نے اس دعوت کو جھٹلایا ہے تو میری مدد فرما اور اس جھٹلانے پر انہیں سزا دے تاکہ ان کو پتہ چل جائے کہ میں جھوٹا نہیں ہوں، جو میں لایا اور جو میں نے کہا وہ سب تیری جانب سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بتا دیا کہ تیری آرزو سن لی ہے اور دعوت قبول ہے۔ ستمگار میری رحمت سے بہرہ مند نہ ہو سکیں گے اور عذاب ان پر اُتار دیا اور وہ سب ایک ہی چنگھاڑ سے خس و خاشاک کی مانند ہو گئے۔ قرآن نے نوحؑ کے بعد والی قوم اور ان کے پیغمبروں کا نام بیان نہیں کیا لیکن یہ احتمال بعید نہیں

کہ اس سے مراد قوم عاد اور قوم ثمود لی گئی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان پر آسمانی عذاب اُتارا تھا اور ایک چنگھاڑ سے سب خس و خاشاک ہو گئے تھے کیونکہ نوح علیہ السلام کی قوم کو طوفان کے ذریعہ عذاب دیا۔ بعد والوں کو صیحہ وچنگھاڑ کے ذریعہ عذاب دیا۔ یہ اسی طرف اشارہ ہے اور ایک قانون کلی بیان کر دیا کہ جو بھی پیغمبر کی دعوت کو ٹھکرائے گا اور انہیں جھٹلائے گا تو وہ اللہ کی رحمت سے دُور ہو گا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے ان کے بعد اور بہت سے دور پیدا کیے۔"

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: "کوئی جماعت نہ اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔"

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: "پھر ہم اپنے رسول لگاتار بھیجتے رہے، جب کوئی رسول اپنی قوم کے پاس آیا وہ اسے جھٹلاتی ہی رہی، پھر ہم بھی ایک کے بعد دوسری کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے ان کو افسانہ بنا دیا، پھر ان لوگوں پر پھٹکار ہے جو ایمان نہیں لاتے۔"

الٰہی قانون، الٰہی سنت

اللہ تعالیٰ کی سنت اور قانون تمام انسانوں کے لیے ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنی طرف سے رسول بھیجتا ہے جو انہیں اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ ہر نبی حق کی دعوت دینے کے لیے بھیجا جاتا ہے تو وہ لوگ اس نبی کی قوم قرار پاتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس روایت اور سنت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ قوم نوحؑ کے بعد ہم نے اور اقوام کو پیدا کیا جو پہلی قوم کی قائم مقام بنی، ہر قوم کے پاس رسول کو بھیجا، لیکن ہر قوم نے اپنے رسول کو جھٹلایا، اس کی دعوت کو قبول نہ کیا تو پھر ہم نے ہر قوم کو وہی سزا دی جیسی سزا ہم نے اس سے پہلے والی قوم کو دی تھی۔ اصل یہ قانون الٰہی بتانا مقصود ہے کہ اللہ کا کام ہر قوم کے پاس ہدایت کے لیے رسول بھیجنا ہے اور جب قوم ہٹ دھرمی کرتی ہے، نافرمانی کرتی ہے، دعوت حق کو قبول نہیں کرتی، کفر اختیار کرتی ہے تو پھر اس قوم کو تباہ کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کی جگہ اور قوم کو اللہ لے آتا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا ہے، مشرکین مکہ کو سمجھایا جا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو جھٹلانے کا نتیجہ عذاب الٰہی ہے، دُنیاوی عذاب بھی ملے گا اور آخرت کا عذاب بھی سخت ہے۔ اپنے رسولؐ کو اللہ نے تسلی دی ہے کہ جو رویہ آپ کی قوم کا آپ سے ہے تو پہلے انبیاء جو گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی ان کی اقوام کا اسی طرح کا رویہ رہا ہے لیکن منکروں پر قہر الٰہی آتا رہا ہے، ان پر بھی آئے گا اور جو کافر ہیں ایمان نہیں لاتے یہ اللہ کی رحمت سے دُور ہو جاتے ہیں ان پر عذاب الٰہی اُترتا ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ” پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں ھاور کھلی سند دے کر بھیجا۔“

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ” فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس، پھر انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے۔“

موسیٰؑ اور ہارونؑ کی ماموریت

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی ماموریت بارے بیان کیا ہے، ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقویت کے لیے ساتھ دیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی تھی جب انہیں اللہ نے حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ زمین پر بڑا بن بیٹھا ہے، اسے میری طرف دعوت دو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا رب میری تقویب کے لیے ہارونؑ کو میرے ساتھ کر دو وہ میرا بھائی ہے اور مجھ سے زیادہ صاف گفتگو کر سکتا ہے، اس کی زبان میں لکنت نہیں ہے۔ اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بیان کیا ہے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کو فرعون کے پاس جو فرعون کی قوم کے بڑے اور اشرافیہ تھے ان کے پاس گئے تاکہ انہیں ہدایت دیں، اللہ کا پیغام پہنچائیں لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے ان کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کیا تو انہوں نے ان کی بات کو ٹھکرا دیا اور بڑا پن دکھایا وہ سب منکر تھے۔ فرعون اور اس کے ساتھی جو اشرافیہ تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اشرافیہ متنوع تھے، فرعون کے تابع محض تھے اور باقی جو عوام تھے وہ ان اشرافیہ کی پیروی میں تھے، ان کے بارے اللہ تعالیٰ نے ان کی وصف بیان کی یہ سب برتری طلب تھے یعنی اہل زمین میں سرکشی کرنے والے اور ان پر ظلم و ستم کرنے والے تھے۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”پھر کہا کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں جن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہو۔“

فرعون اور اشرافیہ کا بیان

ہر دور کے اشرافیہ کا جو بیان رسولوں کے بارے تھا وہی انہوں نے دیا کہ ہم کس طرح ان دو کی

بات مان لیں یہ تو ہماری طرح کے انسان ہیں، انہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق تو ایسی قوم سے ہے جو ہمارے غلام ہیں، ہمارے خدمت گذار ہیں۔ اس طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارونؑ کی دعوت کو ڈھٹائی سے رد کر دیا اور اپنی برتری کا اظہار کیا۔ حضرت موسی و ہارون علیہما السلام کو انہوں نے کہا جب تمہاری قوم ہماری غلام ہے تو تمہیں بھی ہمارا غلام ہونا چاہیے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ (سورۃ الشعراء، آیت: ۲۹)

''اے موسیٰ اگر تم نے میرے علاوہ کسی کو معبود قرار دیا تو میں تجھے جیل میں ڈال دُوں گا''

تو فرعون کے گرد بیٹھنے والے اشرافیہ کا بیان بھی ایسا ہی تھا کہ تم تو ہمارے غلاموں کی قوم سے ہو لہٰذا تمہاری بات کو قبول نہیں کر سکتے۔

فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿٤٨﴾

ترجمہ: '' پھر ان دونوں کو جھٹلایا پھر ہلاک کر دیے گئے۔''

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: ''اور البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی تا کہ وہ ہدایت پائیں۔''

موسیٰؑ اور ہارون کو جھٹلانے والوں کا انجام

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کو ادا کیا لیکن فرعون اور اس کی اشرافیہ نے انہیں جھٹلا دیا جبکہ وہ دونوں کھلی نشانیاں ساتھ لے کر آئے تھے ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب بھی دی لیکن اس کا انہوں نے کچھ اثر نہ لیا اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی روایت کر برقرار رکھتے ہوئے انہیں اپنے عذاب میں لپیٹ لیا اور فرعون اور فرعونیوں کو غرق آب کر کے سزا دی اور

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور ان کی قوم کو بچالیا۔ اس طرح اللہ تعالی نے اپنی سنت کو جاری رکھا اور اپنے نمائندگان کی حفاظت فرمائی۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو نشانی بنایا تھا اور انہیں ایک ٹیلہ پر جگہ دی جہاں ٹھہرنے کا موقع اور پانی جاری تھا۔''

مریمؑ اور عیسیٰؑ کی بات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت غیر معمولی طریقہ سے ہوئی تھی اور یوں حضرت مریم سلام اللہ علیھا کے لیے بھی ایک غیر معمولی حالت پیش آئی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت مسیح کو آیت اور معجزہ قرار دیا ہے کیونکہ حضرت عیسی علیہ السلام بغیر باپ کے متولد ہوئے تھے اور حضرت مریم کے رحم میں نطفہ بغیر مرد کی مباشرت کے براہ راست اللہ نے قرار دیا تھا۔ یہ ایسی نشانی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے اللہ ہی رب ہے، وہ ہی مدبر ہے۔ اس کے بعد ان کے لیے رہائش گاہ کو بیان کیا ہے کہ وہ ایک بلند جگہ تھی جہاں پر پانی بھی موجود تھا، ایک صحت افزاء مقام پر انہیں ٹھہرایا گیا ہے، اللہ کا انعام تھا جو ان کے لیے عطا ہوا۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾

ترجمہ: ''اے رسولو! ستھری چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو، بے شک میں جانتا ہوں

جو تم کرتے ہو۔"

پیغمبروں کے لیے خصوصی خطاب

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے لیے خصوصی فرمان جاری کیا کہ تم پاکیزہ غذاؤں سے کھاؤ۔ پاکیزہ غذائیں اپنے استعمال میں لے آو اور اللہ نے تم پر یہ جو احسان فرمایا اس کے لیے شکر بجا لاؤ اور نیک اعمال انجام دو، اللہ اس سے آگاہ ہے جو تم لوگ اعمال بجالاتے ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ لوگ رسولوں پر معترض ہوتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔ اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے تھے کہ جو اللہ کا رسول ہوتا ہے اسے کھانا پینا نہیں چاہیے تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ ان لوگوں کی باتوں کا اثر نہ لیں۔ کھانا پینا تقویٰ کے منافی نہیں اور نہ ہی تمہارا کھانا پینا اللہ کی نمائندگی کے منافی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جب انبیاء کو حکم ہے کہ وہ نیک عمل انجام دیں تو باقی افراد پر بھی یہی لازم ہے نیک عمل بجالانا سب کے لیے ہے اللہ کے اوامر ونواہی سب کے لیے ہیں، چاہے عوام ہوں یا اللہ کے خواص۔ بلکہ خواص پر ذمہ داریاں عوام سے زیادہ ہوتی ہیں۔

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: "اور بے شک یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں پس مجھ سے ڈرو۔"

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: "پھر انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا، ہر ایک جماعت اس ٹکڑے پر جو ان کے پاس ہے خوش ہونے والے ہیں۔"

اُمت واحدہ اور تفرقہ

اُمت ایسی جماعت جن کا ہدف ایک ہو، جن کا دین ایک ہو، مسلمان ایک اُمت ہیں کیونکہ سب کا دین ایک ہے اور اس ایک دین نے انہیں ایک مشترکہ ہدف کے لیے اکٹھا کر رکھا ہے اور وہ ہدف رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک دین پر مجتمع ہونے کا حکم دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ سب انسان ایک ہی اُمت ہیں، ایک دین ان کے لیے قرار دیا گیا ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ اللہ ہی سب کا رب ہے، سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کریں اور تمام اعمال اللہ کے احکام کے تحت انجام دیں، اللہ ہی نے انسان کے لیے قوانین وضع کیے ہیں، اللہ ہی سب کا حاکم ہے لہٰذا اس کی اطاعت کرنا اور اس کی عبادت کرنا واجب اور لازم ہے۔ سب انبیاء کو ایک خدا نے بھیجا ہے لیکن لوگوں نے دین کے معاملے میں افتراق اور اختلاف کیا اور اللہ کے احکام کے آگے تسلیم نہ ہوئے ،ایک دین کے حصے بخرے کر دیئے اور اس کے لیے کتابیں بنالیں، ہر ایک نے اپنی مرضی کا پروگرام ترتیب دے دیا، ہر گروہ کے پاس جو تھا اسی کو اس گروہ نے پسند کیا اور حزب ، پارٹی یا جماعت اسی گروہ کو کہتے ہیں جو دوسروں سے اپنے مقاصد و اہداف کے لحاظ سے ممتاز ہو، ان کی رائے دوسروں سے مختلف ہو، لہٰذا ہر ایک پارٹی نے اپنی رائے کو ترجیح دی اور اسی پر خوش ہو گئے۔

البتہ ابن عامر کی قرائت ''زُبُراً '' میں زا اور باء پر پیش کی بجائے ''زُبراً '' زاء پر پیش اور باء پر زبر پڑھا گیا ہے جو ''زُبَرَۃ'' کی جمع ہے اور یہ فرقے کے معنی میں ہے اس لحاظ سے اس کا معنی اس طرح کیا گیا دین کے امر کو ٹکڑوں میں بدل دیا اور فرقے فرقے بن گئے، یہ معنی سیاق کے ساتھ مناسب تر ہے۔

فَذَرۡهُمۡ فِیۡ غَمۡرَتِہِمۡ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: '' پھر ایک وقت تک انہیں اپنے نشہ میں پڑا رہنے دو۔''

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں مال اور اولاد میں ترقی دے رہے ہیں۔''

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: '' انہیں فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں، بلکہ یہ نہیں سمجھتے۔''

کافروں کے بارے خصوصی فرمان

اس جگہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جو لوگ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کر رہے، غفلت اور جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں، حقائق پر توجہ نہیں دیتے تو ان کو اسی حالت میں چھوڑ دو، اچانک اللہ کا عذاب ان کو آلے گا۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم نے انہیں اموال سے نوازا ہے، ہم نے انہیں اولاد کثیر دی ہے، ہم ان پر مہربان ہیں، ہم نے انہیں ہر طرح کے فوائد دیے ہیں جبکہ وہ لوگ جو آپ کی پیروی میں آتے ہیں وہ مالی طور کمزور ہیں، وہ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ ہمارے پیارے ہیں اور ہمارے ہاں ان کا احترام ہے، ایسا نہیں ہے ہم نے ان کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی میں اور زیادہ کھو جائیں۔ تاکہ ان کی شقاوت اور بدبختی میں اضافہ ہو جائے جیسا کہ سورۂ اعراف آیت ۱۸۲۔۱۸۳:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

''اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں انہیں خبر بھی نہ ہوگی اور میں انہیں مہلت دوں گا، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے''۔

اس بیان سے یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ منکروں کو وقت دیا جاتا ہے۔ جب وہ کھلی نشانیوں کی

مخالفت کرتے ہیں اور حقائق کو قبول نہیں کرتے تو ان پر عذاب جلدی نہیں آتا اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمارے ہاں محترم ہیں بلکہ یہ اس لیے کہ وہ اور اپنا نامہ اعمال بھر لیں اور نافرمانیاں اور زیادہ کر لیں تاکہ جب ہماری پکڑ میں آئیں تو ان کو سزا زیادہ ملے جس کا انتظام انہوں نے خود اپنے لیے کیا ہے۔ ہمارا عذاب اچانک آئے گا کسی کو چھوڑا نہ جائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ''بے شک جو اپنے رب کی ہیبت سے ڈرنے والے ہیں۔''

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ''اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔''

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ''اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔''

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: ''اور جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: ''یہی لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔''

مومنین کی صفات

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بتا دیا کہ جو کچھ کافروں کا خیال ہے کہ ان کے پاس اموال و اولاد کی کثرت ہے لہٰذا وہ ہی اللہ کے ہاں محترم ہیں تو اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ انہیں مہلت دی گئی ہے پھر ان سب کی گرفت ہو گی اور انہیں ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات کو بیان کیا ہے کہ وہ کوشاں ہیں اور ان کی کیا خصوصیات ہیں:

ا۔ انہوں نے اللہ کو اپنا رب قرار دیا ہے اور اللہ ہی کو تمام امور کا مدیر و مدبر سمجھتے ہیں جس کا لازمہ یہ ہے کہ ان کی نجات یا ان کی ہلاکت کا دار و مدار اللہ کی رضا اور خوشنودی میں ہے، اس لحاظ سے وہ اپنے رب سے خشیت رکھتے ہیں، ڈرتے ہیں، اس کی عظمت کے سامنے ان کا دل خوف میں ہوتا ہے، اللہ سے محبت بھی رکھتے ہیں اور دل میں گھبراہٹ بھی ہے کہ کہیں ان سے غلطی نہ ہو جائے کیونکہ انہیں یقین ہے کہ ان کی نجات اور سعادت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

۲۔ ہر وہ چیز جو انہیں ان کے رب کی طرف راہنمائی دے اس پر ایمان لاتے ہیں ان میں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے رسول ہیں الٰہی آیات و معجزات ہیں، اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتابیں ہیں لہٰذا مومنین اللہ پر ا، اللہ کے رسولوں پر، اللہ کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

۳۔ الٰہی آیات پر ایمان لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے شرک کی نفی کرتے ہیں کوئی بھی غیر اللہ کی پرستش نہ کرے کیونکہ اللہ کی آیات پر ایمان لانا اللہ کی شریعت اور قانون پر ایمان لانا ہے۔ دلائل کے تحت ایمان لے آنے میں اللہ کے بارے توحید ذاتی، توحید ربوبیت، توحید الوھیت، توحید در عبادت، توحید در استقامت کا اثبات ہے جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے کلام میں اس بارے بہت ہی عمدہ بیان موجود ہے۔

۴۔ مومنین کی شان یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں۔ جب نیک اعمال نجام دے رہے ہوتے ہین تو ان کے دلوں میں گھبراہٹ ہوتی ہے، وہ ہراساں ہوتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے پاس پلٹ کر جانا ہے کہیں ان سے کوتاہی نہ ہو جائے۔ اعمال صالح بجالاتے وقت موت انہیں یاد آرہی ہوتی ہے۔

مومنین کی صفات کا خلاصہ

اللہ پر ایمان، اللہ کے رسولوں پر ایمان، روز جزاء پر ایمان، اس کا نتیجہ اعمال صالحہ کا بجالانا۔

آخری بات یہ کہی گئی ہے کہ جن مومنین کی ہم نے توصیف کی ہے وہ خیرات اور اعمال صالح انجام دینے میں تیزی دکھاتے ہیں، وہ نیک اعمال کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لیتے ہیں۔ مومنین اللہ کی رضایت کے حصول میں مسابقہ اور مقابلہ کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ اللہ کی نظر میں اعمال صالحہ کا سبب حق پر اعتقاد رکھنا ہے مال اور اولاد کی اس میں کوئی دخالت نہیں ہے۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ”اور ہم کسی پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتے، اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولے گی، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

اسلام میں ذمہ داری کی اہم شرط

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک کلی ضابطہ اور قانون بتادیا ہے کہ کسی کو جو بھی ذمہ داری دی جاتی ہے اور جو فرائض قرار دیئے گئے ہیں کہ جن کی ادائیگی ضروری ہے تو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر ایک پر ذمہ داری اس کی وسعت، طاقت اور حیثیت کے مطابق ہے، مثال نماز فرض ہے

لیکن اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر، اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر اور لیٹ کر بھی نہیں پڑھ سکتا تو اشاروں سے۔ وضو نہیں کر سکتا تو تیمّم ہے، اگر وہ بھی نہیں تو بغیر تیمّم کے، یہ ایک مثال ہے یہی حال تمام فرائض و واجبات بارے ہے۔ اسلام کسی کو حرج اور مشکل میں نہیں ڈالتا، اسلام میں رھبانیت نہیں ہے، تمام انسانوں کے اعمال کو درج کیا جاتا ہے اس میں کچھ بھی کم اور زیادہ نہیں ہوتا۔ انکے اعمال کا اندراج صحیح طریقہ سے ہوتا ہے اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہو گی اسی کے مطابق ہر ایک کو اجر و ثواب ملے گا کسی کا عمل ضائع نہ ہو گا لہٰذا مومنین کے لیے جو صفات بیان ہوئی ہیں ان سے آراستہ ہونا کسی کے لیے مشکل نہیں ہے۔ اللہ کے احکام ایسے ہیں کہ ان کے مطابق زندگی گزارنا ہر ایک کے لیے مہیا ہے کسی کے لیے کچھ بھی دشواری اور مشکل نہ ہے۔

بَلۡ قُلُوۡبُهُمۡ فِىۡ غَمۡرَةٍ مِّنۡ هٰذَا وَ لَهُمۡ اَعۡمَالٌ مِّنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ هُمۡ لَهَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ”بلکہ ان کے دل اس سے بے ہوشی میں پڑے ہوئے ہیں اور اس کے سوا ان کے اور بھی کام ہیں کہ جنہیں وہ کیا کرتے ہیں۔“

حَتّٰٓى اِذَاۤ اَخَذۡنَا مُتۡرَفِيۡهِمۡ بِالۡعَذَابِ اِذَا هُمۡ يَجۡـَٔرُوۡنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ”یہاں تک کہ جب ہم ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے فوراً وہ چلائیں گے۔“

لَا تَجۡـَٔرُوا الۡيَوۡمَ اِنَّكُمۡ مِّنَّا لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: ”آج کے دن مت چلاؤ، بے شک تم ہم سے چھڑائے نہ جاؤ گے۔“

قَدۡ كَانَتۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ تَنۡكِصُوۡنَ ۙ۝۶۶

ترجمہ: ''تمہیں میری آیتیں سنائی جاتی تھیں پھر تم ایڑیوں پر الٹے بھاگتے تھے۔''

مُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهۡجُرُوۡنَ ۝۶۷

ترجمہ: ''غرور میں آکر اسے کہانی سمجھ کر چلے جایا کرتے تھے۔''

مؤمنوں کا انجام

پہلے تو ان کے بارے بتایا جو اعمال اپنی مرضی کے کرتے ہیں، اللہ کے احکام سے غافل ہیں، قرآن سے پہلو تہی کرلی، قرآن کے بیانات سے جاہل رہے، ایسے اعمال بجالائے جو مومنوں کے اعمال سے مختلف تھے، ان لوگوں نے اپنی زندگی غفلت و جہالت میں گزاری، ان کے اعمال اہل ایمان کے مخالف تھے، ان کے برے اعمال سبب بنے کہ انہیں خیر و برکت نصیب نہ ہو۔

مترفین

اس سے مراد ہر قوم کے بڑے، اشرافیہ ہیں جو مادی لذات میں شاہ خرچ ہوتے ہیں، خود کو خوشحال خیال کرتے ہیں عام لوگوں پر برتری اور شیخی بھگارتے ہیں، خود کو عوام کا بڑا سمجھتے ہیں لیکن جب موت کا وقت آجاتا ہے اور اپنے اعمال کا عذاب دیکھتے ہیں تو اس وقت ان کی صدائیں بلند ہو جاتی ہیں اور گریہ وزاری کرتے ہیں، آہ و فغاں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سرکوب کرنے اور ہمیشہ کے لیے انہیں نااُمید کرنے کی غرض سے فرماتا ہے کہ ان کی صدا کو نہیں سنا جائے گا اور ہماری طرف سے ان کی کچھ مدد نہیں ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہماری آیات ان پر پڑھی جاتی تھی تو وہ ان کا نہ فقط انکار کرتے تھے بلکہ پشت پھیر لیتے تھے اور وہاں سے فرار کر جاتے تھے اور استکبار اور غرور کی وجہ سے اپنے لیے ننگ و عار سمجھتے تھے کہ وہ ہماری آیات کو سنتے پھر رات کو بیٹھ کر ان آیات سے متعلق ہذیان بکتے اور ان آیات کو قصے کہانیاں قرار

دیتے تو اب جب کہ موت نے انہیں آلیا ہے اور ہمارا عذاب ان تک پہنچ چکا ہے تو اب اس عذاب کو دیکھ کر جو ان کے اعمال کا ہی نتیجہ ہے ان کی چیخیں نکل گئی ہیں اور واویلا کرتے ہیں، آہ و فغان کرتے ہیں، اب ان کی کوئی مدد نہ ہو گی۔

اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: ”کیا انہوں نے اس ارشاد میں غور ہی نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی بات آئی ہے جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔“

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: ”یا یہ لوگ اپنے رسول کو پہچانتے نہیں تب یہ اس کے منکر ہیں۔“

اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: ”یا کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے، بلکہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔“

وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿ؕ۷۱﴾

ترجمہ: ”اور اگر حق ان کی خواہشوں کے مطابق ہوتا تو آسمان اور زمین میں اور جو کچھ ان میں ہے درہم برہم ہو گیا ہوتا، بلکہ ہم نے تو ان کی نصیحت انہیں پہنچا دی ہے سو وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں۔“

کافروں کی توجیہات کا جواب

ان آیات میں کافروں کی طرف سے صحیح اعمال بجانہ لانے کی جو وجوہات بیان کی جائیں گی اور وہ اپنی معذوری بتائیں گے کہ ہم سے یہ غلطی کی وجہ تھی اور فلاں وجہ تھی تو اللہ ان کی توجیہات اور عذر تراشیوں کا جواب دے رہا ہے کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو؟

ا۔ کیا تم نے حق کو سمجھ نہیں لیا تھا؟

۲۔ تم نے کتاب میں تدبر اور غور کیوں نہیں کیا؟ تاکہ تمہیں حق کی سمجھ آجاتی اور تم اس پر ایمان لے آتے۔

بلکہ ایسا نہیں جو تم کہہ رہے ہو، یہ سب کچھ تم نے جانتے بوجھتے ہوئے کیا تھا۔ کیا جو کچھ تمہارے اوپر نازل ہوا اس سے پہلے اسی طرح کا بیان تمہارے آبا و اجداد کے اوپر نازل نہیں ہوا تھا تاکہ تم اسے نئی چیز سمجھ کر باطل قرار دیتے اور اس سے منہ موڑ لیتے؟

جبکہ کسی چیز کا نو ظہور ہونا دلیل نہیں کہ وہ باطل ہو، یہ خلاف عقل اور باطل ہے لیکن رسالت اور الٰہی پیغام کی غرض تو ہدایت ہے۔ اگر بات حق اور صحیح ہو تو اسے قبول کیا جائے، حق تو جہاں ہو جب ہو تو وہ صحیح ہوتا ہے باطل نہیں ہوتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام انسانوں کے لیے اللہ کا پیغام موجود تھا اور اللہ کا پیغام لانے والا رسول بھی موجود تھا۔ اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے ان کافروں کے بارے کہا جا رہا ہے۔

رسول خداؐ کے بارے بیان

یا یہ بات تھی کہ یہ لوگ رسول کے حسب و نسب اور ان کی اخلاقی خوبیوں کو جو اسے وراثت میں ملی تھیں کیسی تھین، ان کو نہیں جانتے تھے تاکہ انکو یقین ہو جاتا کہ وہ سچا ہے؟ جبکہ یہ سب کچھ انہیں معلوم تھا۔ جب ایسا شخص ان کے پاس آیا جس کا ماضی بے داغ تھا، خدائی شرف رکھتا تھا، اچھی صفات اور اچھے اخلاق سے آراستہ و پیراستہ تھا بچپن سے اس کی خصوصیات سے

واقف تھے ان کے درمیان یتیم تھا اور بڑا ہوا کسی مکتب میں جا کر اس نے درس نہ پڑھا اور اس سے کسی نے کوئی بری بات یا برائی نہ دیکھی تھی، جب ایسے شخص نے انہیں حق کی دعوت دی تو سب کو قبول کرلینا چاہیے تھا کیونکہ اس کا سابقہ سب پر واضح اور روشن تھا، اس کا اپنا کردار اور اس کا خاندانی مقام سب اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ ان کی بات سنی جائے وہ انہیں ایسے معارف کی دعوت دے رہا ہے جو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے لیکن قریش نے اس سب کے باوجود ان کا انکار کیا، جھٹلایا۔ ان کے پاس ان کی دعوت کو رد کرنے کا کوئی جواز موجود نہ تھا وہ اس حوالے سے یہ بہانہ تراش لائیں کہ وہ مجنون ہے، اس میں جنات نے حلول کرلیا جبکہ کوئی دیوانہ و مجنون ہوتا ہے تو اس کی گفتگو میں خلل ہوتا ہے اس سے بے جا تکرار ہوتی ہے اس میں تضاد ہوتا ہے، نامربوط گفتگو ہوتی ہے بغیر ہدف اور مقصد متعین کیے بات کررہا ہوتا ہے۔

یہاں پیغمبر اکرم ﷺ تو پوری سمجھ داری اور عقلمندی سے گفتگو فرماتے ہیں، ان کی گفتگو حکیمانہ ہوتی ہے، اس میں صحیح معلومات ہوتی ہیں، وہ حق کی دعوت دیتا ہے ان کی بات دلیل اور منطق پر مبنی ہے لہٰذا ان کا عذر اور بہانہ نامعقول اور نادرست ہے، وہ ہی جھوٹے ہیں، اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ حق سے گریزاں ہیں حق کو قبول نہیں کرنا چاہتے ہیں ان کی اکثریت کو حق ناپسند تھا سب کے بارے اس لیے نہیں کہا کہ کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود سوچتے نہیں بلکہ اندھی تقلید کرتے ہیں، ان میں فہم وادراک کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی وہ دوسرے کے پیچھے بغیر سوچے سمجھے چل پڑتے ہیں، ان کی اپنی رائے نہیں ہوتی اس لیے ان کی خواہش یا عدم خواہش کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ کافروں کی اکثریت حق سے کراہت کرتی ہے کیونکہ حق بات ان کی خواہشات نفسانی کے مخالف ہے ان کے لیے بہتر تھا کہ وہ حق کے تابع ہوں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ حق ان کا تابع ہو تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ حق ان کی تبعیت میں ہو اور انہیں اجازت دی جائے کہ وہ اپنے باطل اعتقادات اور غلط ونادرست اعمال کو معاشرہ میں جاری وساری

رکھیں اور سب کو اس کے مطابق چلائیں، بتوں کی پرستش کریں، بتوں کو اپنا ارباب بنالیں، انبیاء کی رسالت اور معاد کی نفی کرتے رہیں، جو فساد اور فحاشی چاہیں کریں کوئی ان کو روکنے والا نہ ہو، ان کو یہ سب کرنے کی اجازت دی جائے، اگر ایسا ہو جائے تو پھر پورا نظام درھم برھم ہو جائے گا، آسمان اور زمین کا نظام برباد ہو جائے گا، تمام موجودات تباہ ہو جائیں گے، لاقانونیت اور بدنظمی ہو گی تو پھر تباہی ہے۔

انسان کی حیثیت

انسان اس عالم اور جہان کے وجودی حقائق سے ایک حقیقت ہے، اس کا وجود بھی پورے عالم کے نظام کے ساتھ مربوط ہے۔ انسان کی غرض کمال کو پہنچنا، سعادت کو پانا ہے جس کے لیے اللہ نے اسے خلق کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے نظام ہستی کو ایسے وسائل سے مجھز کیا ہے جن کے وسیلہ سے وہ کمال اور سعات کو پاسکتا ہے۔ اعتقاد اور اس کے مطابق عمل کرنے کو اس کا راستہ قرار دیا یہی صراط مستقیم ہے۔ یہ فطرت کا راستہ ہے، دین کا راستہ ہے، یعنی حیات کی بقاء اسی سے ہے اگر یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ انسان حق کا پیرو ہونے کی بجائے خواہشات نفسانی کا پیرو ہو تو پھر پورا نظام ہستی درہم برہم اور تباہ ہو جائے گا۔

آخر میں فرمایا کہ قرآن ان کے پاس آیا، یہ ان ہی کے لیے ذکر ہے، یادآوری ہے سمجھ دینے کے لیے آیا ہے۔ یہ قرآن انہیں دین الٰہی کی، حق پر عقیدہ رکھنے اور عمل صالح کی تلقین کرتا ہے اور اس کی یاد دلاتا ہے۔ قرآن انہیں اللہ کی یاد دلاتا ہے لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ وہ ذکر جو انہیں دین، حق اور اللہ کی یاد دلاتا ہے وہ اس سے روگرداں ہیں۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٧٢﴾

ترجمہ: ”کیا تو ان سے کچھ اجرت مانگتا ہے سو تیرے رب کی اجرت بہتر ہے، اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔“

وَ اِنَّكَ لَتَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ''اور بے شک تو انہیں سیدھے راستہ کی طرف بلاتا ہے۔''

وَ اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوۡنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے سیدھے راستہ سے ہٹنے والے ہیں۔''

کافروں کی عذر تراشیاں

کافروں کی جانب سے یہ بہانہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے کہ ہم اس لیے حق کی دعوت کو نہ سن سکے کہ وہ رسول ہم سے اس کام کی اجرت مانگتے تھے؟ یہ بہانہ بھی جھوٹا اور بغیر ثبوت کے ہے کیونکہ اللہ نے اپنے نمائندے کے لیے جو اجر اور معاوضہ رکھا ہے وہ مادی معاوضوں سے بہتر ہے اور ویسا معاوضہ کوئی نہیں دے سکتا تو رسول ان سے حق بات سننے کے بدلے اجرت کیوں مانگے گا؟ یہ سفید جھوٹ اور بغیر ثبوت کے ہے۔

رسول خداؐ کا کردار

خود اللہ نے اپنے رسولؐ کے بارے تعریفی بیان دیا کہ اے میرے رسول تو انہیں صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتاہ، صراط مستقیم اس راستہ کو کہتے ہیں جو واضح اور روشن ہوتا ہے جس میں ٹیڑھا پن نہیں ہوتا، اس پر چلنے والا اپنے ہدف تک پہنچ جاتا ہے کہیں پر بھٹک نہیں سکتا، اس راستہ پر جو چلتا ہے وہ الٰہی مراد کو پالیتا ہے لہٰذا رسول انسان کو ایسے راستہ کی دعوت دیتا ہے جو مستقیم ہے جس میں ٹیڑھا پن نہیں جو انہیں ان کے مقصد تک لے جاتا ہے لیکن کافروں کا کام روڑے اٹکانا ہے خود بھی صراط مستقیم پر نہیں آتے اس کے مخالف چلتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس پر آنے سے روکتے ہیں۔ دین حق ایسے فرائض و تکالیف کا مجموعہ ہے جن میں اعتقادات ہیں اور ان کے مطابق عمل ہے۔ فرض عائد کئے بغیر جزاء اور سزاء کا تصور نہیں۔ لہٰذا ان کافروں

کی بے ایمانی اور اللہ کا انکار اللہ کے احکام کا انکار حقیقت میں قیامت کے دن کا انکار ہے۔ وہ زندگی کو مادی لذات کے سوا کچھ خیال نہیں کرتے اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں رہنا چاہتے ہیں، ان کی نفسانی خواہش حق کے موافق ہو یا مخالف، انہیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔ اے میرے رسول یہ کافر آپ پر ایمان نہ لائیں گے کیونکہ تم انہیں صراط مستقیم اور حق کی طرف دعوت دیتے ہو اور یہ لوگ صراط مستقیم سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: "اور اگر ہم ان پر رحم کرکے ان کی تکلیف کو دور کر دیں تو بھی وہ اپنی سرکشی میں گمراہ پڑے رہیں گے۔"

وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: "اور البتہ ہم نے انہیں عذاب میں مبتلا بھی کیا پھر بھی اپنے رب کے سامنے عاجزی نہ کی اور نہ گڑگڑائے۔"

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: "یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھولا تو فوراً اس میں نا امید ہو گئے۔"

اللہ کی مہربانیاں اور کفار کی ناشکری

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم ان کافروں پر رحم کریں ان کو مصیبت سے نکال دیں، تو بجائے اس کے کہ وہ ہماری طرف رجوع کرتے اور توبہ کرکے ہمارے حضور گریہ و زاری کرتے لیکن وہ

ایسا نہیں کرتے۔ لہٰذا ہماری طرف سے ان پر رحمت ان کے حال کو بہتر بنانے میں مفید نہ ہے اور ہم نے انہیں عذاب میں کئی بار گرفتار کیا ہم نے جب بھی انہیں عذاب دیا تو ہلکا اور معمولی نوعیت کا تھا اس طرح ان کے ہاتھ تمام اسباب سے کوتاہ نہیں ہوئے لیکن انہوں نے اپنے رب کے حضور گریہ وزاری نہ کی، عذاب میں تخفیف نے ان کے لیے کچھ فائدہ نہ دیا، یہ ہٹ دھرمی پر قائم ہیں۔ جب یہ مریں گے اور آخرت کا عذاب ہو گا، جب اس عذاب کا دروازہ کھلے گا تو اس وقت وہ ہر خیر اور بھلائی سے مایوس ہوں گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ہدایت کا موقع فراہم کرنے کی بات کی کہ ہم نے تو انہیں تھوڑی سختیاں اُتار کر، ہلکا پھلکا عذاب دے کر انہیں جگانے کا اہتمام کیا لیکن انہوں نے اس کا اثر نہ لیا جس وجہ سے ان کی تمام عذر تراشیوں کا جواب دے دیا گیا کہ آخرت میں جب سخت عذاب آئے گا تو پھر اس سے کچھ چھٹکارا نہ ہے اور کوئی بہانہ نہ سنا جائے گا۔

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: ''اور اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے ہیں، تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔''

اللہ کی نعمات

اس آیت میں اللہ نے چند نعمات کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے اہم نعمات کان، آنکھ اور دل ہے۔ اس میں انسان کے ساتھ سب حیوان بھی شامل ہیں۔ نباتات، جمادات ان نعمات سے محروم ہیں۔ حیوانات آنکھ اور کان جیسی دو نعمات سے اپنے فائدہ اور نقصان کو تشخیص دے سکتے ہیں اور اپنے لیے سرگرم رہتے ہیں۔ ان دو کے ذریعے اپنی حرکات و سکنات کو منظّم و مرتب کرتے

ہیں جو چاہا اور جسے ناپسند کیا تو وہ ان دو حس سے ہی استفادہ کرتے ہیں ان دو حس کی وجہ سے تازگی، زیبائی، لذت، عزت، غلبہ اور محبت اور ان جیسی کیفیات کو بھی درک کرتے ہیں۔ حیوانیت کے عالم سے پہلے والے عوالم میں ایسے امور اور کیفیات موجود نہیں لیکن دل جو ہے یہ ان دو حس سماعت وبصارت سے بالاتر ہے اس کا تعلق عالم انسانی سے ہے۔ دل درک کرنے اور حاضر یا غائب امور کے بارے تعقل و سمجھ کا منبع و مصدر ہے اور ماضی کی اخبار کو جاننے کا وسیلہ ہے۔ انسان قوت عاقلہ سے امداد لے کر محسوسات اور جزئیات کو جوڑ کر اور ان کو ترتیب دے کر کلیات کا ادراک کرتا ہے اس اسی قوت عاقلہ کے ذریعے کلی قوانین وضع کرتا ہے، نظری علوم اور حقیقی معارف بارے تفکر کرتا ہے اس سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ اس کے وسیلہ ہی سے آسمانوں پر کمنڈ ڈالتا ہے، زمین کی گہرائیوں میں جاتا ہے، سمندروں کو اپنے کنٹرول میں لیتا ہے۔ یہ سب اللہ کی عطا کردہ اس قوت عاقلہ کے جلوے ہیں۔ اس قوت کا ذکر کرکے اللہ نے پھر ان کافروں کو سرزنش کی ہے کہ تم اللہ کی ان نعمات کے بارے ناشکرے کیوں ہوئے ہو؟ اللہ کی نعمات کا شکر کرتے ہوئے اللہ پر ایمان کیوں نہیں لے آئے؟

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: ”اور اسی نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔“

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٨٠﴾

ترجمہ: ”اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور رات اور دن کا بدلنا اسی کی اختیار میں ہے، سو کیا تم نہیں سمجھتے۔“

اللہ ہی خالق، مارنے اور حیات دینے والا ہے

(ذراء) کا معنی وجود عطا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت کو بیان کیا ہے کہ اللہ ہے جس نے زمین اور زمین میں جو کچھ ہے اسے وجود بخشا ہے اور رات دن کا اختلاف بھی اسی نے قرار دیا ہے۔ زندگی دینا اور زندگی لینا، موت اور حیات اسی کے ہاتھ میں ہے کیونکہ علم عطا کرنا، زندہ کرنے پر متوقف ہے اور حشر و نشر مرنے پر متوقف ہے۔ یہ آیت معنی کے لحاظ سے پہلے کی دو آیتوں کے معنی میں ہے۔ زندہ کرنا اور مارنا اللہ ہی کا ہمیشہ کی سنت اور دائمی قانون ہے کیونکہ زندگی اور موت زمانہ گزرنے اور دن اور رات کے آئے بغیر محقق نہیں ہے۔ بعد والی عبارت پہلے کے جملہ پر موقوف ہے البتہ یہ اس صورت میں ہے شب و روز کے اختلاف سے مراد ایک رات کا ایک دن کے بعد آنا ہے لیکن اگر اس سے مراد دن اور رات کا کم اور زیادہ ہونا ہے تو اس صورت میں سال کے چار موسموں کا ذکر ہے کہ جس کا نتیجہ دنوں اور راتوں کے کم اور زیادہ ہونا ہے۔ موسموں کے پیدا ہونے سے حیوانات کی روزی کا انتظام ہوتا ہے اور روزگار کی تدبیر کی صورت بنتی ہے۔

اس لحاظ سے ان تین آیات میں انسانوں کے امور کی تدبیر کا ایک پورا دورہ ہے۔ پیدائش سے لے کر اس وقت تک جب اسے رب کے پاس پلٹنا ہے، اس کو بیان کرتا ہے۔ اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے امر کا مالک اور اس کے امر کا مدبر ہے کیونکہ یہ تدبیر ایک تکوینی امر ہے جو خلقت اور ایجاد سے جدا نہیں ہے۔ اس میں مختلف روابط کے نتیجہ میں تاثیر اور تاثر ہوتا ہے وہ سب ایجاد شدہ ہے یہ عمل جاری و ساری ہے۔ یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان ان امور میں تفکر کرے، غور کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے۔ افلا تعقلون کے جملہ سے کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اس سب پر غور کیوں نہیں کرتے؟

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: ”بلکہ وہی کہتے ہیں جو پہلے لوگ کہتے تھے۔“

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: ”کہتے ہیں کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔“

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: ”اس کا تو ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے، یہ صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔“

معاد کا انکار

ان آیات میں کافروں کے معاد بارے انکار کی جو روش تھی اسے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اپنی ایجاد اور ان ایجادات کے درمیان جو ارتباط ہے اور اسی طرح ایک مربوط نظام ہے کہ اللہ کی تدبیر کے تحت چل رہا ہے اس پر تعقل و تفکر نہ کرنے سے متعلق سوال کیا ہے، اس کے بعد بیان کیا یہ کافر تعقل و تفکر کیے بغیر سابقہ کافروں والی گفتگو کو ہی دہرا رہے ہیں اور اپنے آباؤ کی اندھی تقلید پر قائم رہے اسی بات نے انہیں حق کی پیروی سے روک لیا، اس حالت نے انہیں اس کیفیت پر لا کھڑا کیا کہ دین کا ان پر اثر نہ ہو اور یہ لوگ معاد کے انکار پر اصرار کرتے نظر آتے ہیں یہ لوگ مادیت میں غرق ہیں، یہ بغیر کسی منطق اور دلیل کے کہتے ہیں کہ جب ہم خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر کس طرح دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

جب معاد نہ ہو تو پھر دین کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ معاد دین کے وجود کا وصف اور

بنیادی اصل ہے، اسی روش کو اپناتے ہوئے ان کافروں نے کہا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، اس کا پہلے بھی ہمیں وعدہ دیا گیا تھا کہ معاد ہو گا، ہمارے آباء کو ایسا ہی کہا گیا تھا، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو آج ہم سے کہی جارہی ہے۔ یہ بات سوائے ایک خرافات کے اور کچھ بھی نہیں ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایسا ہی قدیم الایام سے پیغمبروں نے مسلسل قیامت کے وقوع اور اللہ کے وعدے سے ڈراتے رہے ہیں۔ اگر یہ واقعہ برحق ہوتا تو اب تک واقع ہو چکا ہوتا، اب تک قیامت کا واقع نہ ہونا اس کے جھوٹے ہونے کا ثبوت ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: ”ان سے پوچھو یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے اگر تم جانتے ہو۔“

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: ”وہ فوراً کہیں گے اللہ کا ہے، کہہ دو پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔“

کافروں کی بے تکی باتوں کا جواب

ان آیات میں معاد کے امکان کو ثابت کرنے کے لیے اللہ کی مالکیت، ربوبیت اور سلطنت کو بیان کیا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ کو اللہ نے فرمایا: کہ جو لوگ معاد کا انکار کرتے ہیں اور اسے خرافات سے تعبیر کر رہے ہیں تو ان سے پوچھ لو کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے ان سب کا مالک کون ہے؟ اقتدار کس کا ہے؟ یہ سب سلطنت کس کی ہے؟ تو وہ اس کا جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ کیونکہ کافر اس کا اقرار کرتے تھے کہ اللہ ہی خالق و مالک ہے، حقیقی مالک جس سے مملوکیت کا وجود مربوط ہے مملوک کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ مالک سے بے نیاز ہو۔ ایسی صورت میں مشرکین کے پاس جواب نہ ہوگا وہ کہیں گے کہ تمام موجودات کا حقیقی مالک اللہ ہے کیونکہ حقیقی مِلک علت مُوجِدہ کے بغیر قائم نہیں ہوتا۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: ''ان سے پوچھو کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے۔''

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: ''وہ فوراً کہیں گے اللہ کا ہے، کہہ دو کیا پھر تم نہیں ڈرتے۔''

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: ''ان سے پوچھو کہ ہر چیز کی حکومت کس کے ہاتھ میں ہے، اور وہ بچا لیتا ہے اور اسے کوئی نہیں بچا سکتا اگر تم جانتے ہو۔''

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: ''وہ فوراً کہیں گے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، کہہ دو پھر تم کیسے دیوانے ہو رہے ہو۔''

اللہ کی مالکیت و سلطنت کا تذکرہ

رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ ان کافروں سے سوال کرو۔ ان آیات میں بھی اسی کا تسلسل ہے کہ کائنات کے مختلف مظاہر کا ذکر کرنے اور ان سے پوچھنے کی بات ہے۔

- ساتوں آسمانوں کا مالک کون ہے؟
- عرش عظیم پر اقتدار کس کا ہے؟
- ہر چیز جو کائنات میں موجود ہے وہ کس کے قبضۂ قدرت میں ہے؟
- کون ہے جو سب کے لیے پناہ ہے لیکن اسے کسی سے پناہ لینے کی ضرورت

نہیں؟

سات آسمانوں کا حوالہ دیا ہے کہ تمام امور کے منصوبہ جات میں اللہ کی دخالت ہے، عرش عظیم کا حوالہ ہے کہ جو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو بیان کرتا ہے ایک ایک چیز کا حوالہ دیتے جاؤ اور ان سے پوچھتے جاؤ کہ ان سب پر کس کا اختیار ہے تو یہ سب جواب میں کہیں گے کہ سب چیز کی مالکیت اللہ کے لیے ہے، اللہ ہی ہے جو سب کے لیے پناہ گاہ ہے۔ اللہ کو کسی سے پناہ لینے کی ضرورت نہیں ان سے پوچھو کہ اگر تم کسی اور کو جانتے ہو کہ وہ ان چیزوں کا مالک ہے تو بتادو لیکن ان کے پاس سوائے اس کے کوئی جواب نہیں کہ اقتدار اعلیٰ اللہ کا ہے، ہر شئی کا خالق اللہ ہے۔ سلطنت اللہ کی ہے مُلک و مملکت اللہ کی ہے، پھر ان سے کہو جب ایسا ہی ہے تو پھر تم دھوکہ میں کیوں ہو، سمجھتے کیوں نہیں؟ اسباب کا مالک وہ ہے، مسببات کا خالق وہ ہے، اس کا حکم اور فیصلہ ہر چیز کے بارے ثابت ہے اگر بعض اسباب میں خلل پیدا کر دیا جاتا ہے تو یہ بات عمومی اقتدار کی نفی نہیں ہے۔

اے میرے رسول ان سے کہہ دو کہ تم کس بنا پر معاد اور مرنے کے بعد واپسی کا انکار کرتے ہو جس نے پہلے سب کو خلق کیا ہے اور جو خلقت کے بعد ان سب امور کی تدبیر کر رہا ہے جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے تو پھر تسلیم کر لو کہ اسی کے ہاتھ میں معاد بھی ہے، مرنے کے بعد سب کو واپس لانا بھی اسی کا اختیار ہے۔ ملک مطلق اللہ کا ہے تو وہی آخرت کی خلقت کو بھی ایجاد کر سکتا ہے۔ دُنیا اور آخرت کی حیات اسی کے اختیار میں ہے، ان امور کا انجام دینا اس کے لیے آسان ہے۔

بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِالۡحَقِّ وَ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: ”بلکہ ہم نے تو ان کے پاس حق بات پہنچا دی اور بے شک وہ البتہ جھوٹے ہیں۔“

کافروں کا جھوٹا دعویٰ

اللہ فرمارہا ہے کہ ہم نے اوپر جو دلائل معاد کے اثبات کے لیے دیئے ہیں یہ سب جاننے کے باوجود پھر بھی یہ کافر انکار کرتے ہیں، ہم نے ان پر حق اُتارا ہے اور حق کا واضح ثبوت بھی موجود ہے یہ سب کو جاننے کے باوجود جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ لوگ رسولوں کی گفتار کو جھٹلا کر اور معاد کی نفی کرکے جھوٹ بول رہے ہیں۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۹۱﴾

ترجمہ: ”اللہ نے کوئی بھی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہی ہے، اگر ہوتا تو ہر خدا اپنی بنائی ہوئی چیز کو الگ لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا، اللہ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔“

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اپنے سے بیٹے کی مطلقاً نفی کی ہے چاہے وہ فرشتوں کی شکل میں ہو یا ان کے علاوہ کسی اور سے ہو ”اتخاذ ولد“ کا معنی فرزند اس طرح ایجاد کریں کہ وہ اس کی ذات سے نکلے اور اس ذات کا ایسا حصہ ہو جو کہ اس سے الگ ہو گیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو فرزند لاھوت کی حقیقت سے اور اس کی ذات سے الگ ہوا ہے تو اس صورت میں خدائی کی حقیقت میں بھی اس کا سہم و حصہ ہو گا، مصداق کے اعتبار سے یہ اللہ سے خاص تر ہو گا ایسا نہیں ہے مشرکین نے جتنے معبود بنا رکھے، وہ ان سب کو اللہ کا فرزند قرار دیتے ہوں، اسی دلیل کے تحت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ہر معبود کی نفی کی ہے۔

اس نفی کی دلیل یہ ہے کہ اگر خدائے واحد کے ہمراہ کوئی اور معبود ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی

مخلوق کی تدبیر کرتا اور ہر ایک اپنی مخلوق کی تدبیر میں مستقل ہوتا اس کے نتیجہ میں کائنات میں نافذ تدبیر کی انواع و اقسام کے درمیان اتصال اور ارتباط منقطع ہو جاتا۔ اس طرح انسانی عالَم حیوانی عالَم کے نظام اور چاند اور سورج کے نظاموں سے اسی طرح باقی سیارگان کے نظام سے جدا ہو جاتا ہے اس انقطاع اور جدا جدا ہونے کا نتیجہ آسمانوں، زمین اور جو موجودات ان میں ہیں، سب تباہ ہو جاتے اور سب میں فساد اور ٹکراؤ ہو جاتا جبکہ ہم دیکھ رہے کہ پورے عالَم کا نظام قائم ہے اور ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے عوَالم کا مدبر اور رب ایک ہے۔

اسی تسلسل میں مزید بیان کیا کہ اگر اِلٰہ متعدد ہوتے تو اس سے ایک اور فساد واقع ہوتا۔ بیان اس طرح ہے اس عالَم اور کائنات میں جو قوانین اور نظام جاری و ساری ہیں وہ چند قسم پر ہیں۔ عرضی اور طولی تدابیر ہیں۔ طولی تدابیر بھی دو قسم پر تقسیم ہوتی ہیں۔ ایک تدبیر عام اور کلی ہے دوسری تدبیر جزئی اور محکوم ہے جیسے عالَم زمین کی تدبیر عام ہے اور زمین پر عالَم نباتات کی تدبیر خاص ہے جو زمین کی جزئی ہے۔ بعض تدابیر ہیں جو بعض دوسری تدابیر سے بالاتر ہیں اور کچھ تدبیریں دیگر بعض تدابیر پر تسلط رکھتی ہیں کہ اگر تدابیر زیر دست بالادست سے کٹ جائے تو وہ کلی طور پر باطل اور فاسد ہو جائے کیونکہ اس کی تدبیر اپنے مافوق سے مربوط ہے ان مختلف تدابیر کے جائزے کا لازمہ یہ ہے کہ جو عالَم کی تدبیر عام یا تسلط و حکمرانی رکھنے والے تدابیر کا خدا ہے وہ اس مدبر خدا سے برتر ہوگا جس کے ہاتھ میں خاص یا محکوم تدبیر ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک خدا دوسرے خدا سے برتر ہے جبکہ ایک اِلٰہ کی دوسرے اِلٰہ پر برتری عقلاً محال ہے کیونکہ اس کا لازمہ یہ ہے کہ جو خدا کمتر دائرہ کار کا ہے وہ اپنی تاثیر اور تدبیر میں مستقل نہ ہوگا بلکہ وہ اوپر والے مدبر کا تابع ہو۔ اس احتیاج کے ہوتے ہوئے اسے اِلٰہ اور مدبر نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ وہ ایک واسطہ سے زائد نہیں ہے وہ بھی اس مختصر دائرہ کار والے عالَم کے لیے جبکہ اِلٰہ تو وہ ہوتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور اس کی مستقل حیثیت ہو۔ آخر میں رب تعالیٰ

کی تقدیس اور تنزیہ کے بیان میں فرمایا: اللہ اس سے منزہ اور پاک ہے جو کچھ یہ لوگ اللہ کے بارے کہتے ہیں، یہ لوگ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں، اللہ کا شریک نہیں ہے۔

عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ''غائب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے، بہت بلند ہے اس سے جسے یہ شریک بناتے ہیں۔''

اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے

اس جملہ میں اللہ کی صفت کو بیان کیا ہے۔ اللہ اس جگہ یہ بیان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خود اس کا علم ہے کہ وہ منزہ ہے ان اوصاف سے جن کی نسبت یہ لوگ اللہ کی طرف دیتے ہیں، وہ لوگ جو اللہ کے وصف میں بیان کرتے تھے وہ یہ تھا کہ وہ اللہ کو یکتا نہیں مانتے تھے بلکہ اس کے لیے شریک قرار دیتے تھے، یہ ایک اور دلیل ہے جو اللہ سے شریک کی نفی کا ثبوت ہے کہ اللہ خود اپنے بارے گواہی دے رہا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔[1]

کیا یہ لوگ اللہ کے بارے شریک کی خبر دینا چاہتے ہیں جبکہ اللہ غیب اور شہادت کا عالم ہے ایسی بات کی خبر دیتے ہیں جن کی اللہ کو خبر نہیں ہے۔ ان مشرکین کے دعویٰ کے مطابق کہ اللہ کے شرکاء ہیں تو اس کا علم خود اللہ کو بھی ہونا چاہیے۔ بس خدا اس سے منزہ ہے جو یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں سورۂ یونس آیت ۱۸ میں اللہ فرمایا:

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ

''کیا یہ لوگ اللہ کو ایسی خبر دیتے ہیں جس کا علم اللہ کو نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اس کا

1۔ سورہ آل عمران آیت ۱۸: '' شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ'' ''اللہ گواہ ہے کہ شان یہ ہے کہ وہ ہے اکیلا کوئی اور معبود نہیں بس وہی معبود والٰہ ہے''۔

کوئی شریک نہیں ہے؟"

یہ بات واضح ثبوت ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: "کہہ دو اے میرے رب اگر تو مجھے دکھائے وہ چیز جس کا انہیں وعدہ دیا جا رہا ہے۔"

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾

ترجمہ: "اے میرے رب تو مجھے ظالموں میں شامل نہ کر۔"

پیغمبر اکرمؐ کو دعا مانگنے کا حکم

ان آیات میں اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا کہ وہ اللہ سے دعا کریں اور دعاء بھی خود تعلیم دے دی کہ اس عبارت سے دعا کریں۔ تضرع اور زاری کے ساتھ دعا کی تاکید کے لیے دو دفعہ لفظ "رب" اے میرے رب کا تکرار ہے۔ اس آیت میں خدا اپنے پیغمبر سے فرما رہا ہے کہ وہ رب کے حضور اس طرح سے درخواست کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو دُنیاوی عذاب جو ان کافروں کے لیے ہے وہ دکھائے، لیکن اگر عذاب دنیوی کا فیصلہ ہو ہی چکا ہو تو پھر مجھے اس سے محفوظ رکھنا کیونکہ مشرکین عقیدہ معاد اور پیغمبر اکرم ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ تم مجھ سے تضرع وزاری سے یہ دعا کرو کہ اے رب مجھے اس عذاب کو دکھاؤ جس کا تو نے وعدہ دیا ہوا ہے اور جب اے رب تو عذاب اُتارے تو پھر مجھے ان ظالموں میں موجود نہ رکھنا۔

وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ: " اور ہم اس پر قادر ہیں کہ تجھے دکھا دیں جو ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔"

رسول خداؐ کی دعا کا جواب

رسول اللہ ﷺ کے دل کو اطمینان دلانے کے لیے بیان کیا کہ اے میرے پیارے! ہم قادر ہیں کہ ہم نے جو کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا ہے اسے تجھے دکھائیں اور تجھے اس تباہی سے محفوظ بھی رکھیں گے۔ شاید اس عذاب سے مراد بدر میں مشرکین کو بڑی شکست کے ذریعہ عذاب دیا گیا اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کافروں کی بربادی اور مسلمانوں کے محفوظ رہنے کو دکھا دیا اور اس معرکہ میں انہیں نجات دی۔ جنگ بدر کو مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان کا ذریعہ بنایا اور اس فتح سے رسول اللہ ﷺ کے قلب کو سکون فراہم کیا۔

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ ؕ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَصِفُوۡنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: ”بری بات کے جواب میں وہ کہو جو بہتر ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں۔“

وَ قُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ ہَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ ﴿ۙ۹۷﴾

ترجمہ: ”اور کہو اے میرے رب میں شیطانی خطرات سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

وَ اَعُوۡذُ بِکَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: ”اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئیں۔“

کافروں کی بدکلامی کا جواب

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو یہ بات تعلیم دی کہ جو کچھ ان کافروں سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے وہ جو بدکلامی کرتے ہیں، گستاخیاں کرتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں تو میرے پیارے تم ان کے

ساتھ احسان اور بھلائی سے پیش آؤ، ہم آپ سے بہتر جانتے ہیں کہ وہ آپ کو کن کن اوصاف سے یاد کرتے ہیں اور تیری دعوت کے بارے وہ کیا تاثر دیتے ہیں۔ آپ غمگین نہ ہوں، ان کی جسارتوں اور گستاخیوں پر غمزدہ نہ ہوں ہم سب جانتے ہیں۔

شیاطین سے پناہ

"ہمزات" ہمزہ کی جمع ہے جس کا معنی ہے شیطان کا کسی کو زبردستی گناہ کی طرف دھکیلنا، گمراہ کرنا۔ تفسیر مجمع البیان ج ۷ میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: ہمزات سے مراد ایسے وسوسے ہیں جو شیطان انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔

ان دو آیات میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اللہ سے درخواست کی ہے کہ شیاطین کو اللہ ان سے دُور رکھے اور شیطانی وسوسے ان میں نہ آئیں۔ مشرکین کا رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنا اور اللہ کا شریک قرار دینا، شیاطین کے وسوسوں کا نتیجہ ہے اور یہ کہ مشرکین کو شیاطین نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اللہ سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے کہ شیاطین آپ سے دُور رہیں، وہ آپ کی طرف رُخ ہی نہ کریں، وہ اس سے عاجز ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کا قصد کریں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: "یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو وہ کہے گا اے میرے رب مجھے پھر بھیج دے۔"

لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: " تاکہ جسے میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کرلوں، ہرگز نہیں یہ ایک

بات ہی ہے جسے یہ کہہ رہا ہے، اور ان کے آگے قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔"

موت آنے پر کافروں کی آرزو

مشرکین اور کفار اپنی انکار کی پالیسی پر باقی رہیں گے، بت پرستی پر چلتے رہیں گے، حق کی دعوت کے انکار پر باقی رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے پاس موت آجائے گی اور فرشتے ان کی رُوح کو قبض کرنے کے لیے آجائیں گے تو موت کو سامنے موجود پا کر یہ کافر اس وقت چیخ و پکار کریں گے کہ مجھے واپس لوٹا دو تاکہ اس عذاب سے نجات پالیں جو انہیں نظر آرہا ہوگا اس وقت وہ دُنیا میں واپس لوٹنے کا قصد و ارادہ کریں گے اور یہ خواہش کریں گے کہ دُنیا میں واپس جا کر نیک عمل کریں گے اور جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کی تلافی کریں گے، انفاق کریں گے، خرچ کریں گے، نیک کام کریں گے اور ان اعمال سے وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرلیں گے اور اس عذاب سے بچ جائیں گے۔ "ماترکت" جو میں چھوڑ آیا، یعنی جو مال چھوڑ آیا، جو عمر میں نے پہلے گذار دی اللہ کی نافرمانی میں۔

عمل صالح تمام اعمال مراد ہیں، اس میں مالی اور غیر مالی ساری عبادات مراد ہیں۔ غیر مالی عبادات جیسے نماز، روزہ حج، جہاد وغیرہ۔ یہ کافر کی آرزو ہو گی جس کا وہ اللہ کے مامور فرشتے کے سامنے اظہار کرے گا تو اس کے لیے جواب آئے گا یہ اس کی ایک بات ہے جو وہ اس حالت کو دیکھ کر کہہ رہا ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی آرزو پوری نہ ہو گی اس کے لیے واپسی کا امکان نہیں ہے، شاید اس سے یہ اشارہ ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے یہ بے ہودہ بات ہے۔ یہ اضطرار اور مجبوری کے عالم میں ایسا جملہ ادا کر رہا ہے اگر دُنیا میں واپس چلا جائے تو پھر بھی وہاں جا کر وہی کچھ کرے گا جو وہ پہلے کیا کرتا تھا، وہ اپنے ان برے اعمال کو دوبارہ شروع کر دے گا، اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس کے بعد عالم برزخ کی طرف اشارہ ہے، برزخ دو چیزوں کے درمیان والی حالت کو کہا جاتا

ہے، اس سے مراد عالم قبر ہے، جو ایک عام مثال ہے جس میں ایک طرح کی زندگی گزارے گا یہاں تک کہ قیامت کا دن آجائے۔ یہ جو فرمایا کہ ان کے پیچھے برزخ ہے یعنی اب دُنیاوی زندگی کا خاتمہ ہے اس دُنیاوی زندگی کے بعد ان کے سامنے اب برزخ ہے جو ان پر محیط رہے گی۔ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ برزخ ایک حائل ہے، رکاوٹ ہے جس وجہ سے وہ اس دُنیا میں واپس نہیں آسکتے۔ عالم برزخ کا وجود اور مفسرین نے اس کا جو معنی اس جگہ کیا ہے یہ اس کے مطابق ہے جو روایات میں آیا ہے۔ آئمہ اہل البیت علیہم السلام سے ایسی روایات موجود ہیں، اہل سنت کے حدیثی منابع میں بھی ایسا ہی معنی موجود ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: ”پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان میں نہ رشتہ داریاں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔“

مُردوں کا میدان محشر میں حاضر ہونا

اس جگہ صُور میں پھونک مارنے سے مراد دوسرا صُور ہے، جب پہلی دفعہ صُور میں پھونک ماری جائے گی تو اس وقت سب مر جائیں گے، کوئی زندہ موجود نہ رہے گا۔ جب دوسری بار صُور میں پھونک ماری جائے گی تو پھر سب زندہ ہو جائیں گے اور حساب کے لیے میدان میں آکھڑے ہوں گے۔ اس وقت تعلق داریاں، رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی، دُنیاوی روابط اور تعلقات بھی وہاں نہ ہوں گے، کوئی کسی کا ہمدرد نہ ہو گا۔ دُنیا میں ایک دوسرے کے جس طرح کام آتے تھے یہ دُنیا میں رہنے کا تقاضا تھا لیکن اس جہان میں ایسا کچھ نہ ہو گا وہاں تو جو کچھ دنیا میں کیا ہے اس کا بدلہ ملنا ہے اور پس وہاں تو نہ کوئی عمل ہو گا اور نہ ہی کسی عمل کی پابندی کرنا ہو گی۔ قیامت میں رشتہ داریوں کا کوئی تعلق نہ ہے، کوئی ایک دوسرے کو نہ پوچھے گا، کیونکہ کوئی کسی کا محتاج نہ ہو گا نہ ہی کوئی کسی کو فائدہ دے سکے گا اور نہ ہی کسی کو نقصان دے

گا۔ ہر کسی کو اپنے بارے اس قدر فکر ہو گی کہ اسے اپنے سوا کسی کی خبر نہ ہو گی۔ قیامت کے دن کسی کو کسی کی کچھ خبر نہ ہے۔ سورۂ عبس آیت ۳۷:

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾

"ہر شخص کی ایسی حالت ہو گی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پروا کر دے گی"۔

اس دن کا حکم اور آرڈر فقط اللہ کا ہے۔ اللہ بہشت انہیں دے گا جنہوں نے دُنیا میں اللہ کی اطاعت کی ہو گی اور ان کے لیے جہنم دے گا جنہوں نے دُنیا میں اللہ کی نافرمانی کی۔ جنت عبادت گذاروں کے لیے ہے چاہے وہ عبادت گزار سیاہ فام حبشی ہی کیوں نہ ہوں اور جہنم نافرمانوں کے لیے ہے چاہے وہ سید و سردار قریشی ہی کیوں نہ ہو۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: "پھر جن کا پلہ بھاری ہوا تو وہی فلاح پائیں گے۔"

وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: "اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو وہی یہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کیا، ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہوں گے۔"

قیامت کے دن اجر کا معیار

موازین سے مراد اعمال ہیں۔ قیامت کے دن اعمال کا جائزہ لیا جائے گا جیسا سورہ اعراف میں ذکر ہوا ہے۔ اعمال کا وزنی ہونے کا مطلب ہے کہ جن کے اعمال کی قدر ہو گی اور ان کے اعمال نیک ہوں گے وہ آخرت میں کامیاب ہیں۔ جن کے اعمال بے وزن ہوں گے یعنی بے حیثیت

ہوں گے باطل ہوں گے کیونکہ باطل بے حیثیت اور ناقدر ہوتا ہے۔ جنہوں نے دُنیا میں ایسے اعمال کیے ہوں گے تو ان کے اعمال کا ترازو ہلکا ہو گا اور ایسے لوگ خسارے میں ہوں گے، انہوں نے اپنا سرمایہ زندگی دُنیا میں ضائع کر دیا اور آخرت میں اپنے لیے جہنم جاوید حاصل کرلی، ہمیشہ کا عذاب مول لے لیا۔

تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ وَهُمۡ فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: ''ان کے چہروں کو آگ جھلس دے گی اور وہ اس میں بد شکل ہونے والے ہوں گے۔''

دوزخیوں کی حالت

آتش دوزخ کے بھڑکتے شعلے دوزخیوں کے چہروں کا رنگ ہی بدل دیں گے۔ ان کے ہونٹ خشک جلے ہوئے، چہرے سیاہ، رنگ بدل جائے گا، سیاہی اور کالک ان کے چہرے کو بدل دے گا۔ جس طرح گوسفند کو بھونا جاتا ہے اس کی جلد اور چمڑا کس طرح ہو جاتا ہے اسی طرح ان کی حالت ہو گی۔

اَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: ''کیا تمہیں ہماری آیتیں نہیں سنائی جاتی تھیں پھر تم انہیں جھٹلاتے تھے۔''

قَالُوۡا رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَيۡنَا شِقۡوَتُنَا وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّيۡنَ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: ''کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی اور ہم لوگ گمراہ تھے۔''

جہنمیوں سے خطاب اور ان کا جواب

جب جہنمی جہنم میں پہنچ جائیں گے تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ کیا تمہارے پاس آیات نہیں آئی تھیں؟ ان کی تلاوت تمہارے اوپر نہیں کی گئی، آیات واضح تھیں لیکن تم نے ان کا کچھ اثر نہ لیا اور تکبر کیا اور ان آیات کو جھٹلا دیا۔ حق کو ٹھکرا دیا اور باطل کے گرویدہ ہوئے تو اب اس کی سزا بھگت رہے ہو، یہ سن کر جہنمی جواب میں اللہ تعالیٰ سے رحم کی اپیل کریں گے اور فریاد کرتے ہوئے اس طرح کہیں گے: اے ہمارے رب ہماری شقاوت اور بدبختی نے ہمیں گھیر لیا، ہمارے اوپر اس کا غلبہ ہوا اور ہم خود ہی اس شقاوت اور بدبختی میں داخل ہوئے تھے وہ اس جگہ اعتراف کریں گے کہ ہم گمراہ تھے، سیدھا راہ کا انتخاب نہ کیا، حق سے رُخ موڑ لیا۔ یہ سب اس لیے کریں گے کہ شاید اللہ کی طرف سے عذاب میں انہیں کچھ تخفیف مل جائے۔ دُنیا میں واپس پلٹائے جائیں یا اپنے لیے اس طرح سعادت حاصل کر سکیں کیونکہ دُنیا میں جب مجرم اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے تو اسے کچھ تخفیف مل جاتی ہے، ندامت اور پشیمانی فائدہ دیتی ہے۔ یہ ندامت باطنی ملکات کا ظہور ہے ورنہ عذاب سے گریز ممکن نہیں۔

رَبَّنَآ اَخۡرِجۡنَا مِنۡهَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: ”اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال دے اگر پھر کریں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔“

قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: ”فرمائے گا اس میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے نہ بولو۔“

دُنیا میں واپس بھیجنے کی درخواست

جہنمی بہت ہی عاجزی سے اللہ کے حضور درخواست کریں گے کہ ہمیں اس عذاب سے باہر نکال دے، واپس دُنیا میں بھیج دے، ہم دُنیا میں جا کر پھر اچھا کریں گے، دوبارہ غلطیاں نہ کریں

گے۔ پھر ایسا کریں تو پھر ہمیں سزا دینا، ہم بڑے ہی ظالم ہوں گے، ان کی اس درخواست پر اللہ کی طرف سے سخت جواب دیا جائے گا۔

اخساء کا معنی

یہ لفظ کتے کو دھتکارنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لفظ کو اللہ نے ان مجرموں کی خواہش کو رد کرنے کے لیے استعمال کیا، انہیں کہا جائے گا دُور ہو جاؤ، ڈانٹ دیا جائے گا اور ان کی بات کو کاٹ دیا جائے گا اور اس طرح دوبارہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ وہاں پر گناہگاروں سے کچھ بھی عذر اور معذرت قبول نہ ہو گی۔

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾

ترجمہ: "میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو کہتے تھے اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

اللہ کے نیک بندوں کا رویہ

اس آیت میں دُنیا میں مومنین کے رویہ کو بیان کیا ہے کہ مومنین نیک اعمال کرتے تھے، اطاعت کرنے کے ساتھ ساتھ معصیت چھوڑتے تھے۔ اللہ سے عرض کرتے کہ اے ہمارے رب ہم تو ایمان لائے ہیں، ہمارے اوپر رحم فرما، ہمارے گناہ معاف کر دے، ہمیں سعادت مند قرار دے، توفیق کے طالب تھے، تو ہی بہترین راحمین سے ہے۔ اللہ مومنین پر اپنی خصوصی رحمت فرماتا ہے، انہیں اپنی عنایات سے نوازتا ہے، اللہ انہیں بہشت میں وارد کرے گا۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: ''سو تم نے ان کی ہنسی اڑائی یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی ہی کرتے رہے۔''

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: ''آج میں نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔''

صابروں کے لیے اللہ کی جزاء

دُنیا میں مومنوں کی جو کیفیت تھی کہ کس طرح ان کا مذاق اڑایا جاتا تھا ان کے اعمال کو دیکھ کر ان پر ہنستے تھے لیکن وہ ان کی الزام تراشیوں، طعنہ زنیوں پر صبر کرتے تھے اور اللہ کی اطاعت نہ چھوڑتے تھے بہت ہی صبر آزما اوقات گزارتے تھے، اللہ تعالیٰ آج ان کافروں سے فرمائے گا تم کل ان کا مذاق اڑاتے تھے اور یہ صبر کرتے تھے آج میں انہیں ان کا بدلہ دُوں گا اور ان کے لیے آرام اور سکون عطا کروں گا، ان کا اجر ضائع نہ کروں گا۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: ''فرمائے گا تم زمین پر گنتی کے کتنے برس رہے۔''

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: '' کہیں گے ایک دن یا اس سے بھی کم رہے ہیں پس آپ گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیں۔''

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: ''فرمائے گا تم اس میں تھوڑا ہی رہے ہو، کاش کہ تم سمجھ لیتے۔''

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: ''سو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں نکما پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے۔''

قیامت کا دن ہو گا، نفسا نفسی ہو گی، ہر شخص اپنی ذات میں گم ہو گا کہ اس اثناء میں آواز آئے گی اے محشر میں موجود انسانو! ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم دُنیا میں کتنا عرصہ ٹھہرے رہے؟ یہ آواز سن کر سب ہی حیرت زدہ ہوں گے اور پھر ایک ہی آواز آئے گی کہ ایسا لگتا ہے کہ ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ہم نے اس جہاں میں قیام کیا ہے۔ یہ سوال برزخی زندگی کے بارے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ آیت کا ظاہر ہے۔ تو وہ دُنیا کا دن بتائیں گے اور برزخی زندگی کا قیامت کے عرصہ بارے تقابل کریں گے اور یہ بات کہیں گے کیونکہ قیامت کے مقابلے میں اس عرصہ کو معمولی تصور کریں گے پھر وہ خود وہی سمجھ جائیں گے کہ وہ اس مدت کے بارے نہیں بتا سکتے اس لیے کہیں گے کہ اسی کے متعلق ان سے پوچھ لو جو ان کو شمار کر سکتے ہیں۔ شاید اس سے ان کی مراد حساب دار فرشتے ہوں کہ ان فرشتوں نے جس طرح ہمارا حساب درج کر رکھا ہے تو یہی بتا سکتے ہیں کہ ہم کتنا عرصہ برزخ میں رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اللہ کا فرمان جاری ہو گا کہ بات اس طرح ہے کہ قبروں میں تمہارے ٹھہرنے کا عرصہ کم ہی تھا، لیکن اے کاش! تم نے اس بات کو قیامت کے دن سے پہلے یعنی دنیا میں دَرک کیا ہوتا کہ قبروں میں تم تھوڑا عرصہ رہو گے اور پھر تم زندہ کیے جاؤ گے، تو اس صورت میں پھر تم معاد اور دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار نہ کرتے اور آج پھر اس طرح عذاب جاودانی میں گرفتار نہ ہوتے۔ قیامت کے ہولناک مناظر جب دیکھیں گے،۔ برزخ کے اوضاع کو یاد کریں گے اور اپنے

اوپر حسرت و یاس میں ہوں گے تو اس حالت میں کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تمہیں ہم نے عبث اور بے کار خلق کیا کہ پس تم زندہ رہو گے اور پھر مر جاؤ گے کوئی حساب کتاب نہ ہوگا اور تمہاری خلقت کا کوئی مقصد و ہدف نہیں ہے اور تمہارا اثر و نشان تک باقی نہ ہوگا اور تم ہمارے پاس واپس پلٹ کر نہ آؤ گے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿١١٦﴾

ترجمہ: ”سو اللہ بہت ہی عالیشان ہے جو حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، عرش عظیم کا مالک ہے۔“

زندگانی اور خلقت کا باہدف ہونا

خلقت کا بے ہودہ اور بے مقصد ہونا رب تعالیٰ کے مقام اور شان کے منافی ہے۔ اللہ کی ذات برتر ہے کہ وہ کوئی بے ہودہ کام انجام دے اور اس کے کام کی کوئی غرض و غایت نہ ہو۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے لیے چہار صفات بیان کی ہیں:۔

۱۔ اللہ ہی پورے عالم کا حقیقی فرمانروا ہے، حاکم مطلق وہی ذات ہے لہٰذا وہ جو حکم دینا چاہے دیتا ہے، مخلوقات کا آغاز و انجام، ان کی روزی سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

۲۔ اللہ ہی حق ہے، اس میں باطل کو راہ نہیں ہے، وہ جو بھی کرتا ہے جو فعل انجام دیتا ہے وہ حق پر مبنی ہوتا ہے۔ منبع حق ہے جب حق سے صادر ہوتا ہے تو جو صادر ہوگا وہ حق ہی ہوگا، یہ محال ہے کہ حق سے باطل نمودار ہو اور بے ہودہ کام سرزد ہو یا اس کا حکم اور فیصلہ باطل ہو۔

۳۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ بات محال ہے کہ تصور کیا جائے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔

۴۔ اللہ عرش کریم کا مدبر ہے، ربوبیت اللہ کے لیے خاص ہے، عرش کی تدبیر اسی کے پاس

ہے۔ پوری کائنات کے فیصلے اسی سے صادر ہوتے ہیں، تمام امور کی لگام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

ان چار اوصاف کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اللہ ہے یعنی ایسی ذات ہے کہ جس کا وجود خود اس کی اپنی ذات سے ہے جبکہ تمام موجودات کا وجود اس کی ذات سے ہے، جو اپنی ذات کی وجہ سے موجود ہے اور اپنے غیر کو وجود دینے والا ہے وہ اللہ ہی ہے۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: اور جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود کو پکارا، جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں، تو اس کا حساب اسی کے رب کے ہاں ہوگا، بے شک کافر نجات نہیں پائیں گے۔

غیر اللہ کو پکارنے کی گنجائش نہیں

مشرکین اور ان جیسے دوسرے افراد جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارتے ہیں اور اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں یا اپنے من گھڑت معبود کی پرستش کرتے ہیں تو ان کے پاس اس کے معبود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ اللہ کے سوا اور معبود قرار دینے کی نفی پر دلیل و ثبوت موجود ہے۔ پھر انہیں دھمکاتے ہوئے کہا ہے کہ ان سب کا حساب حقیقی رب تعالیٰ کے پاس ہے، اللہ کے علاوہ کسی اور کو اس حساب تک رسائی نہیں، ان کا حساب جو بھی تقاضا کرے گا اسی کے مطابق انہیں بدلہ دیا جائے گا اور ان کے لیے سزا دوزخ کی آگ ہے۔ حتمی طور پر اس سزا کو بھگتیں گے یعنی ان کا کوئی بھی سفارشی یا نجات دینے والا موجود نہ ہوگا۔ ان کے لیے نجات کی اُمید نہ ہوگی اسی وجہ سے یہ فرمان جاری کیا کہ کافر کامیاب نہ ہوں گے۔

وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: ''اور کہو اے میرے رب معاف کر اور رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔''

مومنوں کی زبانوں کا ورد

اس سورہ کے آخر میں اپنے پیغمبرؐ کو فرمان جاری کیا کہ مومنوں کا جو ہمیشہ کا ورد ہے اور جو ان کی زبان پر کلمہ جاری ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اسی سورہ کی آیت ۱۰۹ میں بھی بیان فرمایا ہے کہ تمام مومنین اللہ سے مغفرت اور رحمت طلب کریں۔ اللہ کی خاص رحمت مومنوں کے شامل حال ہو گی ان کی سعادت اسی پر موقوف ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ اعمال صالح انجام دینے پر کامیاب ہوتے ہیں اسی بناء پر وہ جنت میں جائیں گے۔ اس آیت میں اللہ نے مشرکین کو خطاب کرنے سے اعراض کیا ہے، پوری عنایت اور توجہ مومنین پر رکھی ہے۔ خطاب اپنے رسول کو کیا ہے ان پر رحمت و مغفرت طلب کرنے کی تاکید فرمائی ہے، اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ وہ اس طرح اپنے رب سے دُعا کریں: ''اے رب! اے ہمارے پروردگار! مجھے مغفرت عطا فرما، میرے اوپر رحم فرما۔'' اس عبارت میں اس بات کی تاکید ہے کہ عرش کریم کا مالک بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔ جیسا کہ سابقہ آیات میں ذکر ہوا ہے۔ رحمت کی صفت کو عمومیت دی ہے، اللہ کو بہتر ناموں سے یاد کیا ہے کہ اللہ ارحم الراحمین ہے یہ بشارت ان افراد کے لیے ہے جو بہشت کا استحقاق رکھتے ہیں اس کا ذکر بھی موجود ہے۔

سورۃُ النور

(مدنی۔ آیات 64)

اس سورت کے مطالب

واجب احکام اور معارف الٰہی کا بیان، آخرت کا بیان، تقویٰ الٰہی کا بیان، مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریوں کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ①

ترجمہ: ''یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکام ہم نے ہی فرض کیے ہیں اور ہم نے اس میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو۔''

سورہ کا معنی

سورہ کا معنی ہوتا ہے کہ چند جملوں اور کلمات کو ایک ہدف اور مقصد کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کردینا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے بارے ارشاد فرمایا ہے ہم نے اس سورہ میں مطلب کو بیان کیا ہے جن پر عمل کرنے کو فرض قرار دیا ہے نیز ہم نے اس میں واضح آیات اُتاری ہیں جو ایمان، کفر اور شرک کے حوالے سے بھیجی ہیں تاکہ لوگ اس طرح معارف الٰہی کو سمجھ لیں اور ان کے لیے اس حوالے سے یاد دھانی ہو۔

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَ لْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

ترجمہ: ”بدکار عورت اور بدکار مرد پس دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو، اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر ذرا رحم نہ آنا چاہیے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔“

زناکار کی سزا

اس آیت میں زنا جیسے جرم کی سزا بیان کی گئی ہے۔ آیت میں عورت کا ذکر پہلے ہے اور مرد کا ذکر بعد میں ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ برائی عورتوں کے حوالے سے زیادہ بری ہے اور عورتوں میں جنسی شہوت مرد کی بہ نسبت زیادہ ہوتی۔[1]

زنا کے جرم کی سزا ایک سو تازیانہ ہے اور حکم دیا ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد کو ایک سو کوڑے مارے جائیں۔ اس قانون کو نافذ وہ کرے گا جو مسلمانوں کے امور کا متولی اور ذمہ دار ہو گا یا تو خود رسول اکرم ﷺ ایسا کرنے کے مجاز ہیں یا امام معصوم ہو اور اگر وہ نہ ہوں پھر نائب امام۔ (جامع الشرائط فقیہ) جو کہ حاکم شرع ہوتا ہے۔ البتہ یہ سزا اس کے لیے ہے جو شادی شدہ نہ ہوں، اگر شادی شدہ ہوں تو پھر سنگسار کرنا ہوتا ہے۔ ایک اور شرط بھی ہے، زنا

---

[1]۔ مجمع البیان ج ۷۔

کا جرم کرنے والا غلام نہ ہو، آزاد ہو کیونکہ غلام کی سزا آدھی ہے اور وہ پچاس تازیانہ ہے۔

اس جرم کی سزا کو جاری کرنے میں کسی قسم کی سستی اور کاہلی نہ ہو تو اس کے لیے ارشاد فرمایا: جو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قیامت کے دن پر ایمان ہے تو ان مجرموں کی سزا کے وقت تمہیں ان پر ترس نہیں آنا چاہیے، اللہ کی حدود اور سزاؤں کے نفاذ میں کسی طرح کی کاہلی اور سستی نہ ہو اور مجرموں کو سزا دیتے وقت ان پر ترس نہ کھائیں نہ ہی ان کے بارے شفقت و مہربانی دل میں آئے۔ آخر میں ایک اور حکم دیا کہ جب ان مجرموں کو سزا دی جا رہی ہو تو مومنین کی ایک جماعت اسے دیکھ رہی ہو، اس سزا پر گواہ ہوں تاکہ دوسرے اس سے عبرت پکڑیں اور زنا جیسے جرم کے قریب نہ جائیں۔

حدیث میں آیا ہے: ”زناکار حالت ایمان میں زنا نہیں کرتا، اسی طرح چور حالت ایمان میں چوری نہیں کرتا بلکہ جو لوگ ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں تو جس طرح قمیض کو انسان اپنے تن سے اُتار دیتا ہے اسی طرح وہ مجرم ایمان کا پیراہن اُتار دیتا ہے“۔[1]

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: ”بدکار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرکہ کے نکاح نہیں کرے گا اور بدکار عورت سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے اور کوئی نکاح نہیں کرے گا، اور ایمان والوں پر یہ حرام کیا گیا ہے۔“

---

[1] ۔ اصول کافی، جلد ۲۔ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے۔

زانی مرد اور زانیہ عوت کا حکم

اس آیت کا معنی آئمہ اہل البیت علیہم السلام سے آمدہ روایات کی روشنی میں یہ ہے کہ جب زنا کار مرد زنا کرکے جب شہرت پا جائے اور اس پر حد شرعی جاری ہو جائے اور اس نے توبہ نہ کی ہو تو پھر ایسا شخص ایک پاکیزہ و نیک مسلمان عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اسے چاہیے کہ یا وہ زناکار عورت سے نکاح کرلے یا مشرکہ عورت سے نکاح کرلے۔ اسی طرح ایسی عورت جو زنا میں مشہور ہو جائے اور اس پر حد شرعی جاری کر دی جائے لیکن وہ توبہ نہ کرے تو ایسی عورت پاکیزہ اور نیک مردوں سے جو مسلمان ہیں، نکاح نہیں کر سکتی۔ یا تو وہ مشرک شخص سے نکاح کرلے یا زناکار مرد سے نکاح کرے کیونکہ ایسے مجرم افراد اسی کی لیاقت رکھتے ہیں کہ وہ اپنے جیسے کے ساتھ ہی ازدواجی زندگی گزاریں۔

آخر میں ایک واضح حکم جاری فرمادیا کہ زانی مرد یا زانیہ عورت کا نیک و پاک مسلمانوں سے ازدواج جائز نہیں ہے۔ یہ مومنوں پر اللہ نے حرام قرار دیا ہے کہ جن کا وصف اللہ تعالیٰ سورہ مومنون میں بیان کر چکا ہے کہ مومنین کی شان یہ ہے کہ :

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ

''اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسّی دُرّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور وہی لوگ

نافرمان ہیں۔"

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

ترجمہ: "مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور درست ہو گئے تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔"

پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا

اس آیت ان لوگوں کی بات کی گئی ہے جو پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور اپنے اس جرم پر دلیل نہیں لاتے، گواہ پیش نہیں کر سکتے تو ان کے اس جرم کی اسی کوڑے سزا متعین ہے۔ کیونکہ ایسے افراد فاسق ہیں اور اللہ کی اطاعت سے خارج ہیں۔ اس سے فرق نہیں کہ زنا کی نسبت دینے والا مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد، اس جگہ استثناء کیا کہ مگر وہ لوگ جو اس جرم سے توبہ کرلیں اور اپنے عمل کو ٹھیک کرلے تو اس صورت میں اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اس طرح ان کی گواہی کے رد کرنے کا حکم جو ہے وہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے اگر بعد میں نیک بن جائے تو پھر ان کی گواہی قبول ہو گی لیکن ان کی سزا والا حکم باقی ہے کہ انہیں اس جرم کی سزا ملے گی۔ گواہی رد کرنے کا حکم مشروط ہے کہ اگر توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو پھر ٹھیک و گرنہ گواہی قبول نہ کرنے والا حکم باقی رہے گا۔

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶

ترجمہ: "اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے لیے سوائے اپنے اور کوئی گواہ نہیں تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر

گواہی دے کہ بے شک وہ سچا ہے۔"

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞

ترجمہ: "اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے۔"

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ۞

ترجمہ: "اور عورت کی سزا کو یہ بات دور کر دے گی کہ اللہ کو گواہ کرکے چار مرتبہ یہ کہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹا ہے۔"

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞

ترجمہ: "اور پانچویں مرتبہ کہے کہ بے شک اس پر اللہ کا غضب پڑے اگر وہ سچا ہے۔"

اپنی بیوی کی طرف زنا کی نسبت دینا

اسلام نے تہمت لگانے سے منع کیا ہے۔ ان آیات میں شوہر اور بیوی کے بارے حکم بیان ہوا ہے، اگر کوئی شوہر کہے کہ اس کی بیوی زناکار ہے اور اس کی بیوی اس سے انکار کرے جبکہ شوہر کے پاس اس دعویٰ کے لیے چار گواہ موجود نہ ہوں تو شوہر چار دفعہ اسی بات کو دہرائے گا اور پانچویں مرتبہ اس طرح کہے گا کہ اگر وہ جھوٹ بول رہا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اسی طرح بیوی کو صفائی کا موقع دیا جائے گا، بیوی بھی چار دفعہ کہے گی کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، میں نے زنا نہیں کیا۔ اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر میرا شوہر سچا ہو تو اللہ کا غضب میرے اوپر ہو۔ دو طرفہ اس طرح کا بیان ہو گا وہ آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور یہ

کارروائی طلاق کا حکم رکھتی ہے۔ اس عمل کو فقہ اسلامی میں لِعان کہا جاتا ہے ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہوں گے۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ ۠ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ” اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا) اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے۔“

اللہ کا فضل و کرم اور توبہ قبول کرنا

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ وہ بندوں کی غلطیوں پر ان کی توبہ قبول کرلیتا ہے، اس کا ہر کام حکمت و دانائی پر مبنی ہے، اگر اللہ اپنے بندوں پر رحمت نہ اُتارتا اور ان پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اللہ ان کی غلطیوں کو معاف کرنے کا حکم جاری نہ کرتا تو پھر تم لوگ بد بختی، مصیبت اور خطاؤں سے نجات نہیں پا سکتے اور تمہاری زندگی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی نعمت دے کر اور زندگی کے لیے باقاعدہ نظام اور ضابطے قرار دے کر اپنے بندوں پر فضل و کرم کیا ہے اور دین اللہ کی رحمت کا مظہر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ (حضرت عائشہؓ کے متعلق) یہ طوفان لائے ہیں تم ہی میں سے ایک گروہ ہے، تم اسے اپنے حق میں برا نہ سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے، ان میں سے ہر ایک کے لیے بقدرِ عمل گناہ ہے، اور جس نے ان میں سے سب

سے زیادہ حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔"

رسول اللہؐ کی ازواج کا واقعہ

"اِفک" کا معنی جھوٹ ہے یا ایسا امر جو حقیقت کے خلاف ہو۔ "عُصْبَۃٌ" ایسی جماعت اور ایسا گروہ کے معنی میں ہے جو آپس میں اکٹھے ہوں۔

اس آیت میں مومنوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اہل سنت کے حدیثی منابع میں ہے کہ اِفک کا معاملہ حضرت عائشہ زوجہ پیغمبر سے متعلق ہے۔ شیعہ حدیثی منابع میں ہے کہ اس سے مراد بی بی ماریہ زوجہ پیغمبر ہیں۔ بہرحال یہ بات قطعی ہے کہ اِفک کا واقعہ پیغمبر اکرم ﷺ کی ازواج میں سے ایک کے متعلق ہے۔ چند آیات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے بڑا جرم قرار دیا۔

بہرحال جس کے بارے ہو، اللہ فرما رہا ہے کہ جن لوگوں نے ایسا جھوٹ گھڑا ہے وہ ایک گروہ ہے جن کا تعلق آپ لوگوں سے نہیں ہے۔ اُنہوں نے مل کر یہ جھوٹا واقعہ تیار کیا اور پھر اسے شائع کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قداست اور حرمت کو داغدار کریں اور آپ کو لوگوں کے درمیان رُسوا کریں۔

پھر فرمایا کہ اس واقعہ کو آپ اپنے لیے شر نہ جانو بلکہ اس میں تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ ایک صالح معاشرہ کی بہتری اسی میں ہے کہ اس میں جو منحرف اور فسادی لوگ ہیں ان کی شناخت ہو جائے اور ایسے لوگ نیک لوگوں سے جدا ہو جائیں اور اس طرح پوری سوسائٹی بدنام نہ ہو اور جو اس تہمت کا موجب بنا ہے اور جس نے اس گناہ کی ذمہ داری کو دوسروں سے زیادہ اپنی گردن پر لیا ہے اوروں سے بڑھ چڑھ کر اسے شائع کرنے کے درپے تھا تو بڑا عذاب اور سخت سزا اسی کے لیے ہوگی۔[1]

[1]۔ روایات میں ہے کہ جس شخص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا جو منافقوں کا بڑا تھا۔

لَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''جب تم نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنے لوگوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔''

مسلمانوں کی مذمت

اس آیت میں مسلمانوں کی مذمت کی گئی ہے کہ تم نے جب رسول اللہ ﷺ کی زوجہ کے بارے اس قسم کی تہمت اور بہتان کو سنا تو چاہیے تو یہ تھا کہ تمہارا مومنوں کے بارے نیک گمان ہوتا اور تم اس پر شدید رد عمل ظاہر کرتے اور ایسی تہمت لگانے والوں کو رسوا کرتے اور کہتے کہ یہ کھلا بہتان ہے کیونکہ ایسی خبر جس کا کہنے والا سامنے نہیں ہے کہ کون ہے جس نے اسے دیکھا ہے اس پر کسی نے دلیل اور ثبوت بھی نہ مانگا کیونکہ مدعی جب ایسا دعویٰ کرے جس کے بارے اس کے پاس ثبوت اور واضح دلیل موجود نہ ہو تو شرعاً وہ دعویٰ غلط ہے اور جھوٹ ہے۔

لَوۡ لَا جَآءُوۡ عَلَيۡهِ بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذۡ لَمۡ يَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔''

تہمت لگانے والوں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ قانون تو یہ ہے کہ جب کسی کی طرف زنا کی نسبت دی جائے تو اس پر چار گواہ لائے جائیں جنہوں نے اتنا بڑا بہتان باندھا وہ اس پر گواہ تک نہ لائے ان کا گواہ نہ لانے کا نتیجہ واضح تھا کہ وہ جھوٹے ہیں۔ لیکن ان کی جھوٹی خبر کو عام مسلمانوں نے سنا اور پھر ایک دوسرے کو بتاتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ وہ کتنا بڑا جرم کر رہے ہیں۔ ایک ایسی خبر پھیلا رہے ہیں جس کے بارے انہیں علم تک نہیں ہے۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور دنیا اور آخرت میں اس کی رحمت نہ ہوتی تو اس چرچا کرنے میں تم پر کوئی بڑی آفت آن پڑتی۔''

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''جب تم اسے اپنی زبانوں سے نکالنے لگے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہنی شروع کردی جس کا تمہیں علم بھی نہ تھا اور تم نے اسے ہلکی بات سمجھ لیا تھا، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔''

اللہ کا مومنوں پر فضل و کرم

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ پھر اپنا فضل و کرم کا حوالہ دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے بارے اچھا گمان رکھنا چاہیے اور یہ تو رسول اللہ ﷺ

کے حرم کا مسئلہ تھا۔

دوسری بات یہ کہ جب تہمت لگائی گئی تو اس کے بارے صحیح معلومات حاصل کیے بغیر سوچے سمجھے اس خبر کو پھیلانا شروع کر دیا گیا اور ان مجرموں کے ساتھ شامل ہو گئے جو اپنے دعویٰ پر اسلامی قانون کے مطابق چار گواہ نہیں لائے تھے۔ اُنہوں نے اپنی سادگی سے اس بات کو معمولی لیا اور اسے زیادہ اہم قرار نہ دیا جب کہ یہ تو بہت بڑا جرم تھا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ اللہ سب کو سزا دیتا۔ لیکن اللہ نے مومنوں پر اپنا فضل و کرم کیا اور اس طرح تم اللہ کی سزا سے دُنیا اور آخرت میں بچ گئے لیکن آپ سب کو معلوم رہے کہ یہ واقعہ بہت بڑی سازش ہے اور رسول اللہ ﷺ کے تبلیغی مشن کو تباہ کرنے کی منصوبہ بندی ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس پر توجہ کرنا چاہیے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”اور جب تم نے اسے سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں تو اس کا منہ سے نکالنا بھی لائق نہیں، سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے۔“

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم ایمان دار ہو۔“

وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”اور اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

مومنین کے لیے سخت تنبیہ

ان آیات میں مومنین کی ملامت کی ہے اور انہیں سخت تنبیہ کی ہے کہ ابھی تو تمہیں اس پر سزا نہیں دی گئی، آئندہ ایسا نہیں کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے یہ پوچھا ہے کہ جب ایسی خبر تمہارے پاس لائی گئی اور اتنے بڑے جھوٹ کو تم نے سنا تو بجائے اس کے کہ تم اسے ایک دوسرے کو بتاتے پھرتے، تم نے اس بارے تھوڑا سوچا کیوں نہیں؟ اور یہ موقف کیوں اپنایا کہ ایسی خبر بارے ہم کیوں بات کریں؟ ہمیں اس کا کوئی حق نہیں کہ تم اس قسم کی خبر کو پھیلائیں یا اس پر تبصرہ کریں اور یہ کیوں نہیں کہا کہ اے اللہ تیری ذات پاک و منزہ ہے کہ تیرے رسولؐ کی بیوی اہل فسق و فجور سے ہو۔ یہ بات افتراء ہے، تہمت ہے، سازش ہے، کیونکہ یہ سیدھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کو داغدار کرنا اور ان کی الٰہی دعوت کے خلاف سازش تھی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نصیحت فرمائی کہ خبردار ایسی غلطی پھر نہ دہرانا کیونکہ کسی پر تہمت لگانا یا تہمت کی خبر کو آگے پھیلانا، یہ تہمت سے بڑا گناہ ہے اور مومنین کی شان نہیں کہ وہ ایسا جرم کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے واضح بیانات اور دلائل سے سب کچھ بتا دیا ہے اللہ تعالیٰ دانا ہے۔ حکم ہے اللہ تعالیٰ تمام امور اور معاملات کو اپنے علم کے تحت مناسب موقع پر انجام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی نیتوں اور سازشوں سے آگاہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۹

ترجمہ: ”بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں بدکاری کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ وَ اَنَّ اللّٰہَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا) اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا مہربان ہے۔“

فحاشی پھیلانے والوں کے لیے سخت عذاب

اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرما دیا کہ جو لوگ فحاشی پھیلانے کو پسند کرتے ہیں تو ان کے لیے سخت عذاب ہے، زنا کی تہمت لگانا فحاشی پھیلانے کا مصداق ہے اور مومن کی شان یہ نہیں کہ وہ ایسی برائی کو انجام دے۔ اگرچہ اس خبر کو پھیلانے پر حد شرعی تو نہیں ہے لیکن دُنیا اور آخرت میں اس حرکت پر دردناک عذاب ہے۔ سوسائٹی میں اس کی حیثیت گر جاتی ہے اور یہ عمل اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے، اگرچہ لوگ اس جرم کی برائی سے ناواقف ہیں، اللہ تو آگاہ ہے اسی لیے اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔

”لولا“ کا لفظ جو ہے اس کا جواب ہوتا ہے اس جگہ شرط بیان ہوئی لیکن اس کا جواب نہیں آیا تو اس کا جواب آیات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے نتیجہ میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے اے مومنو! اگر اللہ کا فضل و کرم تمہارے اوپر نہ ہوتا اور یہ کہ اللہ کی مہربانی و رحمت نہ ہوتی تو تم سعادت مند نہیں ہو سکتے تھے اور تم اعمال صالحہ انجام دینے بارے کامیاب نہ ہوتے اور بہشت میں نہ جا پاتے۔ یہ اللہ کا تمہارے اوپر احسان ہے، رحمت ہے، کرم ہے، فضل ہے کہ اس نے تمہیں ایمان لانے کی توفیق دی، نیک اعمال بجالانے کی توفیق دی اور تمہارے لیے سعادت کے اسباب بنائے اور جو تمہارے لیے بہتر ہے اس کی ہدایت فرمائی ہے۔[1]

---

[1]۔ اہل سنت تفسیر الدر المنثور میں افک کے واقعہ کو حضرت عائشہؓ کی زبان سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کو اپنے ہمراہ لے کر جاتے ہیں اور حضرت عائشہؓ دوران سفر ایک منزل پر جب کارروان روانہ ہوتا ہے تو وہ پیچھے رہ جاتی ہیں۔ ایک آدمی جس کا نام صفوان بن معطل تھا وہ پوری کرامت و احترام کے ساتھ انہیں کارروان تک

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر نہ چلو، اور جو کوئی شیطان کے قدموں پر چلے گا سو وہ تو اسے بے حیائی اور بری باتیں ہی بتائے گا، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

شیطان کی پیروی کا خطرناک نتیجہ

شیطان کے نقش قدم پر چلنے کا مطلب ایمان کے ہوتے ہوئے شیطان کی پیروی کرنا، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ شیطان کی باتیں نہ مانیں کیونکہ باطل کو خوبصورت بنا کر

پہنچا دیتے ہیں لیکن منافقوں نے اس جگہ پر پروپیگنڈہ تیار کیا اور آپ کی طرف غلط نسبت دے دی۔ ان منافقوں میں عبد اللہ بن ابی بھی شامل تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ کی طرف بدکاری اور زنا کی نسبت دے ڈالی تو یہ آیات اس تہمت سے برأت کے حوالے سے نازل ہوئیں۔ شیعہ رواۃ کے تحت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم متولد ہوئے اور ماریہ قبطیہ سے ہوئے تھے، منافقوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے فرزند نہیں بلکہ جریح قبطی کے بیٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعہ بی بی ماریہ قبطیہ کی صفائی پیش کی تھی اور اس تہمت کی نفی اور اسے رسولؑ کی ذات پر حملہ قرار دیا ہے۔

تمہارے سامنے لے آئے گا اور تمہیں برائیاں کرنے پر آمادہ کرے گا اس طرح تم ایمان سے منحرف ہو جاؤ گے۔ شیطان مومنوں کو منکرات میں دھکیل دے گا اس لیے ایک مومن انسان پر واجب ہے کہ شیطان کی مخالفت کرے، اللہ کا راستہ مستقیم و سیدھا اور واضح ہے، دوسرے راستوں کی پیروی نہ کی جائے۔ سورہ انعام آیت: ۱۵۳ میں اس بات کو جاری رکھتے ہوئے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے پھر مومنوں کو یاد دلایا کہ یہ بات نہ بھولو کہ اللہ کا فضل و کرم اور اللہ کی رحمت ہی ہے جو آپ کو بچالیتی ہے، گمراہی سے بچاتی ہے، اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم خود کو پاکیزہ نہ بنا سکتے اور نیکی انجام نہ دے پاتے۔ اللہ ہی ہے جو جسے چاہے پاکیزگی سے نوازتا ہے، خود سے آپ لوگ اس قابل نہ تھے اللہ نے ہی پاکیزگی کا طریقہ بتایا ہے۔ ظاہری طہارت اور باطنی طہارت دونوں اللہ کے دیئے گئے اسباب اور اللہ ہی کے بنائے ہوئے دین کے تحت ممکن ہوا اور یہ انعام ان کے لیے جن میں یہ قابلیت و صلاحیت موجود ہو اور اللہ سے توفیق کی درخواست کرتا رہے اللہ تو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔ مومنوں کو یہ بتایا جا رہا ہے شیطان سے بچنے کے لیے اللہ سے مدد مانگو، اللہ کی مدد سے شیطان کے شر سے بچ سکو گے۔

وَ لَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا ؕ أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''اور تم میں سے بزرگی اور کشائش والے اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیا کریں گے، اور انہیں معاف کرنا اور درگذر کرنا چاہیے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے، اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

رشتہ داروں، مساکین اور مہاجرین کی امداد کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مالداروں کو یہ نصیحت کی ہے کہ وہ غریبوں، مسکینوں، اپنے رشتہ داروں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرکے آنے والوں کی مدد کریں، اس میں کوتاہی نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ ہم تو ان کی مدد نہیں کریں گے۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے قسمیں اٹھائی تھیں کہ جو لوگ افک کی خبر عام کرنے میں شریک تھے ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور دو نکاتی فارمولہ بھی بتا دیا:

۱۔ غلطی کو معاف کردو۔

۲۔ چشم پوشی کرو، ایسا ظاہر کرو کہ تمہیں اس کی غلطی کا پتہ ہی نہیں ہے۔

یہ دونوں وصف اللہ کے ہیں کہ اللہ اپنے بندگان کے گناہ کو معاف کرتا ہے اور بہت زیادہ ان کے گناہ سے چشم پوشی کرتا ہے کئی کئی گھنٹے فرشتوں کو روک دیا جاتا ہے کہ وہ ان کے گناہ کو تحریر میں نہ لائیں، اگر وہ شخص اس گناہ سے توبہ کرلیں تو پھر اسے معافی مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر برائی کا بدلہ احسان سے اور برائی کو احسن طریقہ سے روکنے کا طریقہ بتایا اور یہ کہ معاشرہ میں عفو و درگزر کی پالیسی پر چلنے سے ہی زندگی رواں دواں رہ سکتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو وصف بیان کیے ہیں کہ اللہ بہت زیادہ بخشش دینے والا اور بہت زیادہ مہربان ہے۔ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ جب اللہ سب پر اتنا مہربان ہے تو آپ بھی ان پر مہربانی سے پیش آؤ اور یہ کہا کہ جب تم خود چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے تم سے اپنی نعمات کو نہ روکے، تم پر اپنا کرم وجود و سخا جاری رکھے تمہارے گناہوں پر پردہ ڈالے تو تم بھی اللہ کے بندگان کے ساتھ ایسا ہی رویہ اپناؤ، اسی میں تمہاری خیر و عافیت ہے۔ یہ آیت بہت ہی اہم ہے اور سوسائٹی میں رہنے والوں کو ایک ضابطہ واُصول دیا گیا ہے جس پر چل کر معاشرہ میں وحدت، امن، پیار و محبت کی فضاء قائم رہ سکتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۪ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ” جو لوگ پاک دامنوں بے خبر ایمان والیوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

یَّوۡمَ تَشۡہَدُ عَلَیۡہِمۡ اَلۡسِنَتُہُمۡ وَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”جس دن ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔“

یَوۡمَئِذٍ یُّوَفِّیۡہِمُ اللّٰہُ دِیۡنَہُمُ الۡحَقَّ وَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡحَقُّ الۡمُبِیۡنُ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ”اس دن اللہ انہیں انصاف سے پوری جزا دے گا اور جان لیں گے بے شک اللہ ہی حق بیان کرنے والا ہے۔“

شادی شدہ مومنہ خواتین کا دفاع

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ جو جو مومنہ خواتین ہیں، شادی شدہ ہیں، ایمان دار ہیں، غافل ہیں کہ ان پر زنا کی تہمت لگادی جاتی ہے جو بھی ایسا جرم کا ارتکاب کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی ہے، پاکدامن عورتوں کے دامن کو داغدار کرنے والے مجرم ہیں، ملعون ہیں۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ دُنیا میں جو بھی لوگ اعمال انجام دیتے ہیں جس دن یہ

لوگ حساب کے لیے لائے جائیں گے تو وہاں پر ان لوگوں کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ، ان کے پاؤں گواہی دیں گے یعنی مجرموں کے اعضاء وجوارح بول اٹھیں گے کہ انہوں نے ہمارے ذریعہ ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے پھر انہیں اسی کے مطابق سزا دی جائے گی۔[1]

قیامت کے دن ہر ایک کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جس نے نیک اعمال کیے ہیں ان کو اجر و ثواب ملے گا۔[2] ان کے لیے جنت الفردوس ہے لیکن جو جرائم کرنے والے ہیں وہ بچ نہیں سکیں گے ان کو ان کے لیے پوری پوری سزا ملے گی اس وقت جب اس طرح صاف و شفاف حساب ہوگا اور ہر ایک کو ان کے اعمال کا نتیجہ ان کے سامنے آئے گا۔ جس نے برائی کی ہے تو برائی کی سزا ملے گی، نیک اعمال انجام دیئے ہیں تو اس کا اجر ملے گا۔ تو پھر ہر شخص کہہ اٹھے گا، ہر ایک کی یہ گواہی ہوگی کہ اللہ ہی حق ہے اور بڑا واضح اور روشن ہے۔ اس میں کچھ بھی مخفی نہ ہے، حق وہی ہوتا ہے جس پر کچھ پوشیدہ نہیں ہوتا۔ اس سے جہل کا تعلق نہیں ہوتا، قیامت کے دن سارے حجاب ہٹ جائیں گے، ہر شئی سے پردہ اٹھ جائے گا پھر سب کو حق ہی نظر آئے گا، باطل نہ ہوگا غیر واقعی کچھ نہ ہوگا یہ سب پر عیاں اور کھلا ہوگا۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

---

[1]۔ سورہ سجدہ کی آیت ۲۰، سورہ اسراء آیت ۳۶، سورہ یٰسین آیت ۶۵ میں بھی اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔

[2]۔ سورہ حمد میں بھی "مالک یوم الدین" روز جزا کے مالک کے معنی میں ہے۔

ترجمہ: ” ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں، وہ لوگ اس سے پاک ہیں جو یہ کہتے ہیں، ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔“

ایک دوسرے کے کفو خواتین اور مرد

اس جگہ ایک قاعدہ اور ضابطہ دیا ہے کہ معاشرہ میں خواتین و حضرات موجود ہیں، دونوں کا ایک دوسرے سے ازدواجی تعلق قرار ہونا ہوتا ہے تو اس کے لیے یہ قانون بتا دیا گیا کہ جو پاکیزہ، نیک، پارسا، صاحب ایمان عورتیں ہیں وہ پاکیزہ، نیک، پارسا، صاحب ایمان مردوں کے لیے ہیں اور اسی طرح برعکس ہے ان کا ایمان اور پاکدامنی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پلیدی اور ناپاکی سے دُور ہیں اور جو برے ہیں، گناہ سے آلودہ ہیں، بدکردار ہیں تو ایسے مرد اپنے جیسے کے لیے ہیں یعنی انہیں وہی عورتیں ملیں گی جو ان جیسی بدکردار اور گناہگار ہیں۔ نیک اور بد اکٹھے نہیں چل سکتے۔ یہ آیت عام ہے جو تمام ان افراد کو شامل ہے جن میں ایسی صفات موجود ہوں گی اگرچہ نزول کے وقت اس کا کوئی مصداق نہ ہو۔ یہ بات طبیعت کی مشابھت اور مجانست آپس کے ملاپ کا موجب ہوتی ہے۔ نیک مرد و زن کی کرامت و عزت کی بازگشت ان کے ایمان سے متعلق ہے۔ سب افراد اس لائق ہیں کہ ان کے لیے اللہ کی مغفرت ہو اور ان کے واسطے رزق کریم الٰہی ہو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور کسی کے گھروں میں نہ جایا کرو

جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے بارے ضابطہ

"استیناس" ہر اس عمل کو کہا جاتا ہے جو دل کے سکون و اطمینان کا سبب ہو اور دوسرے سے مانوسیت کا سبب بنے، اسی میں آشنائی اور پہچان ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ جب کسی اور کے گھر میں جاؤ تو پہلے اپنی شناخت کرواؤ، کھانسنے کے ذریعہ، آواز دینے کے ذریعہ تاکہ اس طرح دوسروں کے گھروں کی پردہ داری محفوظ رہے اور ان کی کرامت نفس پامال نہ ہو۔

یہ قانون اس لیے کہ باہر سے آنے والے کے بارے گھر والے آگاہ ہو جائیں، اگر نامحرم ہے تو اس سے پردہ حجاب کا اہتمام کرلیں یا کسی ایسی حالت میں کہ وہ نہ چاہتے ہوں کہ کوئی اس حالت میں ان کے پاس آئے۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ کسی کے گھر جانے سے پہلے اس سے اجازت طلب کرلو، گھر والے کو بتادو تاکہ وہ آنے والے کے لیے خود کو آمادہ و تیار کرلے، اس میں مومنوں کے اسرار کی پردہ پوشی اور اس کے احترام کا لحاظ رکھنے کے لیے یہ دستور دیا گیا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ کسی کے گھر میں جانے کے لیے اپنی پہچان کرواؤ اور سلام کرو تاکہ گھر والے مطمئن رہیں کہ آنے والا اپنا ہے، غیر نہیں۔

یہ روش مومنوں کے درمیان ایمانی برادری اور تعلق داری کے استحکام کا سبب ہے۔ اس عمل میں پوری سوسائٹی کی سعادت اور خوشبختی ہے۔ شاید اس طرح مومنین اپنے شرعی فریضہ کے بارے آگہی حاصل کرلیں، اس طرح معاشرہ کی برادری، آپس کی ہم آہنگی اور اُلفت و مانوسیت کی ضمانت مہیا ہو جائے۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ لَـكُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا‌ هُوَ اَزۡكٰى لَـكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ جب تک کہ تمہیں اجازت نہ دی جائے، اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس چلے جاؤ، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔''

بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے سے منع

اگر تمہاری شناخت کرانے اور سلام کرنے کے بعد کسی نے تمہیں جواب نہ دیا اور تمہیں پتہ چل گیا کہ گھر پر کوئی موجود نہیں تو تم اس گھر میں داخل مت ہو مگر یہ کہ گھر کے مالک کی طرف سے تمہیں اس بات کی اجازت دی گئی ہو کہ تم اس گھر میں داخل ہو سکتے ہو۔ لہٰذا اس کے بعد آپ کو اس گھر میں کسی کے موجود ہونے یا نہ ہونے کے بارے جستجو نہ کرو کیونکہ اس طرح لوگوں کے اسرار بارے جاننے کی کوشش ہو گی جس کی اجازت نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر گھر میں پتہ چل گیا کہ کوئی موجود ہے لیکن اس نے تمہیں اندر آنے کی اجازت نہیں دی تو تم اس گھر میں داخل مت ہو اور وہاں سے واپس ہو جاو۔ یہ عمل بہتر ہے اس میں تمہاری کرامت اور عزت و آبرو کی حفاظت ہے اور یہ بات معلوم رہے کہ تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ و واقف ہے۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّـكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ جہاں کوئی نہیں بستا ان

میں تمہارا سامان ہے، اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔"

جس گھر میں کسی کی رہائش نہ ہو

اس جگہ ایسے گھروں کے بارے بتایا جارہا ہے کہ جن جگہوں کو رہائش کے لیے آمادہ کیا گیا ہو لیکن ان میں کسی نے رہائش نہیں رکھی ہوئی۔ عام طور پر کوئی وہاں باقاعدہ سکونت نہیں رکھتا جیسے کاروان سرائے، حمام، آرام گاہ وغیرہ تو ان میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ان جگہوں کو عمومی استفادہ کے لیے بنایا گیا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے عمومی طور پر داخل ہونے کا اذن موجود ہے۔ بعض مفسرین [1] کے مطابق اس آیت میں متاع اور اثاث سے مراد یہ ہے کہ جن جگہوں کو سامان کی خرید وفروخت کے لیے تیار کیا گیا ہوتا ہے جیسے بازار، دکانیں تو ان میں جانے کے لیے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں عمومی اجازت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے آشکار اور مخفیانہ اعمال سے آگاہ ہے اور اللہ کے احکام خیر و صلاح کے مطابق ہیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

ترجمہ: " ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔"

---

[1] ۔ مجمع البیان ج ۷۔

چشم پوشی کا حکم

مومنوں کو چاہئے کہ وہ چشم پوشی اپنی آنکھ سے شروع کریں، نامحرم عورتوں کی جانب نگاہ کرنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے لہٰذا اپنی نگاہیں نیچے رکھیں اور نامحرم عورتوں کو گھور گھور کر نہ دیکھیں اور اپنی شرم گاہوں کو نامحرموں سے محفوظ رکھیں۔ حرام اعمال جیسا زنا، لواط سے خود کو بچائیں۔[1] آخر میں اس حکم کی مصلحت اور حکمت کی طرف اشارہ ہے تاکہ لوگوں کو اس حکم کی اہمیت بارے متوجہ کیا جائے کہ ہر حکم تمہیں اچھے انداز سے پاک بناتا ہے اس کے علاوہ خداوند اس بارے آگاہ ہے جو کچھ تم لوگ انجام دیتے ہو اور تمہارے اعمال پر اللہ کی نظارت و مراقبت ہے۔

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى

[1] ۔ اصول کافی جلد ۲ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول روایت کے مطابق قرآن کریم میں جہاں بھی "حفظ فروج" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس سے زنا سے بچنا مراد ہے، فقط اس آیت میں اس سے مراد آنکھ کے گناہ سے بچنا ہے۔

عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱

ترجمہ: ”اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں[1] مگر جو جگہ اس میں سے کھلی رہتی ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنے غلاموں پر یا ان خدمت گاروں پر جنہیں عورت کی حاجت نہیں یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف نہیں، اور اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے، اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔“

پردہ کا حکم

مومنہ عورتوں کے لیے اس آیت میں پردہ پوشی اور ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ پاکدامنی ہے اس میں عورتوں کی حشمت و وقار ہے، اپنی شرمگاہوں کو اجنبی مرد اور عورت سے چھپا کر رکھے۔ جو بدن کے زینت کے حصے ہیں انہیں بھی آشکار نہ کرے، مگر جسم کے وہ حصے جو عام طور پر آشکار رہتے ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے چہرہ اور دو ہاتھ اور پاؤں مراد

[1]۔ زینت چہرے پر ہی منحصر ہے کیونکہ آدمی چہرے ہی کے ذریعے پہچانا جاتا ہے۔ (مصحح)

ہیں۔[1] نیز حکم دیا کہ اپنی چادر کو اپنے سینے پر ڈال کر رکھیں اور اپنے جسم کی اطراف کا پردہ ڈالیں، سات سببی اور نسبی محارم کے علاوہ سب سے پردہ پوشی کرنا لازم ہے۔

جو لفظ "نِسَآئِهِنَّ" آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جو عورتیں ایمان لا چکی ہیں ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی زینت کو غیر مومنہ عورتوں کے لیے ظاہر کریں اور ان کے سامنے ننگی ہوں۔ روایات اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔ اطفال سے مراد غیر ممیز بچے ہیں جو ابھی اس عمر کو نہیں پہنچے ہوئے کہ وہ عورتوں کے خصوصی اعضاء سے آگاہ ہو سکیں۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر زور زور سے نہ ماریں تو اس سے مراد ہے جنہوں نے پاؤں میں زیور پہن رکھا ہے وہ اس طرح سے زمین پر جب پاؤں ماریں گی تو ان کے زیورات کی چھنک آئے گی اس سے ان کی زینت ظاہر ہو جائے گی، اس سے منع کیا گیا۔ آخر میں فرمایا کہ تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو، غلطیوں پر توبہ کرلو، اللہ کے اوامر کی پیروی کرو، اللہ نے جو حرام قرار دیا ہے اس سے خود کو بچاؤ۔ جب ایسا کروگے تو تمہارے لیے کامیابی حاصل ہو گی۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: "اور جو تم میں مجرّد ہوں اور جو تمہارے غلام اور لونڈیاں نکاح کے قابل ہوں تو سب کے نکاح کرادو، اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ کشائش والا سب کچھ جاننے والا ہے۔"

---

[1] ۔ جیسا کہ اصول کافی، خصال اور قرب الاسناد میں اس معنی کی تائید میں روایات موجود ہیں۔

ازدواج کا حکم

"ایّم" سے غیر شادی شدہ لڑکے اور لڑکیاں مراد ہیں۔ اس جگہ صالح سے مراد نیک نہیں ہے بلکہ اس سے مراد شادی کی قابلیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ غیر شادی شدہ بچے جو شادی کی عمر کو پہنچ گئے ہیں تو ان کی شادی کروادیں۔ ان کی شادیوں کے لیے وسائل فراہم کرو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہے کہ ان کے لیے فراخی پیدا کر دے گا، ان کی تنگی دُور کر دے گا، فقر و فاقہ سے مت ڈرو۔ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھیں کہ اللہ آپ کو بے نیاز کر دے گا، اللہ ہی وسعت رزق دیتا ہے۔ اس مطلب پر تائید کر دی کہ اللہ وسعت دینے والا ہے، وہی فراخی دینے والا ہے، اللہ دانا ہے، اللہ ہی رازق ہے اور اپنے علم و آگہی کے تحت لوگوں کے لیے منصوبہ بندی کرتا ہے کہ کس کو کیا دینا ہے، کتنا دینا ہے۔

وَ لۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّ اٰتُوۡہُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ لَا تُکۡرِہُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ عَلَی الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ مَنۡ یُّکۡرِہۡہُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاہِہِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: "اور چاہیے کہ پاک دامن رہیں وہ جو نکاح کی توفیق نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے، اور تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ مال دے کر آزادی کی تحریر چاہیں تو انہیں لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری کے آثار پاؤ، اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے، اور تمہاری لونڈیاں

جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں دنیا کی زندگی کے فائدہ کی غرض سے زنا پر مجبور نہ کرو، اور جو انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور ہونے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔"

جن کے پاس مالی قدرت نہیں

وہ لوگ جن کے پاس ازدواج کے لیے مالی قدرت نہیں ہے، مہر یہ اور بیوی کا نفقہ (روزمرہ کا خرچہ) نہیں دے سکتے تو وہ اپنی پاکدامنی کی حفاظت کریں اور زنا سے احتراز کریں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے لیے کشادگی کر دے اور انہیں بے نیاز اور تونگر بنا دے اور ان کے لیے ازدواج آسان کر دے۔

ابتغاء کا معنی

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک غلام اپنے مولا و مالک سے درخواست کرے کہ وہ اس غلام کے ساتھ ایک قرار داد باندھ دے اور اسے اتنی مقدار میں مال بھی لے لے اور اس طرح اسے آزاد کر دے۔ اس مقام پر غلاموں کے مالکان جو صاحب ثروت ہیں، انہیں کہا گیا ہے کہ غلاموں کی اس قسم کی درخواست قبول کرلیں اور ان سے قرارداد باندھ کر انہیں آزاد کر دیں جو مال ان کے پاس ہے وہ لے لیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اس میں آزاد ہو کر رہنے کی صلاحیت و قابلیت موجود ہو۔

اس کے بعد ایک بات کی طرف اشارہ کیا ہے ایسے غلاموں کے لیے (فی الرقاب) غلام کی امداد کرنے والا قانون کہ زکات کے مال سے ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔ کہا گیا ہے جو مقدار اس غلام کے ذمہ ہے اسے زکات کے مال سے ادا کر دیا جائے۔

آخر میں فرمایا ہے کہ کنیزوں اور ان کی اولاد کے جو مالکان ہیں وہ مال کی لالچ میں انہیں زنا پر مجبور نہ کریں۔ ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے لیکن اگر کوئی مالک کسی کنیز کو زنا کرنے پر مجبور

کرے اور وہ نہ چاہتے ہوئے اس کام پر مجبور ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی کنیز کے گناہ کو معاف کر دے گا۔ اس برے عمل کے بارے اسے گرفت میں نہ لے گا۔ اس کلام کا لازمہ یہ ہے کہ اگر کنیز پاکدامن اور عفیفہ نہ ہو اور پاکدامن نہ رہنا چاہے تو اس صورت میں مالک اسے زنا پر آمادہ کر سکتا ہے تو ایسا نہیں ہے بلکہ صورت میں بھی شدید تر ہے۔[1]

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''اور البتہ ہم نے تمہارے پاس روشن آیتیں بھیج دی ہیں اور جن میں تم سے پہلوں کے حالات ہیں اور جو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہیں۔''

آیات کے نزول کا مقصد

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے لیے آیات کے نزول کا مقصد بیان کیا ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر آیات نازل کی ہیں۔ اللہ نے قسم اُٹھا کر فرمایا یہ آیات دین کے معارف ہیں یہ تمہاری رستگاری کے لیے ہیں۔ گذشتگان کے اوصاف تمہارے لیے بیان کیے، ان کے حالات آپ کو بتائے تاکہ ان کے جو نیک لوگ تھے ان کی پیروی کی جائے اور انکے شر پسندوں کے اعمال سے پرہیز کیا جائے۔ یہ آیات متقین کے لیے نصیحت و موعظہ ہیں۔

---

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان، ج ۷ میں ہے عبد اللہ بن ابی کے پاس چھ کنیزیں تھیں۔ وہ انہیں زنا پر مجبور کرتا تھا جب یہ تحریم والی آیت نازل ہوئی تو وہ کنیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور اپنی حالت کے بارے آگاہ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ کنیزوں کے مالکان انہیں زنا کرنے پر مجبور نہ کریں اور اگر جبر واکراہ سے ان سے زنا کروایا جائے گا تو اللہ ایسی کنیزوں پر مہربان ہے اور ان کے گناہ کو معاف کر دے گا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۙ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ ہو، چراغ شیشے کی قندیل میں ہے، قندیل گویا کہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارا ہے زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف، اس کا تیل قریب ہے کہ روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نے نہ چھوا ہو، روشنی پر روشنی ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اپنی روشنی کی راہ دکھاتا ہے، اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔“

اللہ کی نورانیت

اللہ جسم و جسمانیات سے پاک و منزہ ہے، نہ جسم کثیف رکھتا ہے اور نہ ہی جسم لطیف رکھتا ہے بلکہ وہ خالق اجسام ہے۔ اس جگہ کہا گیا ہے اللہ ایسے نور کا مالک ہے کہ جس سے آسمان و زمین نورانی ہو گئے، اس سے مراد اللہ کی عمومی رحمت ہے جو ہر شئ پر حاوی ہے، اس نور کے وسیلہ سے کائنات میں حقائق کا ظہور ہوتا ہے، اگر یہ نور نہ ہوتا تو کچھ بھی ظاہر نہ ہوتا۔ اللہ

تعالیٰ خود ظاہر ہے اور اپنی ذات سے ہی اس کا ظہور ہے اور دوسروں کو ظہور دینے والا ہے۔ دوسرے اللہ کی وجہ سے ظاہر ہیں پورے عالم وجود و ہستی میں صرف اللہ ہی ہے جو بذات خود ظاہر ہے اور دوسروں کو ظہور دینے والا ہے اور یہی حالت جو ہے اسے نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہا ہے کہ اللہ ایسا نور ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بس اسی کا نور چمک رہا ہے نور کی پہچان ہی یہ ہے کہ اس سے ارد گرد کا ماحول روشن ہوتا ہے کائنات کی یہ روشنی اور سارے جلوے اسی کے نور سے ہیں، فرق یہ ہے کہ نور الٰہی کے وسیلہ سے اشیاء کا ظہور، ان کا وجود حاصل ہوتا ہے لیکن غلیظ اور کثیف اجسام کا حسی اور مادی نور سے روشن ہونا خود ان کے اصل وجود سے نہیں ہوتا ہے اصل وجود اور ہے اس وجود کا ظہور اور ہے، وجود اس روشنی سے نہیں، اللہ کا ایک نور عام ہے اور دوسرا نور خاص ہے۔ جس طرح ایک رحمت عام ہے اور دوسری رحمت خاص ہے، اس کے وسیلہ سے ان کے اعمال صالحہ کے لیے راہنمائی ہوتی ہے اور وہ نور معرفت اور نور ایمان سے عبارت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نور کی مثال ایک چراغ سے دی ہے جو چراغ دان میں پڑا ہوتا ہے اور چراغ ایک شیشی ہے جو زیتون کے تیل کے وسیلہ سے انتہائی شفافیت کے ساتھ جل رہا ہے کیونکہ چراغ کی رسی بھی صاف و شفاف ہے، تو وہ چراغ ایک چمکتے دمکتے ستارے کی مانند ہے۔ یہ چراغ عبادت کرنے والوں کے گھروں میں آویزاں ہے، ایسے گھر جن میں مومن افراد موجود ہیں، اللہ کی تسبیح و پاکیزگی کو بیان کرتے ہیں ایسے مومنین اور عاشقان حق ان گھروں میں ہیں کہ جن کو کوئی تجارت، خرید وفروخت یا کاروبار زندگی اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

بہر حال مشکاۃ سے مراد طاقچہ، چراغ رکھنے کی جگہ، چرغ دان، کوکب دری، چمکتا دمکتا ستارہ جو نورانیت سے چمکتا دمکتا ہے۔ ایقاد کا معنی ہے چراغ کا روشن ہونا یا اس سے آگ مراد ہے۔ زیت سے مراد زیتون کا تیل، زجاجہ سے مراد شیشہ کا برتن، نور، ایسا موجود جو خود روشن اور ظاہر ہے اور دوسرے کو ظاہر کرنے والا ہے۔ نور کا ہر معنی نور حسی کے لیے ہے اور دیگر معقولات

جن میں اور خاصیت ہو اس پر صادق ہے جیسے عقل بھی نور ہے، جو معقولات کو ظاہر کرتا ہے اس لحاظ سے کہ ہر چیز کا وجود اور ہستی اس چیز کے دوسروں کے لیے ظاہر ہونے کا سبب ہے، وہ وجود نور کا کامل مصداق ہے اور اس اعتبار سے کہ تمام امکانی موجودات کا وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نور کامل کا مصداق ہے جس میں کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ وہ ذات خود موجود ہے اور ایسا ظاہر ہے کہ اس کے بغیر کوئی ظاہر نہیں ہو سکتا۔

بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو نور قرار دیا ہے اور چراغ سے اس کی تشبیہ دی ہے کہ جو چراغ چراغ دان میں موجود ہو جو ایک شیشے کے برتن میں ہو جو اسے ہوا کے جھونکے کی وجہ سے بجھنے سے بچاتا ہے اس چراغ کا تیل جو ہے وہ زیتون کے درخت سے ہے جو بہت ہی مبارک ہے نہ مشرق میں آتا ہے نہ مغرب میں اُگا ہے تاکہ اس کے سایہ میں دوسرے طرف گر نہ جائے اس کے میوہ کے کمال کو پہنچنے میں مانع نہ ہو وہ وسط میں قرار پایا ہے اس کا پھل پورا پکا ہے، اس کا تیل شفاف ہے، صاف ہے اس تیل میں انتہاء درجہ کی صلاحیت جلنے کی ہے قریب ہے کہ آگ دیے بغیر ہی روشن ہو جائے تو اس چراغ کا نور دوچند ہو جاتا ہے۔

آخر میں اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی مشیت بالغہ کے تحت جن میں ایمان کی صلاحیت ہے، انہیں اپنے نور کی ہدایت فرماتا ہے، ایمان کی صلاحیت بھی جس عقیدہ اور حسن عمل کے متقاضی ہے وہ ان میں موجود ہو لہٰذا جو دل قابلیت نہ رکھتے ہوں اور کفر سے آلودہ ہوں تو اللہ کا نور ان کی ہدایت نہیں کرتا، یہ وہ ہی نور خاص ہے اور خاص رحمت ہے جو مومنین کے لیے مخصوص ہے۔

پھر ان عبارات کے مثال ہونے بارے اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں دیتا ہے یہ مثالیں لوگوں کے لیے ہیں۔ ان میں الٰہی اسرار پوشیدہ ہیں، ان میں عالی ترین حقائق ہیں، ان میں دقائق ہیں۔ ایک مثال دی ہے تاکہ عالم اور عام آدمی اس سے فائدہ اٹھا سکے، ہر ایک اپنا حصہ لے سکے، اللہ سب کے بارے دانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورہ عنکبوت

آیت ۴۳: ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے دیتے ہیں جسے علماء کے سوا کوئی تعقل نہیں رکھتا۔

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا
بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ﴿ۙ۳۶﴾

ترجمہ: ''ان گھروں میں جن کی تعظیم کرنے اور ان میں اس کا نام یاد کرنے کا اللہ نے حکم دیا، ان میں صبح اور شام اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔''

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ
اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿٭ۙ۳۷﴾

ترجمہ: ''ایسے آدمی جنہیں سوداگری اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز کے پڑھنے اور زکوۃ کے دینے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔''

لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ یَرۡزُقُ
مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''تاکہ اللہ انہیں ان کے عمل کا اچھا بدلہ دے اور انہیں اپنے فضل سے اور بھی دے، اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔''

اللہ کے گھروں کی برکات

''اذن'' مانع اور رکاوٹ کا دُور کر دینے کے معنی میں ہے۔ ''رفع بیوت'' یعنی گھروں کو بلند کر دینا، گھروں کا محترم ہونا، باعظمت ہونا۔ ان گھروں کی رفعت اور بلندی اس وجہ سے ہے کہ

ان میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ سابقہ بیان کے تسلسل میں ہے کہ وہ چراغ ایسے گھروں میں ہے کہ جن کی نسبت اللہ کی طرف ہے اس لیے اللہ نے اس بات کی اجازت دی ہے اور ہر رکاوٹ بھی ختم کر دی ہے کہ ایسے گھر باعظمت ہیں، ان کی کرامت و عزت ہے کیونکہ ان میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، یہ گھر صبح شام اللہ کے ذکر و تسبیح سے معمور ہیں، ان گھروں کا کامل مصداق مساجد ہیں۔[1] اس کے بعد ان گھروں میں رہنے والوں کا وصف بیان کیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ قیامت کے دن ان کی نگاہیں خوشحال ہوں گی، ان کے دل مطمئن ہوں گے کہ جزا کی حقیقت ان کے سامنے ہوگی، ہر قسم کے پردے ہٹ جائیں گے جبکہ اس دن دلوں میں خوف ہوگا کیونکہ ہر چیز بدل چکی ہوگی ان گھروں میں ذکر الٰہی کرنے والے اور اللہ کی تسبیح کرنے والوں سے نور حق کے مشاہدہ کے لیے جو موانع تھے وہ دُور ہو جائیں گے وہ نور ایمان کے ذریعہ کرامت الٰہی کو دیکھیں گے، اپنے پروردگار کے نور کے وسیلہ سے یہ بینا ہوں گے۔ لیکن اس دن کافر اندھے اور نابینا ہوں گے وہ سوائے اپنی بدبختی کے اور کچھ نہ دیکھیں گے۔ کیونکہ ان بابرکت گھروں میں رہنے والے جو لوگ ہیں انہیں خوف لاحق رہتا ہے کہ وہ کہیں اللہ کی کرامت اور نور سے محروم نہ ہوں، وہ ڈرتے ہیں کہ وہ اھل شقاوت نہ ہوں لہٰذا ذکر و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں، ایک طرف تو خوف ہے اور دُوسری طرف اُمید ہے کہ اللہ اس عمل صالح کے مقابل میں انہیں بہترین بدلہ دے گا اس طرح اللہ ان کے اعمال کو پاکیزہ بنا دے گا اور ان میں جو نواقص ہیں انہیں دُور کر دے گا اور اپنے فضل و کرم سے ان کے اعمال صالح سے بہتر اور زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ جس کے بارے چاہے اسے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے کیونکہ رزق اللہ کی جانب سے

---

[1] ۔انبیاء اور اولیاء خدا کی قبور بھی ان گھروں کا مصداق ہیں۔

ہے اور اللہ کی طرف سے عطیہ ہے۔ بغیر اس کے کہ اس کا استحقاق ہو اللہ اسے روزی دے رہا ہے۔ کوئی اللہ سے کچھ کا طلبگار نہ ہے سب اللہ کا فضل ہی ہے۔ بغیر استحقاق اور بغیر مانگے دیتا ہے البتہ اللہ کی مشیت اس کی حکمت کے تحت ہے اور روزی لینے والوں کی شائستگی اور لیاقت کی بنیاد پر ہے۔ ہر گز اللہ کی مشیت بے مقصد یا بغیر ھدف کے نہیں ہے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''اور جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے جنگل میں چمکتی ہوئی ریت ہو جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے اسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پاتا ہے پھر اللہ نے اس کا حساب پورا کر دیا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

کافروں کے اعمال

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اوصاف بیان کرنے کے ساتھ کافروں کے بارے بیان کیا ہے۔

''**سراب**'' صحراء یا ریگستان میں دُور سے نظر آنے والی کیفیت ہوتی ہے جو چٹیل میدان پر چمک رہی ہوتی ہے۔ دور سے دیکھنے والے کو ایسا لگتا ہے کہ بے کراں پانی کا دریا ہے۔

''**قیعہ**'' بیابان کے معنی میں ہے۔ ''**ظمان**'' پیاسے کو کہتے ہیں۔

کافروں کے اوصاف بارے فرمایا کہ وہ جو اعمال کرتے ہیں اپنے گھڑے ہوئے خداؤں کے سامنے نذر و نیاز کر دیتے ہیں، قربانیاں دیتے ہیں اور بہت سارے کام جو ان معبودوں کے قرب کو حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں تاکہ ان کے واسطہ سے اللہ کو راضی کریں لیکن ان کے یہ

سارے اعمال سراب ہوں گے کہ بیابان میں پیاسا اسے پانی خیال کرکے آگے دوڑتا ہے لیکن جب آگے جاتا ہے تو پانی موجود نہیں ہوتا یہ اس کا ایک خیال ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ کافر اپنے اعمال کو خیال کرتے رہے کہ یہ اعمال انہیں فائدہ دیں گے لیکن جب حساب کا دن آئے گا تو وہاں پر ان کو اپنے اعمال کا نتیجہ نظر نہ آئے گا وہاں تو اللہ موجود ہو گا اور اللہ ان کے سارے اعمال کا حساب لے گا یقینا اللہ ہی بہت تیز اور سریع حساب لینے والا ہے۔

جب قیامت کے دن یہ لوگ آئیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ خدا ان کے انتظار میں تھا اور وہ ان کا پورا اور کامل حساب لے گا۔ کفار ان اعمال کے ذریعہ ایک ھدف رکھتے تھے اور اس ہدف کی طرف بڑھ رہے تھے جیسے پیاسے سراب کو دیکھ کر پانی کی تلاش میں آگے بڑھتے ہیں، جب وہاں پہنچتا ہے تو پانی موجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح کافر آگے بڑھتے ہیں جب قیامت کے دن پہنچیں گے تو وہاں ان کے اعمال کا ھدف تو موجود نہ ہو گا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ موجود ہو گا جس نے ان سے حساب لینا ہے قرآن نے موت کے وقت کو اور لقاء الٰہی کو سراب تک پہنچنا قرار دیا ہے جبکہ وہ اپنے مولا رب رحمٰن کو وہاں پر موجود پائے گا۔ اسی مولا کو جو اسے دعوت دیتا تھا کہ پانی سے سیراب ہو جاؤ، حق کی دعوت کا پانی پی لو لیکن کافر اپنے اعمال کے ذریعہ اپنے حقیقی مولا کی یاد سے غافل رہے اور اعمال صالح کو ترک کر دیا بے ہودہ اعمال انجام دیئے، بتوں کی پرستش میں لگ گئے، اسی حالت میں رہے کہ موت کا وقت آگیا، دُنیا میں اپنے ان اعمال کے فریفتہ تھے اور خیال کرتے تھے کہ اسی میں ان کی سعادت ہے لیکن موت کے آنے پر اور لقاء الٰہی کے مرحلہ میں ان کا کہیں اثر نہ دیکھیں گے اور معبود جن کو بنایا تھا وہ تو موجود ہی نہ ہوں گے تاکہ اللہ کے پاس ان کی سفارش کریں۔ اللہ ان کا پورا پورا حساب کرنے کے لیے موجود ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں، کم و زیادہ نہیں۔

یہ آیت اگرچہ ظاہر میں تو مشرکین اور کفار کی طرف متوجہ ہے لیکن ہر انسان جو عالم میں غیر خدا کو مؤثر جانے اور جس کو مرضی آئے وسیلہ بنا کر اللہ سے رابطہ کرنا چاہے اور اپنے بتائے

ہوئے وسیلہ سے اپنا ھدف حاصل کرنا چاہے اور اس طریقہ سے سعادت مند بننا چاہے تو گویا اس نے غیر خدا کو اپنی سعادت کے لیے موثر جانا، اس کا حساب بھی مشرکین والا ہو گا۔

اَوۡ كَظُلُمٰتٍ فِیۡ بَحۡرٍ لُّجِّیٍّ یَّغۡشٰىهُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ یَدَهٗ لَمۡ یَكَدۡ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: "یا جیسے گہرے دریا میں اندھیرے ہوں اس پر ایک لہر چڑھ آتی ہے اس پر ایک اور لہر ہے اس کے اوپر بادل ہے، اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں، جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے کچھ بھی دیکھ نہ سکے، اور جسے اللہ ہی نے نور نہ دیا ہو اس کے لیے کہیں نور نہیں ہے۔"

کافروں کے اعمال بارے دوسری مثال

اس آیت میں کافروں کے اعمال کی ایک اور مثال دی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کے اعمال کی مثال ایسے پردوں کی ہے جو ایک دوسرے کے اوپر پڑے ہوں، تاریکیاں ان کے دلوں میں چھائی ہوئی ہیں جو نور معرفت کو دلوں میں داخل نہیں ہونے دیتیں، ان کے برے اعمال ایسی تاریکیاں ہیں جو بپھرے سمندر کی امواج ہیں، ایک کے اوپر دوسری لہر اور دوسری کے اوپر تیسری، اور پھر اوپر سے گھنے بادل ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا، ایسا گھٹاٹوپ اندھیرا کہ نور ان میں داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر اپنے ہاتھ کو اپنے چہرہ کے سامنے لائیں تو اسے بھی ان کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں، بڑی مشکل سے انہیں اپنا ہاتھ نظر آئے، یہ انتہائی ظلمت اور تاریکی سے کنایہ ہے۔

لہٰذا ان کافروں کی مثال ایسے افراد کی ہے جو بپھرے ہوئے سمندر کی موجوں پر سوار ہیں،

لہروں کے اوپر لہروں نے اسے اپنے اندر چھپا رکھا ہے کوئی نور ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ آخر میں اس مطلب کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر وہ جس کے لیے اللہ نور قرار نہ دے تو پھر اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی نور اور ہدایت دینے والا موجود نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اور پرندہ جو پَر پھیلائے اڑتے ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح سمجھ رکھی ہے، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

تمام موجودات کا اللہ کی تسبیح انجام دینا

اللہ تعالیٰ نے جب یہ بتا دیا کہ اللہ کی صفت نور ہے اور یہ کہ آسمانوں اور زمین کی نورانیت اور موجودیت اللہ کے نور اور وجود سے حاصل شدہ ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اضافی نور اور رحمت سے نوازا ہے جبکہ کافر اس خاص نور اور رحمت سے محروم ہیں۔ اب اس بارے دلیل کو بیان کیا جاتا ہے۔

اللہ کے نور ہونے پر دلیل و ثبوت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کے تمام موجودات نے اپنا وجود خود سے قرار نہیں دیا اور آسمانوں اور زمین میں کوئی اور نہیں ہے جس سے انہوں نے اپنا وجود لیا ہو کیونکہ سب کے سب احتیاج میں ایک دوسرے کی مانند ہیں لہٰذا جو کچھ کائنات میں ہے وہ سب کا سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ جو کہ خود بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں اس کا وجود ذاتی ہے وہ واجب الوجود ہے، سب احتیاجات اللہ کی درگاہ میں جا کر ختم ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہر چیز کا وجود اللہ کا محتاج ہے کیونکہ اللہ کے ذریعہ ظہور پایا ہے اس کا ظہور جو ہے وہ اپنے نور دینے والے اور ظاہر کرنے والے کو بیان کر رہا ہے۔ وہ ہی ذات ہے جس نے اس موجود کو عدم کی تاریکی سے

نورِ وجود اور ظہور عطا کیا ہے۔ یہ تمام موجودات عالم کی زبان حال اور قال ہے کہ وہ اپنے نقص اور اپنی احتیاج کے ساتھ اپنے خالق کی تسبیح اور اس کی بے نیازی کو بیان کر رہے ہیں۔

یہ وہ تسبیح ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے سب کی نسبت دی ہے جس کا لازمہ ہے کہ ماسوائے اللہ جو بھی ہے وہ مستقل نہیں ہے اور غیر اللہ کے مدبر اور رب ہونے کی نفی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین، عقلانی موجودات اور پر پھیلائے پرندگان اور وہ سب کے سب جو رُوح و جان رکھتے ہیں، ان سب کا نام لیا ہے جبکہ تسبیح کرنا فقط ان کے ساتھ تو مخصوص نہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودات خلقت کے عجائبات سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا ہے، جو بھی کسی کو پکار رہا ہوتا ہے تو وہ یہ بتا رہا ہوتا ہے کہ میں اس کا محتاج ہوں جس سے دعا کی جا رہی ہوتی ہے، لیکن وہ جس کو پکارا جا رہا ہوتا ہے وہ اللہ ہے اور ہر احتیاج سے منزہ ہے، ماسوائے اللہ، سب اللہ کے محتاج ہیں لہٰذا موجودات کی تکوینی دعا ہر بات سے بہتر دلالت کر رہی ہے کہ ان کا رب منزہ و پاک ہے۔ اس کے ساتھ یہ جملہ "كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ" اس بات پر دلیل ہے کہ سب موجودات جو تسبیح کرتے ہیں تو وہ شعور و آگہی سے انجام دیتے ہیں۔[1]

دوسری طرف یہ ہے کہ "الم تر" کیا تم نہیں دیکھتے ہو واضح طور پر موجودات کی تسبیح کے ظہور پر دلالت ہے، ایسا ظہور ہے کوئی بھی خردمند اس کی تردید نہیں کر سکتا۔

آخر میں فرماتے ہیں جو وہ کرتے ہیں تو اللہ اس کا دانا ہے، اللہ ان کی تسبیح سے آگاہ ہے اور سنتا ہے اگرچہ ان کی تسبیح اس کا عین وجود ہے لیکن یہ تسبیح ان کا فعل بھی شمار ہوتا ہے۔ اس وجہ

---

[1]۔ بعض مفسرین (جیسے تفسیر اطیب البیان) کہتے ہیں کہ موجودات کی تسبیح کا تکوینی ہونا ان کی تسبیح کا ارادہ و علم کے ساتھ ہونے کے ساتھ مغایرت رکھتا ہے اسی وجہ سے انہوں نے اس تسبیح کو تشریعی تسبیح کا نام دیا ہے۔ (مترجم)

سے اللہ سب کی تسبیح کو جانتا ہے، بہت جلد انہیں اس کا اچھا بدلہ دے گا البتہ کافر باوجودیکہ وہ بھی اپنے وجود سے اللہ کی تسبیح کر رہے ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنی زبان سے اس کا انکار کر رہے ہوتے ہیں ان کے تمام اعمال لکھے جاتے ہیں، اللہ انہیں اس کی جزاء دے گا۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اللہ کا اقتدار اعلیٰ

تمام موجودات تسبیح کر رہے ہیں، اپنے وجود سے بتا رہے ہیں کہ وہ محتاج ہیں اور اللہ بے نیاز ہے، اللہ کسی کا محتاج نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نور السموات والارض ہے، اس جگہ اللہ کی مالکیت کو بیان کیا ہے جو ہر دو قسم کے نور پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ ہی تنہا آسمانوں اور زمین کا فرمانروا ہے یہ اس کے نور کی عمومیت پر دلیل ہے اسی جگہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ جو چاہے وہ کرتا ہے جو حکم دینا چاہے وہ دے سکتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا بلکہ سب کو اس کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ اس طرح اللہ ہی تمام امور کا مرجع ہے۔ اس دُنیاوی زندگی میں بھی سب امور اسی کی طرف پلٹتے ہیں یہ آخرت کے ساتھ خاص نہیں۔ دُنیا و آخرت کے تمام امور کی بازگشت اللہ کی طرف ہے اور اللہ ہی مرجع خلائق ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا

مِنۡۢ بَرَدٍ فَیُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَصۡرِفُہٗ عَنۡ مَّنۡ یَّشَآءُ ؕ یَکَادُ سَنَا بَرۡقِہٖ یَذۡہَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ”کیا تو نے نہیں دیکھا اللہ ہی بادل کو چلاتا ہے پھر اسے ملاتا ہے پھر اسے تہہ بر تہہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے بیچ میں سے نکلتی ہے، اور آسمان سے جو ان میں اولوں کے پہاڑ ہیں ان میں سے اولے برساتا ہے پھر انہیں جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو لے جائے۔“

بادو باراں کا تذکرہ

اس جگہ خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو کیا ہے لیکن درحقیقت یہ خطاب ہر سننے والے کو ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا تم اس چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کے ذریعہ بادلوں کو منتشر کرتا ہے اور انہیں ایک دوسرے سے جوڑتا ہے اور جب وہ اکٹھا ہو جاتے ہیں پھر ایک دوسرے پر سوار ہو کر بھاری ہوتے ہیں تو ان میں سے بارش اُترنا شروع ہوتی ہے۔

پھر اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ تم نہیں دیکھتے کہ بادل بہت گھنے ہو جاتے ہیں، گہرے ہوتے ہیں، ایک دوسرے پر متراکم ہوتے اور بھاری ہو جاتے ہیں اور ان سے ژالے برسنا شروع ہو جاتے ہیں اللہ جس سرزمین پر چاہے انہیں روانہ کرتا ہے جس سے فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں، انسانوں اور حیوانات کو نابود کر دیتا ہے اور جس سے چاہے اس سے انہیں موڑ دیتا ہے اور انہیں نقصان نہیں ہوتا۔ بادلوں سے گرنے والی برف اور ژالے اس قدر شدید ہوتے ہیں کہ ان سے آنکھیں چندھیا جائیں اور بینائی چلی جائے۔ اس طرح یہ آیت میں سابقہ بیانات کی وجہ وعلت کو بیان کر رہی ہے کہ اللہ کا نور خاص، اور اللہ کی رحمت خاصہ فقط مومنین کے

لیے یہ سب مشیت الٰہی سے مربوط ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا ہے، بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے۔''

دن و رات کا آنا و جانا

دن اور رات کا مرتب نظام، رات کے بعد دن کا آنا اور دن کے بعد رات کا آنا، اس سے اہل تدبیر و اہل بصیرت درس لیتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ اس عالمِ ہستی کا مدبر ہے، تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا ہے، سو بعض ان میں سے اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعض ان میں سے دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض ان میں سے چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

تمام اُمور کا تعلق اللہ کی مشیت سے ہے

اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کی خلقت پانی سے کی ہے۔ سب کی خلقت کا مادہ تو ایک ہے لیکن ہر ایک کی کیفیت و شکل مختلف ہے۔ کچھ تو پیٹ کے بل چلتے ہیں، کچھ دو پاؤں سے اور کچھ چار

پاؤں پر چلتے ہیں۔ انسان اور پرندے دو پیر رکھتے ہیں، حیوانات کے چار پاؤں ہیں۔ اختصار کے تحت تین اقسام کا تذکرہ کیا گیا ہے وگرنہ جانداروں کا اختلاف تو ان گنت ہے، ان کا پورا شمار دائرہ اختیار سے باہر ہے، ہمارے علمی احاطہ میں یہ سب نہیں آسکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب اختلاف اللہ کی مشیت سے مربوط ہے، اس کا اختیار ہے کہ اپنے فیضان کو عمومیت دے جیسے اللہ کا نور عام اور عمومی رحمت جس سے تمام خلائق بہرہ ور ہو رہی ہے یا پھر اپنی رحمت کو بعض افراد کے لیے خاص کر دے۔ آخر میں اس کی وجہ کو بیان کیا ہے اللہ کی قدرت مطلق ہے لہٰذا تمام ممکنات اپنے وجود میں فقط اللہ کی مشیت و ارادے سے مربوط ہیں، اس کی قدرت ایسے ہی ہے وہ جس چیز کا ارادہ کرے تو کہتا ہے موجود ہو جاؤ، وہ ہو جاتی ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: "البتہ ہم نے کھلی کھلی آیتیں نازل کر دی ہیں، اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستہ پر چلاتا ہے۔"

اللہ کی آشکار آیات

اللہ کی آشکار آیات سے آیت نور اور اس کے بعد والی آیات کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ کی صفت نور کی تفصیل اور اس کا مصداق بیان کیا گیا ہے۔ صراط مستقیم وہ راستہ ہے کہ اللہ کا غضب اور گمراہی اس راستے پر چلنے والوں کے لیے نہیں ہے۔ اللہ کے نمائندے سعادت اور نعمت کی طرف ہدایت فرماتے ہیں۔[1] "جن پر اللہ کا غضب ہے وہ اس نعمت سے محروم ہیں، جو گمراہ

---

[1]۔ سورہ حمد آیت ۷۔

ہیں اللہ ان کو اپنی نعمات خاص عطا نہیں کرتا اور اپنی راہ پر چلنے والوں کو ہدایت دیتا ہے ان کو نعمت خاص سے نوازتا ہے"۔

بہر حال اللہ فرما رہا ہے ہماری آیات روشن ہیں لیکن خداوند ان کو ہدایت دیتا ہے جن میں صلاحیت ہے لیاقت ہے کہ وہ ان حقائق کا درک کریں، ان کو سمجھیں۔

وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: "اور کہتے ہیں ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم فرمانبردار ہو گئے پھر ایک گروہ ان میں سے اس کے بعد پھر جاتا ہے، اور وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔"

مومنوں اور منافقوں کا فرق

اس آیت میں پہلے مومنوں کے بارے بیان کیا گیا کہ وہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لاتے ہیں، اللہ کے رسول کو تسلیم کرتے ہیں اور اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے قوانین واحکام پر عمل کرتے ہیں اور اس بات کا باقاعدہ اعلان کرتے ہیں۔ لیکن کچھ وہ ہیں جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے تسلیم نہیں کیا ہوتا، ایمان لا کر پھر جاتے ہیں، اوامر و نواہی کے مطابق عمل نہیں کرتے تو حقیقت میں ایسے افراد مومنین نہیں ہیں کیونکہ ایمان کا جو تقاضا ہے وہ اسے پورا نہیں کرتے۔

وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: "اور جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ ان میں

فیصلہ کرے تب ہی ایک گروہ والے ان میں سے منہ موڑنے والے ہیں۔"

وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: "اور اگر انہیں حق پہنچتا ہو تو اس کی طرف گردن جھکائے آتے ہیں۔"

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: "کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک میں پڑے ہیں یا ڈرتے ہیں اس سے کہ ان پر اللہ اور اس کا رسول ظلم کرے گا، بلکہ وہی ظالم ہیں۔"

منافقوں کا رویہ

منافقین کی طرف سے کچھ افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے ہیں کہ آپ اس کے درمیان فیصلہ دیں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متنازعہ مسئلہ کا فیصلہ سنا دیا تو انہوں نے اس فیصلہ کو قبول نہیں کیا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ اللہ کے دین کے مطابق ہے۔ اللہ ہی ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قضاوت اور فیصلہ کرنے کا حق عطا فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اللہ کا حکم ہے۔ منافقوں کا رویہ ایسا ہی ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حق میں فیصلہ دے دیتے تو پھر فوراً قبول کر لیتے لیکن جب فیصلہ ان کے خلاف ہو تو پھر اس فیصلہ سے رُوگردانی کرتے ہیں، یہ ایسے افراد اپنے نفس کے پیرو ہیں، حق کے پیرو نہیں۔

پھر ان کے بارے فرمایا کہ ایسے لوگ یا تو کمزور ایمان والے ہیں یا ایمان کے بعد دین کے بارے شک و تردید میں آگئے ہیں۔ یا انہیں یہ خوف ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے ظلم روا رکھیں گے؟ یہ احتمال دیتے ہیں کہ الٰہی قانون و شریعت ظلم و جور پر قائم ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ کرنے کے وقت حق کی رعایت نہ رکھیں گے۔

اللہ فرماتا ہے ایسا بالکل نہیں! اگر یہ لوگ فیصلہ کروانے رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں آئے تو یہ ان کا نہ آنا نہ تو اس وجہ سے تھا کہ انہیں دین میں شک ہے اور نہ ہی اس وجہ سے انہیں جبر و ستم کا خوف ہے یا اس لحاظ سے کہ ان کے دل مریض ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہیں پتہ ہے کہ انہوں نے ظلم و زیادتی کی ہے، زبانی جو اقرار کیا اس سے یہ نکل گئے یا اس وجہ سے کہ جو حقوق و طلب کر رہے تھے تو وہ باطل پر تھے لہٰذا یہ لوگ ستمگار ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱

ترجمہ: ”مومنوں کی بات تو یہی ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا، اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔“

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۵۲

ترجمہ: ”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا ہے بس وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔“

مومنین کا رویہ

منافقوں کے رویہ کو بیان کرنے کے بعد مومنوں کے رویہ کو بیان کیا ہے۔ مومنین کے ایمان کا تقاضا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو بھی معاملہ درپیش ہے اس کا فیصلہ کروانے کے لیے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے پاس آجاؤ تو وہ فوراً قبول کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ اور اللہ

کے رسولؐ کے فرمان کو سن لیا ہے، ہم ان کے حکم کی اطاعت میں ہیں، ان کا ہر فیصلہ قبول ہے ۔ جو ایسی دعوت کو رد کر دیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہے کیونکہ اللہ کے حکم کو رَد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان سے خارج ہو گیا ہے۔ جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں ان کے بارے فرمایا گیا ہے کہ یہی لوگ کامیاب ہیں کیونکہ یہی لوگ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی ولایت میں ہیں۔ اللہ کے احکام ان کے درمیان روابط اور تعلقات کو منظّم کرنے کے لیے ہیں اس پر ان کا اقرار بھی ہے اور قبول بھی کرتے ہیں تو یہی ان کی کامیابی ہے۔

بعد والی آیت میں کہا گیا کہ ہر وہ شخص جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرے اور اپنے باطن میں اللہ کی خشیت رکھتا ہو اور ظاہر میں بھی اللہ کی ناراضگی سے بچنے کا اہتمام کرے تو ایسا شخص ہی حقیقی مومن ہے اور اسی وجہ سے وہ کامیاب اور رستگار ہے۔

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ اَمَرۡتَہُمۡ لَیَخۡرُجُنَّ ؕ قُلۡ لَّا تُقۡسِمُوۡا ۚ طَاعَۃٌ مَّعۡرُوۡفَۃٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ”اور اللہ کی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں، کہہ دو قسمیں نہ کھاؤ، دستور کے موافق فرمانبرداری چاہیے، بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔“

منافقوں کی قسمیں

رسول اللہ ﷺ کو منافقوں کی ایک اور عادت سے اللہ نے آگاہ کیا کہ یہ آپ کے پاس آئیں گے اور بھاری بھر کم، موٹی موٹی قسمیں اٹھائیں گے کہ اگر آپ انہیں جہاد کا حکم دیں گے تو وہ جہاد کے لیے ضرور نکلیں گے۔ اے میرے رسولؐ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کو راضی کرنے کے لیے تم لوگ قسمیں مت اُٹھاؤ۔ جہاد اور جہاد کے لیے گھروں سے

نکلنا، خود یہی عمل اللہ کی اطاعت ہے اور یہ ایک ایسا عمل ہے کہ اسے انجام دینے کے لیے کسی قسم کی قسم اُٹھانے کی ضرورت نہ ہے اور یہ بات جان لو کہ یہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے اور تم اللہ کو اپنی قسموں سے دھوکہ نہیں دے سکتے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''کہہ دو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، پھر اگر منہ پھیروگے تو پیغمبر پر تو وہی ہے جس کا وہ ذمہ دار ہے اور تم پر وہ ہے جو تمہارے ذمہ لازم کیا گیا ہے، اور اگر اس کی فرمانبرداری کروگے تو ہدایت پاؤگے، اور رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔''

اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم

اللہ کے رسولؐ کو واضح حکم دیا گیا کہ آپ جو اوامر و نواہی ان کے پاس لے آئے ہیں ان سے واضح اور آشکار کہہ دو کہ تمہارے اوپر واجب ہے کہ تم سب اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔ اے رسول! آپ کا کام ہے انہیں یہ حکم پہنچا دو، اگر وہ اس کی تعمیل نہیں کرتے تو وہ خود ہی اس کے ذمہ دار ہیں، اس کا نقصان بھی خود ان ہی کو ہوگا، اللہ اور اللہ کے رسول کو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی ان کی نافرمانی انہیں کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ رسول جو لے کر آتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے حقیقت میں رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ رسولؐ کی ذمہ داری تبلیغ ہے اور واضح انداز میں اللہ کے پیغام کو پہنچانا ہے اور بس۔ اگر تم لوگ اس کی مخالفت کرو اور اس کی رسالت کا انکار کرو تو اس کا اسے کچھ نقصان نہ

ہو گا کیونکہ اس کا فریضہ پیغام رسانی ہی تھا جو انہوں نے پورا کر دیا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵

ترجمہ: ”اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی، اور ان کے لیے جس دین کو پسند کیا ہے اسے ضرور مستحکم کر دے گا اور البتہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور جو اس کے بعد ناشکری کرے وہی فاسق ہوں گے۔“

اللہ کا مسلمانوں کے لیے عمومی خطاب

اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو خطاب کر کے چند اہم باتوں کا اعلان فرمایا ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ اللہ فرما رہا ہے کہ سب سن لو یہ میرا وعدہ ہے کہ میں:

زمین پر ان کی حکومت کے لیے حالات بناؤں گا جنہیں زمین میں کمزور بنا دیا گیا ہے۔ میں اپنے کمزور بندوں کو اپنی خلافت عطا کروں گا تاکہ وہ اللہ کے بندوں پر اللہ کے احکام کو نافذ کریں، اللہ کا کفر اختیار کرنے والوں کا خاتمہ کریں، بدامنی کا خاتمہ کریں، انصاف و عدل قائم کریں، ظلم و ستم کا خاتمہ کریں اور اللہ کے دین کو غلبہ دیں۔

ہر جگہ الٰہی حکومت قائم ہو جو اس حکومت سے بغاوت کرے وہ کافر ہے اور اس سے کافروں جیسا سلوک کیا جائے الٰہی حکومت قائم ہونے کے بعد قطعی طور پر ایسا شخص فاسق ہے اور بندگی وعبودیت سے فارغ ہے۔[1]

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ”اور نماز پڑھا کرو اور زکوۃ دیا کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

نماز زکوۃ واطاعت رسولؐ کا حکم

نماز عبودیت کا تحقق ہے، عبد کا اللہ سے تعلق کا عملی مظاہرہ ہے اور زکات کے فریضہ کی ادائیگی سوسائٹی اور معاشرہ کے حق کی ادائیگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا معنی ان کی ولایت اور رہبریت کو عملی طور پر تسلیم کرنا ہے کہ حکومت بھی ان کی اور قضاوت وعدلیہ کی سربراہی بھی ان کے لیے ہے، پھر آخر میں فرمایا کہ ان سب دستورات پر عمل کرنے سے ہی اللہ کی رحمت وصول کر سکوگے اس رحمت سے مراد وہ خاص رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گذار بندگان کو دیتا ہے۔

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۵۷﴾

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ آیت پوری اُمت اسلامیہ کو شامل ہے۔ اس آیت میں دئے گئے وعدے حضور پاکؐ کی رحلت کے بعد حاصل ہونے والی اسلامی فتوحات یا امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے زمانے کے متعلق ہیں۔ اور اس آیت کے مخاطب آئمہ اہل البیت علیہم السلام ہیں۔

ترجمہ: '' کافروں کی نسبت یہ خیال نہ کر کہ ملک میں عاجز کر دیں گے، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

کافروں کا انجام

یہ آیت پچھلی آیت میں دیئے گئے وعدہ کا تسلسل ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے بندوں کی حکمرانی ہوگی مومنین کی بالادستی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ کافروں کے بارے یہ کبھی خیال نہ کریں گے کہ ان کا اقتدار ہمیشہ رہے گا اور یہ لوگ اللہ کو اس کا وعدہ پورا نہ کرنے دیں، اللہ کو عاجز بنا دیں گے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ کافر ہی ذلیل و خوار ہوں گے یہ کافر بے چارے ہوں گے اسی دُنیا میں ان کے اقتدار کا خاتمہ ہوگا اور ان کے عجز کو سب مشاہدہ کریں گے۔ کافر مغلوب ہوں گے، مومنین غالب ہوں گے جب اللہ کے پاس پہنچیں گے تو ان کے لیے جہنم ٹھکانہ ہے اور یہ ٹھکانہ کتنا برا ٹھکانہ ہے جو ان کے نصیب میں ہوگا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تمہارے غلام اور تمہارے وہ لڑکے جو ابھی بالغ نہیں

ہوئے تم سے ان تین وقتوں میں اجازت لے کر آیا کریں، صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردوں کے ہیں، ان کے بعد تم پر اور نہ ان پر کوئی الزام ہے، تم آپس میں ایک دوسرے کے پاس آنے جانے والے ہو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

مومنین کے لیے خصوصی ہدایات

پچھلی آیات میں مومنین کے لیے فرمان جاری کیا کہ وہ بغیر اجازت کے گھروں میں وارد نہیں ہو سکتے۔ اس جگہ عمومی حکم سے استثناء کے طور پر گھر کے اندر رہنے والوں کے بارے احکام بیان کیے گئے ہیں، یہ احکام غلاموں، کنیزوں اور ایسے غیر ممیّز بچوں کے لیے ہیں جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے کہ تین اوقات جو انسان کی خلقت کے لیے مخصوص ہیں ان اوقات میں اجازت لے کر اندر آئیں، اس کمرے میں جس میں آپ کی سکونت ہے جو آپ کے آرام کرنے کا کمرہ ہے، یہ جب بھی اس استراحت کے کمرے میں آئیں تو اجازت طلب کرکے آئیں، وہ اوقات یہ ہیں:

۱۔ نماز فجر سے پہلے کا وقت۔

۲۔ ظہر کے وقت جب انسان کام سے واپس اپنے گھر آتا ہے اور آرام کرنے کے لیے اپنے خاص کمرے میں جاتا ہے۔

۳۔ عشاء کے بعد جب انسان خلوت اور استراحت کرنے لگتا ہے۔

یہ تین اوقات تمہارے لیے خاص ہیں، ان اوقات میں کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ تمہیں دیکھے، یہ اوقات آپ کی خلوت کے ہیں، اس کے علاوہ باقی اوقات میں وہ آپ کے پاس گھر جا سکتے ہیں۔ کنیزیں اور غلام اپنے مالکوں کے پاس آجا سکتے ہیں کیونکہ وہ ان کے خدمت گذار ہوتے

ہیں اور اس طرح اپنے دین کے احکام کو بیان کرتے ہیں اور یہ احکام ایک حکمت اور مصلحت کے لیے ہیں۔

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: ''اور جب تمہارے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں انہیں بھی اجازت لے کر آنا چاہیے جس طرح کہ ان سے پہلے لوگ اجازت لے کر آتے ہیں، اللہ اس طرح تمہارے لیے کھول کر احکام بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: ''اور وہ بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی رغبت نہیں رکھتیں ان پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ اپنے کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت کا اظہار نہ کریں، اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہتر ہے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

بالغ بچوں اور بوڑھی عورتوں کے بارے احکام

بچے جب حد بلوغ کو پہنچ جائیں اور عقلی رشد اور جسمانی قوت میں پہنچ جائیں تو باقی افراد کی طرح اجازت لے کر اندر آئیں۔ ان احکام کے بیان کا فلسفہ یہ ہے کہ اللہ اپنے دین کے احکام کو

اپنے علم اور حکمت کے تقاضے کے مطابق تمہارے لیے بیان کرتا ہے۔ ''قواعد'' ان بوڑھی اور کھوسٹ عورتوں کو کہا جاتا ہے جن میں مباشرت اور ہمبستری کی خواہش نہیں رہتی۔ بعض نے کہا کہ اس سے یائسہ عورتیں مراد ہیں جن کو حیض و نفاس، استخاضہ نہیں آتا۔

تبرج

''تبرج'' اپنی خوبصورتی کو ظاہر کرنے اور اپنے اس حسن و جمال کی نمائش کرنے کے معنی میں ہے جن کو چھپانا لازمی ہے۔ اس جگہ ان بوڑھی عورتوں کو استثناء کیا گیا ہے جو نکاح کی خواہش نہیں رکھتیں۔ ان پر جائز ہے کہ وہ حجاب کا لحاظ نہ کریں جبکہ خود نمائی اور زینت کو ظاہر کرنا منظور نہ ہو۔ اسی تسلسل میں فرمایا: ایسی خواتین کے لیے بھی خود نمائی سے پردہ داری بہتر ہے، اللہ سننے والا ہے، یعنی خواتین اپنی فطرت کے تقاضا کے مطابق جو کچھ انجام دیتی ہیں ان تمام امور کو سننے والا دانا ہے وہ جانتا ہے کہ ان کے لیے کون سے احکام ہیں جو وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ

اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: ''اندھے پر اور لنگڑے پر اور بیمار پر اور خود تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، تم پر کوئی گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ، پھر جب گھروں میں داخل ہونا چاہو تو اپنے لوگوں سے سلام کیا کرو جو اللہ کی طرف سے مبارک اور عمدہ دعا ہے، اسی طرح اللہ تمہارے لیے احکام بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو۔''

نابینا اور معذور افراد کے لیے اجازت نامہ

اندھے اور معذور افراد (جیسے لنگڑے اور بیمار) جو خود کام کر کے محنت مزدوری سے اپنے لیے روزی نہیں کما سکتے تو ان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ جن رشتہ داروں کا نام آیت میں لیا گیا ہے جو کہ ان کے رشتہ دار ہیں یا ایسے افراد جنہوں نے انہیں اپنے گھروں کا امانت دار قرار دیا ہے یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کچھ کھالیں یا اپنی ضرورت کو پورا کرلیں۔ اسی طرح باقی مومنین کو بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے گھروں سے جن کا نام لیا گیا ہے اور جو دیگر خصوصیت بیان کی گئی ہے ان سے کچھ لے کر کھالیں یا اپنی ضروریات کو پورا کرلیں لیکن اسراف اور فساد

انگیزی نہ کریں۔ دین اسلام میں ذکر شدہ گھروں کا انسان کے اپنے گھر سے فرق نہیں کیونکہ مومنین ایک دوسرے کے ولی اور دوست یا سرپرست ہیں اور ایک دوسرے کے منافع کی حفاظت کے لیے آپس میں کوشاں ہیں۔ بنابرایں کوئی حرج نہیں کہ ایک دوسرے کے گھروں سے مل کر یا تنہائی میں کچھ کھالیں یا محدود مقدار میں کچھ کھالیں۔ اپنے گھروں سے مراد اپنی اولاد اور اپنی بیویوں کے گھر مراد ہیں۔

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے آداب

اس حکم کے بعد کسی کے گھر داخل ہونے کا ادب سکھایا ہے۔ جب گھر میں داخل ہو تو اپنے اوپر سلام کرو یعنی جو بھی گھر میں موجود ہو اس پر سلام کرو کیونکہ سب مسلمان آپس میں ایک ہی ہیں، اللہ نے سب کو ایک نسل سے خلق کیا ہے۔ سب عقیدہ اور ایمان میں ایک ہی ہیں، اہل خانہ بھی سلام کا جواب دیں، سلام اور تحیت، اللہ کی جانب سے ہے اور اللہ نے ہی یہ قانون بنایا ہے۔ اللہ نے اس کا حکم نازل فرمایا ہے سلام مبارک درود ہے اور اس میں بہت زیادہ خیر ہے جو باقی رہنے والا اور طیب عمل ہے کیونکہ انسان کے وجود کے ساتھ مناسب اور سازگار ہے، امنیت کے پھیلاؤ اور سلامتی کا سبب ہے۔ سلامتی اور امنیت پاکیزہ ترین چیز ہے چاہے کہ دو آدمی جب آپس میں ملتے ہیں تو ایسی کیفیت برقرار رہے۔ اللہ اس طرح دینی احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ لوگ دین کے معارف کے متعلق آگہی حاصل کرلیں اور پھر ان پر عمل کریں۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ

شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ''مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں ہوتے ہیں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لیں، جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں، پھر جب تجھ سے اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو ان میں سے جسے تو چاہے اجازت دے اور ان کے لیے اللہ سے بخشش کی دعا کر، اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

حقیقی مومنین

حقیقی مومنین وہ ہیں جو اللہ کی وحدانیت اور پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت کا دل سے عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہوتے ہیں تو کسی اجتماعی امر پر اتفاق کرتے ہیں جیسے جنگی امور یا عمومی مفادات سے متعلق امور، تو وہ خود سے کوئی اقدام نہیں اٹھاتے مگر یہ کہ اجازت لے لیں۔ یہ بات دوطرفہ ہے ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں، رسول اللہ ﷺ سے وہی اجازت طلب کرتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان کامل رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اختیار دیا ہے کہ جسے چاہیں وہ اجازت دیں اور جس کو چاہیں وہ روک لیں۔ آخر میں مومنوں کے دلوں کو خوش کرنے اور ان کے لیے رحمت کے طور پر پیغمبر اکرم ﷺ کے لیے دستور دیا ہے کہ مومنین کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیا کرو تاکہ اللہ ان کی کمزوریوں کی پردہ پوشی کرے اور ان کے چھوٹے گناہوں سے چشم پوشی کرے۔

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَیۡنَکُمۡ کَدُعَآءِ بَعۡضِکُمۡ بَعۡضًا ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِہٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ فِتۡنَۃٌ اَوۡ یُصِیۡبَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ”رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے جیسا نہ سمجھو، اللہ انہیں جانتا ہے جو تم میں سے چھپ کر کھسک جاتے ہیں، سو جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آفت آئے یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔“

رسول اللہؐ سے گفتگو کرنے کے آداب

اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ اجتماعی امور کے بارے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرو اور ان سے مشورہ طلب کرنا چاہو تو آپؐ کی گفتگو کا انداز اس طرح کا نہ ہو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہو اور حیلوں، بہانوں سے جو ذمہ داری تمہارے اوپر عائد ہوتی ہے اس سے فرار مت کرو۔ اس جگہ فرمایا کہ جو لوگ دوسرے کے پیچھے چھپ جاتے ہیں اور خود کو ذمہ داریوں سے بچالیتے ہیں اور خفیہ کاری سے ایسا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ جانتا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرادیتے ہیں سامنے نہیں آتے اور پس پردہ رہ کر خود کو ذمہ داریوں سے بچالیتے ہیں تو ان کے بارے اللہ فرمارہا ہے کہ آگاہی ہے اس کے بعد خبردار کیا گیا ہے کہ جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سے سرپیچی کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو وہ مصیبت آنے اور عذاب کے نزول سے خوف زدہ رہیں، ان پر عذاب آسکتا ہے اس سے چوکنا رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

مخالفت نہ کریں کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کے نتیجہ میں ان پر عذاب نہ آجائے۔[1]

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ”خبردار! اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اسے معلوم ہے جس حال پر تم ہو، اور جس دن اس کی طرف پھیر لائے جائیں گے تو انہیں بتائے گا جو کچھ وہ کرتے تھے، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

اللہ کی عمومی مالکیت اور تدبیر کا بیان

اس آیت میں اللہ کی عمومی مالکیت اور الٰہی تدبیر کو بیان کیا ہے کہ ہر چیز بغیر استثناء کے اللہ کی مملوک ہے اور اللہ سے ہی اس کا وجود قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے بارے اور اس کی خصوصیات سے متعلق آگاہ ہے۔ اللہ اس بارے بھی آگاہ ہے جس کے وہ محتاج ہیں، اللہ کو معلوم ہے کہ دُنیا میں ان کے لیے کس قسم کے قوانین کی ضرورت ہے۔ انسانوں کے حالات بارے آگاہ ہے کہ انسان تمام کائنات میں ایک ہے، اسے پتہ ہے کہ انسان کے لیے کس قسم کے قوانین کی ضرورت ہے تو اسی کو ہی اللہ تعالیٰ واجب و لازم قرار دیتا ہے۔ علم الٰہی کی شمولیت و عمومیت دُنیا و آخرت کو اپنے اندر لے لیتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ دُنیا میں انسانوں کے احوال سے آگاہ ہے، قیامت کے دن بھی سب نے اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اس آیت میں لوگوں کو آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے قوانین اور احکام پر عمل کریں اور ان کے مطابق دُنیا میں زندگی

[1]۔ تفسیر قمی ج ۲ میں آئمہ اہل البیت علیہم السلام سے یہ قول نقل ہوا ہے کہ اس آیت میں جو منع کیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم لوگ جب رسول اللہؐ کو پکارو تو اس طرح نہ کہو یا محمد (ﷺ) بلکہ یا رسول اللہ ﷺ، یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔

گزاریں، مخالفت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام قوانین کو ان کی ضروریات کے مطابق وضع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔

سورۃُ الفرقان

(مکی، آیات 77)

اس سورت کے مطالب

رسالت، پیغمبری اور قرآن کا اللہ کی جانب سے ہونا، حق و باطل کے درمیان امتیاز، اللہ کی وحدانیت پر دلیل و برہان اور دیگر اسلامی معارف کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ تمام جہان کے لیے ڈرانے والا ہو۔''

''فرقان'' فرق اور جدائی کے معنی میں ہے۔ قرآن کریم کو فرقان اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب حق اور باطل کو جدا کرنے والی ہے یا اس کی آیات کو علیحدہ علیحدہ اتارا گیا ہے۔

اللہ کی طرف سے خیر و برکت

اللہ کے لیے خیر کثیر محقق و ثابت ہے۔ اللہ نے اپنے عبد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کو نازل کیا ہے جو بلاشک خیر و برکت ہے۔ اس کا خیر کثیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب مخلوقات کے لیے ہے۔ یہ کتاب حق پر مبنی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ عالمین کے لیے ہدایت، تمام جن و انس اس کے مد نظر ہیں کیونکہ یہ کتاب حق ہے، اسی وجہ سے یہ حق اور باطل کے درمیان جدائی ڈالتی ہے۔ حق کا باطل سے تشخیص کرنے کا معیار ہے۔ اس کتاب کے نازل کرنے کا ایک مقصد یہ ہے کہ جن و انس کو اللہ کے غضب اور ناراضگی سے ڈرائے، جہنم سے خبردار کرے۔ اگر یہ لوگ پیغمبروں اور قیامت کے عذاب کا انکار کریں گے تو اس سے انہیں ہی نقصان ہو گا اور جہنم کا عذاب ان کے لیے ہو گا۔

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾

ترجمہ: ''وہ جس کی آسمانوں اور زمین میں سلطنت ہے اور اس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ کوئی سلطنت میں اس کا شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کرکے اس کی

بناوٹ بنائی۔"

اللہ کا اقتدار اعلیٰ

ملک، مالکیت و ملک اور اقتدار مطلقاً اللہ کے لیے ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اقتدار بس اللہ ہی کے لیے ہے جیسے چاہے وہ اس میں تصرفات کرتا ہے اس کے کام میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ قانون، ادارہ داری، کائنات کے نظام کا چلانا اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس لیے اللہ کا کوئی بھی فرزند نہیں، کسی کو فرزند کی ضرورت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کی اپنی عمر محدود ہوتی ہے اس کا اقتدار جاری رکھنے کے لیے اسے اپنے بعد کے لیے کوئی وارث درکار ہوتا ہے، اس لیے انسان اولاد کی خواہش رکھتا ہے بالخصوص بیٹے کی۔ اپنے امور کو خود تنہا انجام نہیں دے سکتا اس میں محدودیت ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے اس کے ساتھ اس کا اپنا کوئی مددگار ہو۔ یہ دونوں مفروضے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حوالے سے باطل اور نادرست ہیں کیونکہ اس کا وجود سرمدی ہے جسے فنا نہیں ہے اسے جانشین کی ضرورت نہ ہے۔ دوسری طرف سے دیکھیں تو وہ اللہ قادر مطلق ہے جو وہ چاہے اسے وجود دے دیتا ہے، اس کے ارادہ سے ہر شئی محقق ہو جاتی ہے، جو وہ ارادہ کرتا ہے وہ محقق ہو جاتا ہے اسے کسی سے پوچھنے یا کسی کی رائے لینے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اسے بیٹا بنانے کی ضرورت نہ ہے۔ یہ مشرکین کو جواب دیا گیا ہے جو اللہ تک جانے کے لیے بتوں کو واسطہ بناتے تھے اور یہ خیال رکھتے تھے کہ اللہ ان کے ذریعہ تمام امور کو انجام دیتا ہے اور ان کی سفارش پر سب امور انجام پاتے ہیں۔ گویا کہ اللہ کو ان کی ضرورت ہے دوسری جانب یہ نصاریٰ کو جواب ہے جو اللہ کے لیے بیٹے بنانے کے قائل ہیں۔

آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ کے اقتدار میں شریک کی نفی کی گئی ہے۔ کیونکہ شریک اس صورت میں مقصود ہوتا ہے جب بادشاہ اپنی مملکت کے تمام معاملات کو تنہا انجام دینے پر قادر نہ ہو، اس کی مملکت ہر چیز کو شامل نہ ہو، کچھ اس کے دائرہ مملکتی سے باہر ہو جبکہ اللہ کی

مملکت عام و شامل ہے اور عالم کے تمام موجودات پر محیط ہے اور ان کی تمام وجودی جہات کو شامل ہے اور کوئی چیز بھی خداوند کی مالکیت اس کی سلطنت و اقتدار سے باہر نہیں ہے۔ یہ کلام بھی مشرکین کا جواب ہے جو اپنے بنائے ہوئے معبودوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے تھے۔

آخری مرحلہ میں کہا گیا کہ تمام موجودات کی تدبیر اور خلقت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کیونکہ اللہ رب العالمین ہے اور آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، وہی ان میں متصرف و حکمران ہے۔ اس بات کا لازمہ یہ ہے کہ ان موجودات کی تدبیر، منصوبہ بندی، پلاننگ اور خلقت سب اللہ کے لیے ہے۔ اس دنیا میں وہی تدبیر کا مالک ہے اور وہی مملکت کا سربراہ بلاشریک ہے۔ وہ عظمت والا، شان والا رب ہے کہ اس کے غیر کے لیے یہ سب کچھ نہیں بلکہ کچھ بھی نہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ وَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَیٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا ③

ترجمہ: ”اور انہوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ اپنی ذات کے لیے نقصان اور نفع کے مالک نہیں اور موت اور زندگی اور دوبارہ اٹھنے کے بھی مالک نہیں۔“

مشرکین کے معبودوں کی حقیقت

یہ آیت مشرکین کے خداؤں کے بارے میں ہے اور مشرکین کو متنبہ کیا ہے کہ جن کو تم نے اپنے لیے معبود بنا رکھا ہے اور جنہیں تم نے الوھیت کی صفت دے رکھی ہے ان کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، ان میں الوھیت کی کوئی ایک وصف بھی موجود نہیں، وہ کسی چیز کو خلق کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، وہ خود بھی مخلوق ہیں، وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں نہ

اپنے لیے نفع رکھتے ہیں نہ اپنے لیے نقصان، نہ اپنی موت کے مالک ہیں اور نہ ہی زندگی کا اختیار ان کے پاس ہے اور نہ ہی حشر و نشر کا اختیار رکھتے ہیں۔ مخلوقات کو زندہ کرنے کا ان کے پاس اختیار نہیں ہے تاکہ وہ اپنی عبادت کرنے والوں کو جب چاہے مار دیں جب چاہیں انہیں زندہ کر دیں، ان کے پاس کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ جب ایسا ہے تو اے مشرکین تمہارے معبودوں میں الوھیت اور ربوبیت کی صفات میں سے کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ الہ اور ربوبیت کے اوصاف اللہ ہی میں ہیں لہٰذا اللہ ہی رب ہے تم اسی کی عبادت کرو۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ﰳافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚ﴿۴﴾

ترجمہ: ''اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو محض جھوٹ ہے جسے اس نے بنالیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے، پس وہ بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔''

عربی کافروں کی باتیں

مشرک اور غیر مشرک عرب کفار کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) قرآن انحرافی بیان کے سوا کچھ نہیں، یہ جھوٹ کا پلندہ اور خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلام ہے، وہ اسے خدا کی طرف نسبت دے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں اہل کتاب کی ایک جماعت نے ان کی (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کی مدد کی اور وہ اس پر ایمان لے آئے۔ کافروں نے اپنی اس گفتگو سے ظلم و ستم کیا اور جھوٹی

بات پھیلائی۔[1]

وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ﴿۵﴾

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس نے لکھ رکھا ہے پس وہی اس پر صبح اور شام پڑھی جاتی ہیں۔''

کافروں کی بات کا تسلسل

کافروں نے مزید کہا کہ جو محمد ﷺ بیان کر رہے ہیں یہ ماضی کے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں اور قرآن ایسی ہی خرافات پر مشتمل ہے۔ جو لوگ ان (محمدؐ) کی مدد کرتے ہیں وہی ان افسانوں اور کہانیوں کو آہستہ آہستہ لکھتے ہیں پھر اسی تھوڑے سے لکھے ہوئے کو انہیں (محمدؐ) بتا دیتے ہیں تاکہ وہ یاد کرلیں اور پھر اسے آگے لوگوں کے درمیان بتا دیں اور یہ کہیں کہ جو میں تمہیں بتا رہا ہوں یہ اللہ کا کلام ہے۔

قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۶﴾

[1]۔ روایات میں آیا ہے کہ آیت میں ''قوم آخرون'' سے ''عداس'' جو حوطیب بن عبد العزی کا غلام اور یسار علا بن حضرمی کا غلام اور ''جبیر'' عامر کا غلام مراد ہیں۔ یہ تینوں اہل کتاب میں سے تھے، انہوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنا تو آپ پر ایمان لے آئے۔ کافروں نے اس کا حوالہ دیا کہ ایک جماعت نے اس جھوٹ پر محمد ﷺ کی حمایت کی اور ان پر ایمان لے آئے۔

ترجمہ: ''کہہ دو کہ اسے تو اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

کافروں کے طعنوں کا جواب

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو خطاب کیا ہے تاکہ کافروں کے طعنوں اور الزامات کا جواب دیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ قرآن نہ تو اللہ پر افتراء ہے اور نہ ہی افسانہ اور گذشتگان کی کہانیوں پر مشتمل ہے جس کا حقیقت سے تعلق نہ ہو بلکہ قرآن ایک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے، اللہ جو آسمانوں اور زمین کے خفیہ رازوں کو جانتا ہے اور ان کے باطن سے آگاہ ہے، ایسا خدا ان کافروں کے اسرار سے بھی واقف ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کی فطرت اور باطن میں تو یہ گنجائش ہے کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت انہیں شامل ہو اور وہی ان کے باطن اور ان کی فطرت ان کی سعادت و خوش بختی کا تقاضا کرتی ہے اور سعادت کی حقیقت دُنیا اور آخرت کی کامیابی سے عبارت ہے کیونکہ اللہ سبحان غفور و رحیم ہے۔ جو کچھ وہ اپنی فطرت اور باطن کی زبان سے طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کیا ہے اور ان کی سعادت اور ہدایت کے لیے انتظام کیا ہے اور وہ قرآن ہی ہے اگر یہ کافر قرآن کی دعوت کو قبول کرلیں تو اللہ کی مغفرت اور رحمت ان کے شامل حال ہو جائے گی اور یہ کامیاب ہوں گے اور اگر سرپیچی کریں تو پھر یہ لوگ سعادت اور ہدایت سے محروم ہو جائیں گے۔

لہٰذا قرآن اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے بیانات میں تضاد اور ٹکراؤ ہوتا۔ کبھی تو انہیں خیر و سعادت، مغفرت اور رحمت کی طرف دعوت دیتا اور کبھی نقصان کی طرف دعوت دیتا جو سزا کا موجب ہوتا۔ ایسا نہیں ہے، قرآن ہدایت ہے، قرآن سعادت کا ضامن ہے، قرآن رحمت و مغفرت ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: ”اور کہتے ہیں اس رسول کو کیا ہو گیا کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی ڈرانے والا ہوتا۔

اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

ترجمہ: ”یا اس کے پاس کوئی خزانہ آ جاتا یا اس کے لیے باغ ہوتا جس میں سے کھاتا، اور بے انصافوں نے کہا کہ تم تو بس ایک ایسے شخص کے تابع ہو گئے جس پر جادو کیا گیا ہے۔“

کافروں کے طعنے

کفار مسلسل رسول اللہ ﷺ کا انکار کرنے پر تلے تھے، طعنے پر طعنے دیتے تھے انہوں نے کہا کہ اگر یہ رسول ہے تو پھر ایسا کیوں ہے کہ یہ کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے لیے آسمان سے کوئی فرشتہ بھی نہیں آیا جو ان کے ہمراہ ہوتا اور وہ ڈرانے والا ہوتا۔ جب یہ سب کچھ نہیں ہے تو پس وہ رسول نہیں ہے۔

پھر کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے رسول ہیں تو پھر ان پر آسمان سے کوئی پیسوں کا خزانہ کیوں نہیں پھینکا جاتا۔ اس طرح اسے مادی احتیاج نہ رہتی اور وہ بازاروں میں کاروبار کے لیے نہ جاتا۔ یا ایسا کیوں نہیں ہے کہ ان کے لیے ایک باغ ہوتا کہ جس سے وہ کھاتا پیتا، اس کے

محصولات سے اپنے اخراجات پورا کرتا۔ یہ تو ایسا رسول ہے جو عام لوگوں کی طرح اپنی ضروریات کو پورا کرنے پر مجبور ہے کہ کچھ کاروبار کرے، فرشتے بھی ان کے ہمراہ نہیں، ان کے پاس کوئی خزانہ بھی نہیں!

ان کافروں نے اپنے الزامات اور طعنوں کی انتہاء کر دی کہ یہ شخص (محمدؐ) مسحور ہے (سحر شدہ ہے) اور مومنوں کو کہتے ہیں کہ تم اس کی (محمدؐ) پیروی مت کرو، اس پر جادو ہوا ہے۔ بعض جادوگروں نے ان پر جادو کر دیا ہے اور وہ اس وجہ سے خیال کرتا ہے کہ اس پر آسمان سے وحی اُترتی ہے جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩﴾

ترجمہ: ''دیکھو تو تمہارے لیے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں پس وہ ایسے گمراہ ہوئے کہ راستہ بھی نہیں پا سکتے۔''

کافروں کے اقدامات پر تبصرہ

کافروں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو کچھ کہا اس پر اس آیت میں تبصرہ کیا گیا ہے کہ اے رسولؐ یہ لوگ گمراہ ہو چکے ہیں، تیرے خلاف کیسی کیسی مثال تلاش کر کے لے آئے ہیں اور ان مثالوں سے چاہتے ہیں وہ یہ ثابت کریں کہ تو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ حقیقت نہیں ہے۔ اب ان کی ہدایت کی اُمید نہیں ہے۔ اس گمراہی کے ہوتے ہوئے یہ لوگ حق کے راستہ کی طرف واپس نہیں پلٹ سکتے کیونکہ ان کی منطق یہ ہے کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے، یہ بازاروں میں جاتا ہے اس لیے ان میں رسالت کی صلاحیت نہیں ہے اور رسول کو ایک مسحور (سحر زدہ) شخص کہہ رہے ہیں اور کتاب الٰہی کو پہلوں کی کہانیاں کہتے ہیں۔ ان کے اوصاف کی روشنی میں ان کی ہدایت کی کوئی امید نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ہدایت کے مدمقابل نقطہ کو اختیار کیا ہے۔ یہ جس قدر آگے بڑھیں گے اتنی مقدار میں راہ حق سے دور تر ہوں گے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩

ترجمہ: ''بڑی برکت ہے اس کی جو چاہے تو تیرے لیے اس سے بہتر باغ بنا دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اور تیرے لیے محل بنا دے۔''

کافروں کے طعنوں کا جواب

یہ آیت نبی اکرم ﷺ پر دیے گئے کفار کے طعنوں کا جواب ہے جن میں وہ آپؐ کو سحر زدہ کہتے تھے۔ کہتے تھے کہ تیرے پاس خزانے ہونے چاہئیں، باغ ہونا چاہیے، فرشتے تیرے ہمراہ ہونے چاہئیں۔ اسی طرح کی اور باتیں جو وہ کرتے ہیں تو اللہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بزرگ ہے، اس کے لیے خیر و برکت ہے، اگر وہ چاہتا تو تیرے لیے اس سے برتر قرار دیتا اور ایسے باغات قرار دے دیتا کہ نہریں اس میں جاری ہوتیں اور خوبصورت اور بہت ہی بڑے بڑے محلات بنا دیتا کہ کوئی اس کی توصیف نہیں کر سکتا۔ سب چیزیں اس سے بہتر ہیں جو کچھ کافر چاہ رہے ہیں یا کہہ رہے تھے۔ اس آیت میں خطاب کی سمت کو موڑ دیا ہے، کافروں کو خطاب نہیں کہ وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان سے بات کی جائے۔ اس لیے یہ بات رسول سے کہی گئی ہے کہ وہ خود ہی ان باتوں کے غلط اور باطل ہونے سے آگاہ و واقف ہیں، فقط رسول اللہ ﷺ کو تسلی و تشفی دی گئی کہ ان کی فرضی بات سے پریشان نہ ہوں، یہ گمراہ ہو چکے ہیں اور اپنی سعادت کی راہ کھو بیٹھے ہیں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ⑪

ترجمہ: ''بلکہ انہوں نے تو قیامت کو جھوٹ سمجھ لیا ہے اور ہم نے اس کے لیے آگ تیار کی ہے جو قیامت کو جھٹلاتا ہے۔''

اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۭ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيۡرًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: "جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو اس کے جوش و خروش کی آواز سنیں گے۔"

وَ اِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ: "اور جب وہ اس کے کسی تنگ مکان میں جکڑ کر ڈال دیے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔"

لَا تَدۡعُوا الۡيَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا وَّ ادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا كَثِيۡرًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: "آج ایک موت کو نہ پکارو اور بہت سی موتوں کو پکارو۔"

کافروں کا انجام

کافروں کے اعتراضات اور طعنے سب بہانے تھے۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ پیغمبر کا مذاق اڑا کر اور انہیں طعنے دے کر ان کی دعوت کو اس لیے ٹھکرا رہے تھے کہ یہ لوگ قیامت کے قائل نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یوم جزاء نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دھمکایا ہے کہ جو بھی قیامت کی گھڑی کا انکار کرے تو ان کے واسطے ہم نے بھڑکتی دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

آگ کی کیفیت

جس آگ کو قیامت کے منکروں کے لیے تیار کیا ہے اس آگ کے شعلے آسمانوں کو چھو رہے ہوں گے۔ آگ کے بھڑکنے کی آوازیں آرہی ہوں گی، شور ہو گا، جس طرح غضبناک شخص شور مچا رہا ہے۔ پہاڑوں جیسے انگارے اور بلند ہوتے ہوئے شعلے اپنی طرف کافروں کو کھینچ رہے ہوں گے۔

آگ کے شعلے دیکھ کر کفار کا اظہار

کافروں کو جب اپنے سامنے آگ کے پہاڑ نظر آئیں گے، شعلے ہوں گے، آگ کا شور ہو گا، دور سے آگ کے بھڑکنے کی آوازیں ان کے کانوں میں گونج رہی ہوں گی، اسی حالت میں کافر زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونگے، ہاتھ بندھے ہوئے انہیں اس بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینکا جائے گا تو وہ آرزو کریں گے اور کہیں گے اے کاش! ہم ہلاک ہو جاتے اور اس آگ میں نہ پھینکے جاتے۔ ان سے کہہ دیں کہ ان کی خواہش پوری ہونے والی نہیں بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ آج تم ایک بار نہیں، کئی بار موت کی آرزو کرو لیکن اب تم اس عذاب سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکو گے۔ اس شور مچانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، آج روز جزاء ہے۔ یہ قیامت کا دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔ آج عمل نہیں، تم اب ایک بار اپنی ہلاکت کی آرزو کرو یا بار بار یہ آرزو کرو، تو اس کا تمہیں کچھ فائدہ نہ ہو گا، تمہارا عذاب ابدی اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ یہ واویلا تو ہر وقت جاری ہے گا، اس جگہ جس نوعیت کا عذاب تمہیں آئے تو تمہارا واویلا اور شور اور بڑھ جائے گا۔

ان آیات میں کافروں کو بتایا گیا کہ سخت قسم کا عذاب تمہارے انتظار میں ہے اور روز جزا حتمی ہے۔ اس وقت کی پشیمانی تمہیں فائدہ نہ دے گی۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّ مَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''کہہ دو کیا یہ بہتر ہے یا وہ بہشت جس کا پرہیزگاروں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے، جو ان کا بدلہ اور ٹھکانہ ہو گی۔''

کافروں سے سوال

اس آیت میں کافروں کو بتا دیا گیا کہ تم نے جو راستہ اپنے لیے چن لیا ہے اس کا انجام آتش جہنم میں پھینکا جانا ہے اور آگ کی کیفیت کو بیان کر دیا گیا۔ اس بیان کے بعد رسول اللہ ﷺ سے

کہا گیا کہ اب ان سے سوال کرو کہ اب تم بتاؤ تمہارے لیے اس آگ میں جلنا بہتر ہے یا وہ جنت الفردوس جس کا متقیوں کے لیے وعدہ دیا گیا ہے جس میں سکون و آرام ہو گا، جس میں ہمیشہ رہنا ہے، سبزہ ہو گا، شادابی ہو گی، باغات ہوں گے، خوشی اور مسرت کے سارے اسباب ہوں گے؟ یہ جگہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے ہے، اب خود فیصلہ کرکے بتاؤ کہ تمہارا ٹھکانہ بہتر ہے یا تقویٰ اپنانے والوں کا؟

سورۃ الحجر آیت: ۴۵ میں ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ؕ﴿۴۵﴾

بتحقیق تقویٰ اپنانے والے باغات میں اور چشموں بھری سرزمین پر ہوں گے۔ ایسی جنت ہے جس میں چشمے جاری ہوں گے جو اس کی خوبصورتی کو اور بڑھا رہے ہوں گے۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: "وہاں انہیں جو چاہیں گے ملے گا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ وعدہ تیرے رب کے ذمہ ہے جو قابلِ درخواست ہے۔"

اہل تقویٰ کا ٹھکانہ بہشت ہے

جو اہل تقویٰ ہیں اللہ انہیں بہشت کا مالک بنادے گا، اللہ کی طرف سے انہیں یہ سب کچھ عطا ہو گا، اس میں اہل تقویٰ کی ہر خواہش پوری کی جارہی ہو گی۔ یہ بات معلوم ہے کہ اہل تقویٰ وہی چاہتے ہیں جو اللہ کی رضا ہوتی ہے اور یہ وہی سعادت اور خیر ہے جس کے وہ مستحق ٹھہرے ہیں۔ اہل تقویٰ اس کمال کو پالیں گے، انہیں کوئی نقصان نہ ہو گا جبکہ جو جہنمی ہیں ان کے بارے ہے:

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ (سورۂ سبا، آیت: ۵۴)

"اور ان میں اور ان کی خواہش میں آڑ کر دی جائے گی۔"

الٰہی وعدہ کا پورا ہونا

آخر میں بیان کیا کہ یہ وہ وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے متقی بندوں کو دیا تھا اور اللہ نے خود بھی اپنے اوپر لازم قرار دیا کہ وہ اسے پورا کرے۔ اہل تقویٰ زبان حال سے کہیں گے کہ اے رب جو تو نے ہمارے لیے وعدہ دیا تھا اسے پورا فرمادے یا فرشتوں نے رب تعالیٰ سے یہ درخواست کرنی ہے کہ اے رب تو نے جو وعدہ اہل تقویٰ کے لیے دیا تھا اسے پورا فرمادے جیسا کہ اور جگہ ارشاد ہے:

رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ (سورہ مومن، آیت ۸)

"اے ہمارے رب! اور انہیں بہشتوں میں داخل کر جو ہمیشہ رہیں گی"

بہر حال جنت میں داخلہ کی درخواست خود اہل تقویٰ کی اللہ سے ہو گی یا فرشتے ایسی درخواست اللہ سے کریں گے۔ یہ وہ وعدہ ہے جس نے پورا ہونا ہے اور اہل تقویٰ کو جنت الفردوس میں داخلہ ملنا ہے۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِىْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: "اور جس دن انہیں اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے تو فرمائے گا کیا تم ہی نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود راستہ بھول گئے تھے۔"

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِىْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”کہیں گے تو پاک ہے ہمیں یہ کب لائق تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو کارساز بناتے لیکن تو نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک آسودگی دی تھی کہ وہ یاد کرنا بھول گئے، اور یہ لوگ تباہ ہونے والے تھے۔“

جھوٹے معبودوں سے سوال اور ان کا جواب

قیامت کا دن ہوگا، اس میں سب محشور ہوں گے، کافر و مشرک بھی حاضر ہوں گے اور انہوں نے اللہ کے سوا جن جن کو اپنے لیے معبود بنایا تھا وہ بھی قیامت کے دن موجود ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر پوچھے گا کہ تم یہ بتاؤ کہ ان سے تم نے کہا تھا کہ وہ میرے سوا تمہاری عبادت کریں اور تم نے انہیں گمراہ کیا یا یہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے اور انہوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی کا انتخاب کیا؟ مشرکین کے معبود اللہ کے حکم سے گویا ہوں گے اور اس سوال کا جواب دیں گے کہ اے ہمارے رب! توں بہتر جانتا ہے تیری ذات پاک و منزہ ہے کہ تیرا کسی کو شریک بنایا جائے، ہمارے لیے تو یہ بات صحیح نہیں تھی کہ ہم تیرے سوا کسی کو اولیاء بنائیں کیونکہ یہ بات غیر عقلائی تھی۔ عبادت تیری ذات کے لیے خاص ہے، تیری ذات کو چھوڑ کر کسی کی عبادت کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ غیر عاقلانہ ہے۔ ان مشرکین نے خود ہی ہمیں اپنا معبود بنالیا اور ہماری پرستش شروع کر دی اور تجھے چھوڑ کر انہوں نے ہمیں اپنا ولی اور سرپرست بنالیا، یہ ان کی حماقت تھی۔

مشرکین کی گمراہی کا سبب

ان کے من گھڑت معبود یہ بھی کہیں گے کہ اے بار الٰہا! تو نے انہیں اور ان کے آباء کو بے حساب نعمتوں سے نوازا اور ان نعمات کی وجہ سے تو نے انہیں آزمایا، وہ اس قدر ان نعمتوں میں مست اور غرق تھے کہ تیری یاد کو بھلا دیا اور تو نے ان کی ہدایت کے لیے جو رسول بھیجے ان کی بات کو نہ مانا اور تیرے پاس آنے کو بھول گئے اور شرک اختیار کرلیا۔ وہ ان بداعمالیوں

اور غلط انتخاب اور نفسانی خواہشات میں غرق ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، فساد میں جا پڑے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ”سو تمہارے معبودوں نے تمہاری باتوں میں تمہیں جھٹلا دیا سو تم نہ تو ٹال سکتے ہو اور نہ مدد دے سکتے ہو، اور جو تم میں سے ظلم کرے گا ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔“

کافروں کے لیے سخت عذاب

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں سے کہا جائے گا جن کو تم نے اپنا معبود بنالیا تھا وہ بھی اس جگہ موجود ہیں اور وہ اس بات کی نفی کر رہے ہیں کہ انہوں نے تمہیں کہا ہو کہ تم انہیں اپنا معبود بناؤ۔ جو کچھ تم ان کے بارے کہا کرتے تھے کہ یہ انسانوں سے تکالیف کو دور کرنے پر قادر ہیں اور ان کی مدد پر قدرت رکھتے ہیں، انہوں نے اس سب کو جھٹلا دیا ہے، اب تم اپنے لیے کیا کر سکتے ہو، جن کو اپنا مددگار سمجھا تھا وہ انکاری ہو گئے اور وہ تمہاری مدد کی قدرت بھی نہیں رکھتے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے تجھ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں

میں بھی چلتے پھرتے تھے، اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا، کیا تم ثابت قدم رہتے ہو، اور تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔"

رسولوں کی باہمی مشابہت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مصطفیٰ ﷺ کو خطاب کرکے کہا ہے کہ آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے گئے ہیں وہ بھی آپ کی طرح تھے، غذا کھاتے تھے کاروبار کرتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے، جس طرح اور لوگ زندگی گزارتے ہیں وہ بھی اسی طرح زندگی گزارتے تھے، لوگوں کے درمیان رہتے تھے۔ اسی بات کو کافروں کے لیے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے کہا گیا:

"قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ" (سورہ احقاف، آیت ۹)

ترجمہ: "اے رسول ان سے کہہ دو میں کوئی رسولوں میں نیا رسول نہیں ہوں۔"

جیسے پہلے رسول تھے، اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے، بازاروں میں آتے جاتے تھے، غذا کھاتے تھے، میں بھی اسی طرح ہوں۔ ایسا رہن سہن دعوت پہنچانے میں رکاوٹ نہیں ہے، اس بات کی حکمت یہ ہے کہ ہم نے بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں کے لیے آزمائش و امتحان قرار دیا ہے منجملہ رسول بھی لوگوں کے لیے امتحان کا ذریعہ ہیں۔ ان کے وسیلہ سے اہل حق اہل باطل سے جدا ہوتے ہیں، اطاعت گذار معصیت کاروں سے جدا ہوتے ہیں پھر ایک سوال کیا کہ تم اس پر صبر کر سکتے ہو، اس صبر سے مراد اس کی تمام اقسام ہیں، مصائب کی تلخی پر صبر، اللہ کی اطاعت پر صبر، اللہ کی معصیت چھوڑنے پر صبر، بہر حال آپ یہ بات جان لو کہ تیرا رب بینا ہے وہ ہر امر میں جو صحیح و درست ہے اس سے آگاہ ہے ہر امر کو مناسب موقع پر اور مناسب جگہ پر جاری کرتا ہے۔ پورے جہان کا ہر لحاظ سے کامل نظام جاری و ساری ہے، اس میں کسی قسم کا خلل و رخنہ نہ ہے نظام کون و مکان کا ہدف ہر فرد کو کمال تک پہنچانا ہے۔

سعادت کے راستہ پر چل کر اپنے اختیار سے کمال کو حاصل کرنا ہے، اگر شقاوت و بدبختی کسی کے لیے ہے تو اس کی وجہ ان کا اپنا غلط انتخاب ہے اس امر کا لازمہ یہ ہے کہ امتحان سب کا ہے ان میں انبیاء کا امتحان بھی ہے اس سے کسی کو استثناء حاصل نہیں ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”اور ان لوگوں نے کہا جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ بھیجے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے، البتہ انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور بہت بڑی سرکشی کی ہے۔“

معاد کے منکرین کی باتیں

جو لوگ معاد کا انکار کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کی جانب بازگشت کو قبول نہیں کرتے، وہ کہتے تھے فرشتے ہمارے اوپر نازل کیوں نہیں ہوتے، یا ہم اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھ پاتے تاکہ ہم تیری رسالت کی تصدیق کریں۔

ان کی گفتار کا مضمون یہ ہے کہ اگر فرشتہ ایک انسان پر نازل ہو سکتا ہے تو ہم بھی تو انسان ہیں، لہٰذا ہم میں سے کسی پر فرشتہ کیوں نہیں آتا؟ وہ پیغمبر سے گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ آپ کا رب ہے اور وہ تجھ سے محبت کرتا ہے اسی وجہ سے اس نے تمام انسانوں میں سے آپ کا انتخاب کیا ہے تو اللہ ہمارا رب بھی تو ہے پھر اللہ ہمارے ساتھ بات کیوں نہیں کرتا اور خود کو ہمیں کیوں نہیں دکھاتا؟

اللہ تعالیٰ ان کی گفتار کے بارے فرماتا ہے: ” بتحقیق میں قسم اُٹھا کر کہتا ہوں کہ ان کو اس کا کوئی حق نہیں جو یہ بات کر رہے ہیں۔ انہوں نے بہت بڑی بات کر ڈالی اور انہوں نے بڑی

سرکشی کی ہے"۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

ترجمہ: "جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی نہیں ہوگی اور کہیں گے آڑ کر دی جائے۔"

قیامت کے دن معاد کے منکروں کی پریشانی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے دیدار کی خواہش کرتے ہیں تو یہ فرشتوں کو قیامت کے دن دیکھیں گے لیکن اس دن ان کا فرشتوں کو دیکھنا ان کے فائدے میں نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے وہ خوش ہوں گے بلکہ ان کی پریشانی دیدنی ہوگی کیونکہ اس دن ان کے سامنے عذاب جہنم ہوگا اور آگ کے بھڑکتے شعلے ان کی طرف آرہے ہوں گے۔ اس جگہ یہ فرشتوں سے کہیں گے ہمیں پناہ دے دو۔ فرشتے ان سے کہیں گے یہ دن پناہ کا نہیں ہے، تمہارے لیے آج بہشت کی بشارت سننا حرام ہے، بہشت میں تمہارا داخلہ ممنوع ہے۔ (رُوح المعانی، ج۱۹)

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: "اور جو عمل انہوں نے کیے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے پھر انہیں اڑتی ہوئی خاک کر دیں گے۔"

مشرکین کے اعمال

"عمل" ہر وہ کام جس کو جاندار ارادہ کے ساتھ انجام دیتا ہے۔

"ھباء" بہت زیادہ نرم خاک یا غبار کے معنی میں ہے۔

"منثور" پھیلا ہوا۔

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے قیامت کے دن ان کے تمام اعمال کو لایا جائے گا لیکن اس عمل کا نتیجہ ان کے لیے آخرت میں کچھ بھی نہ ملے گا۔ ان کے سارے اعمال کو ہواء میں اس طرح اڑا دیں گے کہ جیسے پھیلا ہوا غبار، ان کے اعمال کا کچھ اثر وہاں نہ ملے گا کیونکہ ان کے اعمال کی بنیاد غیر الٰہی تھی، قہر الٰہی ان کے سارے اعمال پر غالب آجائے گا ان کے اعمال باطل ہو جائیں گے۔ سب اعمال حبط و ضبط کر لیے جائیں گے یہی وجہ ہے کہ انکے اعمال کے لیے قیامت کے دن ترازو بھی نصب نہ ہو گا۔

اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یَوۡمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّ اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: "اس دن بہشتیوں کا ٹھکانا بہتر ہوگا اور دوپہر کی آرام گاہ بھی عمدہ ہو گی۔"

اہل بہشت کے لیے آرام و سکون

اہل بہشت سے مراد وہی متقین ہیں۔ اللہ فرمارہا ہے کہ ان کی رہائش کے لیے بہترین جگہ ہے، ان کی استراحت کی جگہ بہت ہی خوبصورت ہے، یہ لوگ آرام و سکون میں ہوں گے جبکہ جو اہل جہنم ہیں اور وہ وہی ہیں جنہوں نے دُنیا میں اللہ کا شریک ٹھہرایا اور دعوت الٰہی کو قبول نہ کیا، ان کے اعمال کا لازمہ آتش جہنم ہے۔ اُنہوں نے اپنے عقیدہ اور عمل سے دوزخ کی آگ کو بہشت پر ترجیح دی۔ اُنہوں نے اپنے لیے آگ ہی کو اچھا جانا جبکہ بہشت اور ایمان کو کفر پر ترجیح دینا ان کے لیے بہتر تھا۔ عقلمند انسان پر ہے کہ وہ بہشت کو دوزخ پر ترجیح دے اور دُنیا میں اپنے اعمال کو ایسی بنیاد پر منظّم کرے کہ قیامت کے دن اس کا ٹھکانہ اور استراحت گاہ بہشت قرار پائے۔

وَ يَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَ نُزِّلَ الۡمَلٰٓئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائے گا اور فرشتے بکثرت اتارے جائیں گے۔''

اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ وَ كَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اس دن حقیقی حکومت رحمان ہی کی ہوگی، اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔''

قیامت کے دن بارے

قیامت کے متعلق بیان کیا جارہا ہے کہ اس دن آسمان پر بادل نظر آئیں گے اور آسمان اپنے بادلوں سمیت پھٹ پڑے، گویا کہ آسمان کے بند دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ فرشتے جو آسمان کے رہائشی ہیں وہ اُتریں گے، کافر انہیں دیکھیں گے۔ شاید یہ بات اس سے کنایہ ہو کہ جہالت کے پردے ہٹ جائیں گے اور غیب کا جہان کھل کر سامنے آجائے گا اور اہل آسمانوں جو کہ فرشتے ہیں وہ آشکار وظاہر ہو جائیں گے۔ قیامت کے دن مملکت واقتدار رحمٰن کے لیے ہوگا اور برحق ہے جو اللہ کے لیے ثابت ہے کیونکہ اس دن سارے طبیعی اسباب ساقط ہو جائیں گے۔ اسباب اور مسببات کے درمیان جو روابط ہیں وہ بھی ٹوٹ جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں جو تملیک کی تھی اور مالکیت کے اسباب قرار دیئے تھے یہ سب ختم ہو جائیں گے۔ اگرچہ دُنیا میں بھی ان اسباب کے لیے استقلال نہ تھا اس کی تاثیر اللہ ہی کی طرف سے تھی۔ دُنیا میں بھی مطلق حکومت اللہ ہی کی تھی لیکن یہ حقیقت قیامت کے بعد زیادہ آشکار ہو جائے گی۔

اس کے بعد فرمایا کہ کافروں کے لیے وہ دن بہت ہی دشوار اور مشکل ہوگا کیونکہ کافر جب تک دُنیا میں موجود تھے اصلی سبب جو کہ اللہ کی ذات تھی اس سے غافل تھے اور فقط ظاہری اسباب

پر اعتماد کرتے تھے اس دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ اس کو دیکھ لیں گے کہ ان کے لیے کوئی پناہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی سہارا ہے۔

وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا کہے گا اے کاش میں بھی رسول کے ساتھ راہ چلتا۔''[1]

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔''

لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ؕ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''اسی نے تو نصیحت کے آنے کے بعد مجھے بہکا دیا، اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہی ہے۔''

قیامت کے دن ظالموں کی کیفیت

قیامت کا دن ان کافروں پر بہت ہی سخت ہو گا جنہوں نے شرک کا راستہ اپنا کر اپنے اوپر ظلم کیا۔

---

[1]۔ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ ''سبیل'' سے حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں۔ لیکن یہ احادیث قرآن کے باطن کے متعلق ہیں۔ یا ان کو آیت کے مصداق پر تطبیق قرار دیا جا سکتا ہے۔

جب یہ لوگ قیامت میں اپنے سامنے عذاب کا مشاہدہ کریں گے تو اس وقت انہیں سب کچھ عیاں ہو جائے گا کہ ہم نے دُنیا میں رسولؐ کی بات کو قبول نہ کیا اور ہدایت کے راستہ پر نہ آئے۔ رسول ہر پیغمبر الٰہی سے مراد لیا جاتا ہے۔ اس آیت میں رسول اسلام ﷺ مراد لیا گیا ہے۔ ظالم اس دن بہت ہی پشیمان ہو گا اور اس حالت میں اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا: میں اے کاش! میں نے رسول تک اپنے لیے راستہ بنایا ہوتا تو مجھے ہدایت کا راستہ مل جاتا اور میں گمراہ نہ ہوتا۔ وائے ہو مجھ پر کہ میں ہلاک ہو گیا، برباد ہو گیا، کاش میں نے فلاں کو اپنا ساتھی نہ بنایا ہوتا۔

اس جگہ اسے وہ تمام افراد یاد آئیں گے جو سبب بنے تھے کہ وہ حق کے راستہ کو چھوڑ دے۔ اس لیے قیامت کے دن ظالم کہے گا کہ کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔[1] اسے وہاں پر پتہ چل جائے گا کہ اب اسے کوئی بچانے والا نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے عذاب سے فرار کی کوئی پناہ گاہ ہے۔ اسی لیے اس کی ندا وائے ہو مجھ پر (یعنی اپنے آپ پر ملامت کرنے) سے ہو گی پھر کہے گا جو میرا دوست تھا اس نے مجھے ذکر سے غافل رکھا یعنی قرآن سے دُور رکھا اور میں نے رسولوں کے بتائے ہوئے راستہ کو چھوڑ دیا۔

اس جگہ ذکر عام ہے اس سے تمام آسمانی کتابیں اور بالخصوص قرآن مراد لیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے ظالم جب ایسا کہیں گے تو ان کی مراد قرآن ہی ہو گا۔ بعد والی گفتگو کافروں کی بھی ہو سکتی ہے اور یہ ہو سکتا ہے یہ بیان خود اللہ کی طرف سے جاری ہو کہ شیطان انسان کی رسوائی کا سبب ہے کیونکہ اس نے دنیا میں انسان کو وعدہ دیا تھا کہ اگر تم ظاہری اسباب سے چمٹے رہو گے اور اپنے رب کو بھلا دو گے تو تجھے کچھ بھی مصیبت نہ آئے گی اور میں ہی تمہیں نجات دُوں گا۔ لیکن جیسے ہی یہ اسباب ختم ہوں گے تو شیطان انسان کی مدد سے ہاتھ

---

[1] ۔ تفسیر روح المعانی ج ۱۹ میں آیا ہے کہ فلاناً سے شیطان مراد ہے۔ اور شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اس سے خلفاء ثلاث مراد ہیں۔ (مصحح)

اٹھالے گا اس سے بے وفائی کرے گا۔[1]

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾

ترجمہ: ”اور رسول کہے گا اے میرے رب بے شک میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا۔“

قرآن کو چھوڑنے کا شکوہ

قیامت کے دن جب سب کا حساب لیا جارہا ہوگا تو اس مقام پر رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ایک شکوہ درج کروائیں گے اور وہ اس طرح ہے کہ آپ فرمائیں گے اے میرے رب! میری قوم (اس سے مراد آپ کی اُمت بالعموم اور عرب بالخصوص) نے قرآن کو چھوڑ دیا، قرآن کے بیانات پر توجہ نہ دی، جو احکام اور قوانین بیان کیے گئے ان پر عمل نہ کیا۔ اس سے یہ بات سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ قرآن کو متروک کر دینا بہت بڑا جرم ہے جو قرآن پر توجہ نہیں دیتے، قرآنی احکام پر عمل نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے خلاف خود رسول اللہ ﷺ شاکی ہوں گے۔ آپؐ نے اپنی اُمت کے سامنے واضح فرمایا تھا کہ میں تمہارے درمیان قرآن اور اہل بیت علیہم اسلام چھوڑ کر جارہا ہوں، قرآن اللہ کی کتاب ہے، اہل البیتؑ اس قرآن کے معلّمین ہیں، یہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، ایک کو چھوڑنا دوسرے کو چھوڑنا ہے۔ جن کی شکایت رسول اللہ ﷺ کریں پھر نجات کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔

---

[1] ۔ جیسا سورہ ابراہیم آیت ۲۲ میں ہے کہ شیطان کہے گا: ”مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ“ آج نہ تو تم مجھے چیخ کر بلاؤ مدد کے لیے اور نہ ہی میں تمہیں بلاتا ہوں یعنی میں تمہارا نجات دھندہ نہیں ہوں اور نہ ہی تم میرے نجات دھندہ ہو، ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اور ہم اسی طرح مجرموں کو ہر ایک نبی کا دشمن بناتے رہے ہیں اور ہدایت کرنے اور مدد کرنے کے لیے تیرا رب کافی ہے۔''

اللہ کی سنت جاریہ

اللہ تعالیٰ کا ایک عام قانون اور سنت جاری ہے کہ اس نے ہمیشہ ہر نبی کی قوم کے مجرموں کو اپنے انبیاء کا دشمن قرار دیا یعنی ہر نبی کو ایسا ہی سامنا رہا کہ انہوں نے تبلیغ کا عمل شروع کیا تو ان کے مقابلہ میں ان ہی کی قوم کے افراد میدان میں آگئے اور ان سے دشمنی کی کیونکہ جبراً کسی کو آمادہ نہیں کیا گیا کہ وہ نبی کی دعوت کو قبول کرے۔ یہ ایک رائج قانون ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے تو رسول اسلام کو بھی اسی کا سامنا ہے لہٰذا مشرکین کی دشمنی سے رسول اللہؐ کو ہراساں نہیں ہونا چاہیے کیونکہ:

۱۔ یہ آپؐ کے ساتھ ہی نہیں ہو رہا ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

۲۔ دشمنوں اور مخالفین کے نجات و ہدایت نہ پانے سے پریشان نہ ہوں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی کے لیے کافی ہے لوگوں میں سے جس کے پاس لیاقت ہے اور ہدایت کا استحقاق رکھتے ہیں تو اللہ اسے ہدایت دے دیتا ہے۔ اگرچہ آپ کے مخالفین اس کے خلاف سخت ترین اقدام ہی کیوں نہ کریں۔ ان کی تمام تر سازشوں کے باوجود جو ہدایت لینے کے قابل ہیں وہ ہدایت پا جاتے ہیں ان کو کوئی نہیں روک سکتا، اللہ کی نصرت اپنے نبی کے لیے کافی ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر یکبارگی قرآن کیوں نازل نہیں کیا گیا، اس طرح اتارا گیا ہے تاکہ ہم اس سے تیرے دل کو اطمینان دیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا۔''

قرآن کے بارے مشرکین کا بیان

عرب مشرکین نے طعنہ کے انداز میں یہ تجویز پیش کر ڈالی کہ یہ قرآن ایک ہی مرتبہ آپ پر نازل کیوں نہیں ہوا؟ جیسا کہ توریت اور انجیل ایک دفعہ نازل ہوئیں۔ اس تجویز سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آسمانی کتابیں تو اکٹھی اترتی رہی ہیں، یہ قرآن کس طرح آسمانی کتاب ہو سکتی ہے کہ یہ تو تھوڑی تھوڑی اُتر رہی ہے۔ ایک مرتبہ اسے نہیں اُتارا گیا اس کے تمام اجزاء ایک مرتبہ نازل ہوتے تو یہ ثبوت ہوتا کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے، اب جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ہر موقعیت اور مناسبت سے اس کی آیات اُترتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کو خود رسول اللہ ﷺ نے تیار کیا ہے اس طرح اس نے اپنے ساختہ پرداختہ جھوٹ کو اللہ کی طرف نسبت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اے میرے پیارے ہم نے اس قرآن کو تدریجاً اور آہستہ آہستہ اس لیے اُتارا ہے تاکہ تیرا دل اس کے معارف سے محکم اور استوار ہو جائے اور ان معارف کو عملی صورت میں سیکھیں اور ان کے عملی آثار کا مشاہدہ کر پاؤ اس طرح ان کی معرفت میں اضافہ ہو جبکہ اس کے مطالب کا متفرق اُتارا جانا اس بات کا سبب نہ ہو گا کہ اس کے مطالب میں موافقت و ہم آہنگی موجود نہ ہو بلکہ ہم نے اسے حصوں اور اجزاء میں تقسیم کیا ہے لیکن ہم نے اسے پشت سر، ایک کے بعد دوسرے حصے کو نازل کیا ہے تاکہ اس کے اجزاء میں اتصال اور رابطہ منقطع نہ ہو اور اس کے اجزاء ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں تاکہ اس کے ارسال اور تعلیم کی غرض ضائع نہ ہو۔

وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور جو انوکھی بات تیرے سامنے لائیں گے ہم بھی تمہیں اس کا بہت ٹھیک جواب اور بہت عمدہ حل بتاتے ہیں۔''

اللہ کی اپنے رسولؐ کی حمایت کا اعلان

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لیے بیان کیا کہ میرے پیارے! یہ لوگ جب کوئی مثال لاتے ہیں یا تیرے بارے کوئی غلط بات کہتے ہیں جبکہ ان کے پاس اس کے متعلق کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ہوتا تو ہم تیرے لیے ان کی باتوں کے مدمقابل حق بات کو لے آتے ہیں۔ دلائل و ثبوت کے ساتھ بہترین تفسیر اور وضاحت کے ساتھ تیرے اختیار میں دے دیتے ہیں تاکہ آپ اس باطل کا توڑ پوری قوت کے ساتھ پیش کرو جو وہ آپ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے لاتے ہیں۔

ان دو آیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کے تدریجی نزول دو ہدف کے لیے ہے۔

۱۔ پیغمبر اکرم ﷺ کا دل مضبوط ہو۔

۲۔ ان اعتراضات اور اشکالات کے جوابات جو پیغمبر کے دشمن پیش کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''جو لوگ مونہوں کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے، یہی برے درجے والے ہیں اور بہت ہی بڑے گمراہ ہیں۔''

رسول اللہؐ پر اعتراضات کرنے والوں کا انجام

جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر طعنے کستے تھے آوازیں لگاتے، تہمتیں لگاتے، بے جا اعتراضات کرتے تھے، ان کا حوالہ اس آیت میں دیے بغیر ان کے انجام کو بیان کیا ہے کہ یہ لوگ منہ کے بل جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جائے جائیں گے، اُلٹے منہ ہوں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

یہ وہ لوگ ہوں گے جو گمراہی میں تھے اور معاد کا انکار کرتے تھے۔ قیامت کے دن ان کو منہ کے بل محشور کیا جائے گا اس طرح انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا ان کے منہ زمین کی جانب ہوں گے، منہ کے بل انہیں گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینکا جائے گا۔ سورہ قمر آیت ۴۸ میں ہے کہ اس دن انہیں جہنم میں ان کے چہروں کے بل گھسیٹا جائے گا۔[1]

تعبیر اس لیے ہے کہ یہ بتا جائے کہ انہیں انتہائی ذلت و خوارگی سے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ”اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ہم نے اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو وزیر بنایا۔“

فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”پھر ہم نے کہا تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائی ہیں پھر ہم نے انہیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔“

---

[1] سورۂ ملک آیت ۲۲ میں ہے: اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

موسیؑ اور ہارونؑ کا حوالہ

ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا حوالہ دیا ہے کہ جس طرح آج آپ کی قوم آپ کو جھٹلا رہی ہے اور آپ جو کتاب قرآن لائے ہیں اس کا انکار کر رہے ہیں تو ایسا پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب توریت دی اور ان کے ساتھ ان کا مددگار ہارونؑ کو قرار دیا پھر ان سے کہا کہ وہ جائیں اور فرعون اور اس کی قوم کو تبلیغ دین کریں اور انہیں حق کی دعوت دیں، لیکن جب وہ ان کے پاس گئے، دلائل، ثبوت بھی اپنے دعوؤں کے پیش کر دیئے لیکن انہوں نے ان کا انکار کیا، آسمانی کتاب کو قبول نہ کیا۔ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا۔ ان آیات سے مراد اللہ کی ربوبیت اور الوھیت کے اثبات کے دلائل ہیں۔ یہ آیات آفاقی بھی ہیں اور نفسی بھی ہیں، ان کافروں نے سب کا انکار کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب طریقہ سے ہلاک کر دیا اور انہیں سمندر میں اس لیے غرق کیا کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا تھا۔ آخرت میں بھی وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔

سورہ نوح آیت ۲۵:

مِمَّا خَطِيٓـَٔـٰتِهِمْ أُغْرِقُوا۟ فَأُدْخِلُوا۟ نَارًا

ترجمہ: ”وہ اپنے گناہوں کے سبب سے غرق کر دیے گئے پھر دوزخ میں داخل کیے گئے“۔

مشرکین کو متنبہ کرنا تھا کہ تم دعوت حق کا انکار کر رہے ہو، اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہو، رسول اللہؐ کی دعوت کو رَد کر رہے ہو تو تمہارا حشر بھی ان جیسا ہوگا جیسے تم سے پہلے لوگوں کا ہوا ہے۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚۖ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''اور نوح کی قوم کو بھی جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ہم نے انہیں لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا، اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔''

وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو بھی اور بہت سے زمانے جو ان کے درمیان تھے۔''

وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَ كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ہر ایک کو مثالیں دے کر سمجھایا تھا اور سب کو ہم نے ہلاک کر دیا۔''

پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا انجام

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بھی کچھ اور مثالیں دی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اپنے زمانے کے پیغمبر کی تکذیب کی اور ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دیا۔ ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے کیونکہ تمام رسولوں کی دعوت ایک ہی تھی کہ اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ کو چھوڑ دو۔ تمام پیغمبروں کا کلمہ توحید اور کلمہ حق پر اتفاق تھا، سب کی دعوت ایک خدا کے لیے تھی۔ انبیاء کے مقابل بت پرست اقوام تھیں جو نبوت و رسالت کا انکار کرتی تھیں، اسی بناء پر اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے سارے انبیاء کا انکار کیا۔ حضرت نوحؑ کے ماجرا کی

طرف اشارہ کیا اور پھر اس قوم کا حشر یہ ہوا کہ اسے طوفان میں غرق کر دیا، عالمگیر طوفان تھا، جو باقی بچ گئے تھے وہ ان کی اولاد سے تھے ان کے لیے منکروں کا غرق ہونا عبرت اور سبق آموز تھا۔ پھر واضح کر دیا کہ سب ظالموں کے لیے سخت عذاب آمادہ و تیار ہے۔ انبیاء کی تکذیب ظلم کے مصادیق سے ہے بلکہ بڑا ظلم ہے۔ قوم نوحؑ کے بعد حضرت ہودؑ کی قوم عاد کی باری آتی ہے اور صالح کی قوم ثمود کا واقعہ پیش آتا ہے پھر کنوئیں والوں کی بات آتی ہے (یہ ایسے لوگ تھے جو ایک کنوئیں کے قریب رہائش پذیر تھے، رَس: کا معنی کنواں ہے) اور یہ لوگ صنوبر کے درخت کی پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس پیغمبر کو بھیجا لیکن انہوں نے اس پیغمبر کو جھٹلایا اور اسے قتل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان اقوام کو جن کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے درمیانی عرصہ میں آنے والی بہت ساری اقوام کو اس بنیاد پر ہلاک کیا کہ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کی دعوت کو جھٹلایا۔ کفر و ظلم کے نتیجہ میں ان سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ آخر میں فرمایا کہ ہم نے ہر اُمت اور ہر قوم کے لیے تذکر، یاد دہانی اور سمجھانے کے لیے مثالیں دیں تاکہ وہ ان مثالوں کو یاد کرکے سنبھل جائیں اور اس سرکشی سے رک جائیں، دعوت حق کو قبول کرلیں، انہیں معلوم ہو کہ جب ایک قوم نے اس تنبیہ پر اثر نہ لیا اور ڈرانے کو بھی مذاق قرار دیا تو ہم نے اس قوم کو منتشر کر دیا، ان کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ یہ اللہ کا اپنا قانون ہے کہ وہ اپنے منکروں کو اس طرح سزا دیتا ہے۔

وَ لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ: "اور یہ اس بستی پر بھی گزرے ہیں جس پر بری طرح پتھر برسائے گئے، سو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہتے، بلکہ یہ لوگ مر کر زندہ ہونے کی امید ہی نہیں

رکھتے۔"

قوم لوط پر عذاب کا واقعہ

اس آیت میں قریہ سے قوم لوط کی آبادی مراد ہے جس کا نام سدوم تھا۔ یہ آبادی شام کے راستہ میں موجود تھی اور اہل حجاز جب شام جاتے تو اس جگہ سے گزرتے تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس بستی کی ویرانی سے عبرت حاصل کرتے لیکن انہوں نے نہ فقط اس سے عبرت نہیں لی بلکہ کفر اور تکذیب کا راستہ اپنایا۔ قرآن بیان کر رہا ہے کہ ان کے انکار کی اصل وجہ ان کو قوم لوط پر آنے والے عذاب اور ان کی آبادی کا تہس نہس ہو جانے سے عبرت اور درس نہ لیا اور معاد کے انکار پر ڈٹ گئے۔ جب معاد کے انکاری ہیں تو انبیاء کی دعوت کا ان پر ذرا برابر بھی اثر نہیں ہوتا۔ کسی قسم کا موعظہ اور نصیحت انہیں نجات اور ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں پر پتھروں کی بارش اُتاری تھی جس سے وہ سب برباد ہو گئے اور ان کی ویرانی کے آثار دیکھنے والوں کے لیے عبرت کا سامان بنے رہے لیکن مشرکین مکہ نے اس سے کچھ عبرت حاصل نہ کی۔

وَ اِذَا رَاَوۡكَ اِنۡ يَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىۡ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوۡلًا ﴿۴۱﴾

ترجمہ: "اور جب یہ لوگ تمہیں دیکھتے ہیں تو بس تم سے مذاق کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا۔"

اِنۡ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا لَوۡ لَاۤ اَنۡ صَبَرۡنَا عَلَيۡهَا ؕ وَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ حِيۡنَ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ مَنۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۴۲﴾

ترجمہ: "اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر قائم نہ

رہتے، اور انہیں جلدی معلوم ہو جائے گا جب عذاب دیکھیں گے کہ کون شخص گمراہ تھا۔"

کفار مکہ کا تمسخر آمیز رویہ

کفار مکہ جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تھے تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ دیکھو اس کو اللہ نے پیغمبری کے لیے چن لیا ہے، اس میں کیا خوبی ہے؟ آپ کی تحقیر کرتے تھے۔ اس جملے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا آدمی تو نہیں ہے اور نہ ہی مکہ کے سرداروں میں سے ہے، نہ اس کے پاس بڑا مال ہے اور پھر یہ جملہ بھی آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص ہمیں اپنے خداؤں سے دُور کرنا چاہتا ہے یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اگر ہم اپنے خداؤں کی پرستش پر ثابت قدم نہ رہے تو یہ شخص ہمیں لے ڈوبتا اور ہمیں اس نے گمراہ کر دیتا۔ یعنی وہ اس عقیدہ پر تھے کہ بتوں کی پرستش ہی صحیح راستہ ہے جو اس سے روکے تو یہ انہیں صحیح راستہ سے ہٹا رہا ہے۔ وہ فخریہ کہتے تھے کہ ہم نے ان کی بات کو نہیں مانا اور گمراہی سے بچ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے: ان سے یہ بات کہہ دو کہ جب قیامت کا دن ہو گا ہر چیز کھل کر سامنے آجائے گی جب تم لوگ عذاب کو دیکھو گے تو اس وقت تمہیں پتہ چل جائے گا کہ گمراہ کون تھا اور معلوم ہو جائے گا کہ غافل کون ہے، ان کو اب معلوم نہیں لیکن بہت جلد انہیں پتہ چل جائے گا کہ وہ غلط راستے پر تھے اور انہوں نے اپنے لیے عذاب حاصل کیا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۟ۙ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: "کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی خواہشات نفسانی کو بنا رکھا ہے، پھر کیا تو اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔"

اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَکۡثَرَهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ هُمۡ اِلَّا کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ”یا تو خیال کرتا ہے کہ اکثر ان میں سے سنتے یا سمجھتے ہیں، یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔“

پیغمبرؐ کے مخالفین کے بارے گفتگو

ان دو آیات میں پیغمبر اکرمؐ کو خطاب ہے۔ پہلے تو یہ کہا گیا کہ دیکھو آپ ان افراد کے وکیل نہیں ہو اور نہ ہی ان کے سرپرست ہو کہ جس طرح تم چاہتے ہو انہیں ہدایت کرو اور وہ تمہاری بات کو مان جائیں، تیرے پاس ایسی قدرت اور ایسا اختیار نہیں ہے جس کے لیے خدا نے اس کی ہدایت کے اسباب کاٹ دیئے ہیں تو تم ان کی ہدایت نہیں کر سکتے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش یہ تھی کہ جب وہ ان لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں تو وہ سب ان کی بات کو مان جائیں اور ہدایت پر آجائیں تو اللہ نے اس جگہ اپنے پیغمبر سے کہہ دیا کہ دیکھو یہ تمہاری خواہش ہے لیکن ان پر تمہارا اختیار نہیں ہے کہ جو تم چاہو ویسا ہو جائے۔ ان کے لیے ہدایت کے اسباب ہی معدوم ہو گئے، خود انہوں نے اپنے اختیار سے غلط راستہ کا انتخاب کر لیا ہے اب آپ انہیں سیدھے راستے پر نہیں لا سکتے۔

اسی کے ساتھ اور وضاحت فرما دی کہ کسی آدمی کی ہدایت کا دارو مدار اس کے تعقل و سمجھ پر ہے۔ خود سمجھ جائے یا سمجھ دار لوگوں کی بات کو سن کر اس کا اثر لے لے اور ہدایت پر آجائے۔ نتیجہ میں ہدایت یا تو عقل سے ہے یا نقل روایت سے ہے۔ یہ کافر لوگ نہ تو عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی عقلمندوں کی بات کو سن کر اس کو قبول کرتے ہیں لہٰذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی ہدایت پر آنے کی زیادہ اُمید نہیں لگانی چاہیے اور ان کی ہدایت پر زیادہ اصرار نہ کریں۔ ان کی مثال چوپاؤں کی سی ہے کہ جن میں سمجھنے (تعقل) کی صلاحیت موجود

نہیں اور نہ ہی حق بات سننے کے قابل ہیں۔ یہ تو جو بات ہو رہی ہوتی ہے اس کے الفاظ ہی سنتے ہیں اس کے معنی و مفہوم کا ادراک نہیں رکھتے بلکہ یہ تو حیوانات سے بھی گمراہ تر ہیں کیونکہ حیوانات کبھی بھی اپنے نقصان کے لیے اقدام نہیں اٹھاتے لیکن یہ ایسے ہیں کہ اپنے نقصان کو اپنے نفع پر ترجیح دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حیوانات کے پاس ایسے وسائل نہیں جن کے ذریعہ وہ حق کو جان سکیں، حق اور باطل، غلط و صحیح میں تمیز کر سکیں۔ وہ تو اپنی گمراہی میں حق بجانب ہیں، یہ انسان ہے کہ اس کے پاس ہدایت پانے کے اسباب موجود ہیں لیکن وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس نے ہدایت کے راستہ کو گم کر دیا ہے اس لیے یہ انسان جو دیکھتا ہے، سنتا ہے، عقل رکھتا ہے، اس کے باوجود ہدایت کے راستہ پر نہیں آتا۔ اس لیے یہ حیوانات سے گمراہ تر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا ہے، اور اگر چاہتا تو اسے ٹھہرا رکھتا، پھر ہم نے سورج کو اس کا سبب بنا دیا ہے۔''

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''پھر ہم اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹتے ہیں۔''

اللہ پر ایمان لانے کی ایک نشانی کا بیان

ان آیات میں ایک محسوس اور مشاہدہ میں آنے والی نشانی کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں کے درمیان موجود ہے اور ہر ایک اسے دیکھ سکتا ہے۔ اللہ اس مثال سے چاہتا ہے کہ ان لوگوں کی جہالت سے پردہ ہٹا دے۔ جب سورج کا زوال ہوتا ہے تو سایہ آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوتا ہے،

مغرب کی جانب سے مشرق کی طرف یہ سایہ بڑھ رہا ہوتا ہے یہاں تک کہ سورج اُفق میں غروب ہو جاتا ہے۔ اس وقت یہ سایہ بڑھوتڑی میں اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے اور رات ہو جاتی ہے پھر سایہ تمام حالات میں متحرک ہے، اگر اللہ چاہتا تو سایہ کو ساکن قرار دے دیتا۔ خود سورج اپنی نورانیت اور روشنی سے اس بات پر ثبوت ہے کہ سایہ موجود ہے۔ سورج کی روشنی کے پھیلنے سے سایہ تدریجاً پھیلتا جائے گا۔

انسان کے لیے مختلف مطالب اور معانی کی عمومی تشخیص کا طریقہ ان معانی پر طاری ہونے والے مختلف حالات ہیں جو ان میں تبدیلی لے آتے ہیں (یعنی حالات کے مطابق الفاظ کے معانی بدلتے رہتے ہیں۔ ہر مطلب کا اپنا جملہ ہے اور ہر جملہ کا اپنا معاملہ ہے جس قسم کے حالات و واقعات ہوتے ہیں تو اسی کے مطابق بیانات ہوتے ہیں جو اس پر دلیل ہوتے ہیں)۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو چمکایا ہے جب اس کی روشنی اوپر آتی ہے تو وہ روشنی آہستہ آہستہ سایہ کو ختم کرتی جاتی ہے۔ "قَبۡضًا یَّسِیۡرًا" کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور کمال کا بیان ہے۔ اس بات کو اس کے ذریعہ سمجھایا ہے کے اللہ کے لیے کچھ بھی دشوار اور مشکل نہیں ہے جو بھی ہماری نظر میں ناپید ہوتا ہے، غائب ہوتا ہے تو حقیقت میں وہ خداوند کی طرف پلٹ جاتا ہے لہٰذا رسالت (پیغمبری) سورج کی مانند ہدایت ہے جو طلوع ہوتا ہے، گمراہی اور جہالت کے سایہ کو مٹا دیتا ہے لیکن جن میں تعقل نہیں، شنوائی نہیں رکھتے (جو نہ تو سمجھتے ہیں اور نہ ہی توجہ سے سنتے ہیں کہ اس بات کا اثر لیں) وہ اس رسالت سے کچھ بھی بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ بہر حال ہدایت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّ النَّوۡمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ: "اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو اوڑھنا اور نیند کو راحت بنا دیا

اور دن چلنے پھرنے کے لیے بنایا۔"

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ: "اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری لانے والی ہوائیں چلاتا ہے، اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل فرمایا۔"

لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

ترجمہ: "تاکہ ہم اس سے مرے ہوئے شہر کو زندہ کریں اور اسے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں، چارپایوں اور بہت سے آدمیوں کو پلائیں۔"

وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

ترجمہ: "اور ہم نے اسے لوگوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں، پس بہت سے آدمی ناشکری کیے بغیر نہ رہے۔"

وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾

ترجمہ: "اور اگر ہم چاہتے تو ہر گاؤں میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔"

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ: "پس کافروں کا کہنا نہ مان ان کے ساتھ بڑے زور سے ان کا مقابلہ کر۔"

اللہ کی نشانیاں ایمان لانے میں مددگار

ان آیات میں اللہ نے اپنی ایسی نشانیاں بیان کی ہیں جو صبح و شام ہر انسان مشاہدہ کرتا ہے اور ان

کے فوائد سے بھی آگاہ ہے۔ رات جسے اللہ تعالیٰ نے سکون اور پردہ قرار دیا ہے جو لباس کی مانند ہے، جو انسان کے ننگے بدن کو ڈھانپ لیتی ہے، رات روشنی پر پردہ ہے۔

نیند انسان کے لیے آرام اور سکون کا وسیلہ ہے کیونکہ نیند کی حالت میں انسان ہر کام سے فارغ ہو جاتا ہے اور استراحت کرتا ہے۔ دن کو حرکت اور کام کاج کے لیے قرار دیا ہے۔

ہوائیں چلتی ہیں، بارش آنے سے پہلے، یہ اشارہ ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے باران رحمت آنے والی ہے۔

اللہ ہے جو فضاء سے پاکیزہ اور طاہر پانی زمین پر برساتا ہے۔ پانی خود پاک ہے اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے۔ بارش تمام کثافتوں، آلودگیوں اور گندگیوں کو دھو دیتی ہے۔

بارش کے فوائد

ویران زمین آباد اور سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اللہ کی ساری مخلوقات پانی سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ تمام چوپائے پانی سے فیض اور سیراب ہوتے ہیں۔ یہ سب نمونے ہیں جس طرح سایہ کا پھیلاؤ سورج کی موجودگی پر دلیل تھا اور سورج کے ذریعہ سایہ کا غائب ہو جانا ایک اور دلیل تھا اسی طرح مردہ زمین کا دوبارہ سرسبز و شاداب ہو جانا، اس میں نئی زندگی کا لوٹ آنا، بارش کے وسیلہ سے اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ مردہ ضمیر بھی اور مردہ دل ایمان کی نورانیت سے زندہ ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا کہ ہم پانی کو ان کے درمیان گھماتے ہیں یعنی کبھی ایک آبادی پر بارش برستی ہے تو کبھی دوسری آبادی پر تاکہ سب اس نعمت سے بہرہ ور ہوں کیونکہ اگر بارش کسی ایک زمین پر برستی اور دوسری جگہ نہ ہوتی، ایک آبادی میں پانی موجود ہوتا اور دوسری میں موجود نہ ہوتا تو یہ ان کی ہلاکت کا سبب بنتا۔ پس انسانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھیں اور اس نعمت کا شکر بجالائیں لیکن انسانوں کی اکثریت ناشکری ہے۔

اس بیان کے بعد رسول اللہ ﷺ کو کہا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو جس طرح ہر آبادی کے لیے بارش برستی ہے، اسی طرح ہر آبادی کے لیے ایک علیحدہ نبی بھیج دیتے جو ہمارے پیغام کو اس آبادی میں پہنچاتا، لیکن ہم نے ایک مصلحت کے تحت اور اس مقام و منزلت کی وجہ سے جو آپ کے لیے ہماری نظر میں ہے ہم نے ہر آبادی کے لیے علیحدہ علیحدہ نبی نہیں بھیجا بلکہ آپ ہی کو پورے عالم کے لیے اور تمام انسانوں کا رسول بنایا ہے۔ لہٰذا آپ قرآن کے وسیلہ سے سب کافروں کے خلاف جہاد کرو۔ کافروں کی باتوں کو قبول نہ کرو، کیونکہ اگر کافروں کی بات مانی جائے تو پھر ہدایت کی سنت اور قانون باطل ہوتا جائے گا۔ آپ پوری توجہ سے پیغام رسانی کے عمل کو انجام دیں اور قرآن کے ذریعہ اتمام حجت کریں۔ رسالت الٰہی جہالت کے پردوں کو برطرف کرنے اور لوگوں کے دلوں سے پردوں کو ہٹانے کے لیے آفتاب کی مانند ہے۔ جو سایہ کے پھیلنے، اس کے بلند ہونے پر دلیل ہے نیز رسالت الٰہی دن کی مانند ہے رات کے لیے یا باران کی مانند ہے، ویران زمین کو آباد کرنے کے لیے اور تشنہ مخلوقات کو سیراب کرنے کے لیے۔ لہٰذا یہ تمام آیات رسالت کے معنی کی توضیح و تفسیر کے لیے ہیں اور اس جیسے امور سے رسالت کو تشبیہ دی گئی ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٥٣﴾

ترجمہ: ”اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملا دیا، یہ میٹھا خوشگوار ہے اور یہ کھاری کڑوا ہے، اور ان دونوں میں ایک پردہ اور مستحکم آڑ بنا دی۔“

میٹھے اور کھارے پانی کا حوالہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی ایک اور نشانی بیان کی ہے کہ اللہ ہی ہے کہ جو دو

سمندروں کو اکٹھا چلاتا ہے، ایک کا پانی میٹھا، شفاف اور مزیدار ہے جبکہ دوسرے سمندر کا پانی کھارا، بدمزہ اور نمکین ہے۔ عجب یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے نہیں، ساتھ ساتھ موجود ہونے کے باوجود میٹھا کڑوے میں داخل نہیں ہوتا اور کڑوا میٹھے میں داخل نہیں ہوتا۔ ان کو مخلوط ہونے سے بچانے والی ذات بس اللہ ہی کی ہے۔ اس کلام کا باطنی معنی رسالت کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ مومن اور کافر دو انسان ہیں، ایک وہ ہے جس نے اللہ کے پیغام کو قبول کیا ہے، دوسرا وہ ہے جس نے اس پیغام کو قبول نہیں کیا۔ دونوں اس زمین میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک ہی شکل ہے لیکن ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مخلوط نہیں ہوتے کہ ایک کا ایمان دوسرے میں گھس جائے اور دوسرے کا کفر ایمان والے میں گھس جائے۔ ایمان اور کفر دو راستے ہیں اور دونوں جدجدا ہیں اور دونوں کا انجام اور دونوں کی تاثیر بھی مختلف ہے، ان دو کے درمیان جو امتیاز دلاتی ہے وہ رسالت الٰہی ہے، ایک نے قبول کرلیا، دوسرے نے قبول نہ کیا۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا پھر اس کے لیے رشتہ حسب اور نسب قائم کیا، اور تیرا رب ہر چیز پر قادر ہے۔''

اللہ کی قدرت کا اظہار

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک مظہر انسان کو قرار دیتے ہوئے اس جگہ بیان کیا ہے کہ انسان کو اللہ نے پانی سے خلق کیا ہے اور انسانوں کے درمیان تعلق داری اور رشتہ قرار دیا ہے۔ ''صہر'' سے مراد وہ رشتہ داریاں ہیں جو عورت کی نسبت سے ہوتی ہیں اور ''نسب'' سے مراد

وہ رشتہ داریاں ہیں جو مرد کی طرف سے ہوتی ہیں۔ ان دونوں کا حوالہ دے کر اللہ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے خاندان تشکیل دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے کثرت کو عین وحدت میں اور تفرق کو عین وحدت میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ نسبی رشتوں اور سببی رشتوں سے انسانوں کے درمیان امتیاز قرار دیا ہے جبکہ سب کے سب انسان ہی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفوس اور ان کی آراء کے اختلاف کو ایمان اور کفر کے تحت اس طرح قرار دیا ہے کہ پیغمبروں کو بھیجا ہے جو اس انسان کو حق کی دعوت دیتے ہیں۔ ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی نمائندگی کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اگر الٰہی رسول اور نمائندے ہدایت کے لیے نہ ہوتے تو پورا انسانی معاشرہ جہالت اور گمراہی میں غرق و تباہ ہو جاتا۔ یہ اللہ کی اپنی قدرت کاملہ کا اظہار ہے کہ اس نے جس طرح انسانی نسل کی بقاء کا انتظام کیا ہے تو اپنی طرف سے اس نے انسان کی ہدایت کا بھی اپنی نمائندگی کے ذریعہ اہتمام کیا ہے۔

وَ يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُهُمۡ وَ لَا يَضُرُّهُمۡ ؕ وَ كَانَ الۡكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيۡرًا ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ”اور وہ اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہیں جو انہیں نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور کافر اپنے رب کی طرف پیٹھ پھیرنے والا ہے۔“

مشرکین کا رویہ

اس جگہ ایک لحاظ سے افسوس کا اظہار ہے کہ تمام تر واضح نشانیوں کے باوجود مشرکین کی حالت یہ ہے کہ وہ ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں نہ تو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر ان کی پرستش نہ کریں تو وہ انہیں سزا دینے کے قابل نہیں اور اگر ان کی پرستش پر لگے رہیں تو اس پر وہ انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ یہ مشرکین مسلسل اپنے رب

کے مخالف ہیں اور ان بے جان بتوں کو رب تعالیٰ کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا ہے۔ وہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے یہ جھوٹے خدا اور شیطان ان کی مدد کریں گے۔ اس طرح وہ اپنی سرکشی پر قائم ہیں جو کہ بہت ہی افسوسناک ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے تمہیں محض خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

رسول اللہؐ سے اللہ کا خطاب

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری کو بیان کیا ہے کہ ہم نے آپ کو رسول بنایا ہے تاکہ آپ:۔

ا۔ لوگوں کو اطاعت کرنے پر اجر و ثواب اور جنت الفردوس کی بشارت دو۔

۲۔ نافرمانی اور اللہ کے انکار پر اللہ کے غضب اور آتش جہنم کی سزا سے ڈراؤ۔

یہی اہم کام ہیں جو رسول نے انجام دینے ہیں۔ رسول کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ زبردستی لوگوں کو اللہ کا مومن بنائے، ان کا کام بشارت دینا اور ڈرانا ہے۔

قُلۡ مَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ''کہہ دو میں اس پر تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا مگر جو شخص اپنے رب کی طرف راستہ معلوم کرنا چاہے۔''

قرآن پہنچانے کے بدلہ میں اجر

لفظ ''عَلَيۡهِ'' میں ضمیر کا اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے۔ قرآن کی تلاوت وہی رسالت کی تبلیغ

ہے۔ یہ سابقہ بیان کے تسلسل میں ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو بشارت اور انذار کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو یہ دستور دیا کہ ان لوگوں کو یہ بات پہنچا دو کہ جو وہ دعوت دے رہے ہیں اس سے ان کا مقصد مال و دولت حاصل کرنا نہیں اور نہ ہی اس کام کی ان سے کچھ اجرت چاہیے بلکہ فقط اتنی بات ہے کہ لوگ ان کی دعوت کو قبول کریں، اللہ پر ایمان لے آئیں۔ یہ فقط اس غرض سے ہے کہ پروردگار کی جانب جو راستہ ہے وہ واضح اور روشن ہو لہٰذا ان کی دعوت کو قبول کر لینا ہی اس رسالت کا اجر ہے۔

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَ كَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۚ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ”اور تم اس زندہ خدا پر بھروسہ رکھو جو کبھی نہ مرے گا اور اس کی تسبیح اور حمد کرتے رہو، اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔“

اللہ پر توکل کا حکم

اب جب یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری بشارت دینا اور ڈرانا ہے نیز رسالت کا کوئی اجر بھی لوگوں سے نہیں لینا اور یہ کہ لوگ ایمان لانے یا ایمان نہ لانے میں مکمل طور پر بااختیار ہیں تو اب پیغمبرؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے اس کام میں اللہ پر بھروسہ کریں، اللہ کو اپنے کاموں کا وکیل قرار دیں کیونکہ اللہ ہی تمام موجودات کا وکیل ہے، وہ زندہ ہے، اسے موت نہیں ہے، اس سے کچھ بات بھی چوک نہیں سکتی، وہی تنہا ایسی ذات ہے جو وکیل بن سکتی ہے۔

پھر پیغمبرؐ اکرم کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سبحانیت کو بیان کرو، اللہ سے جہالت، بھول چوک، عاجزی، ضعف اور کمزوری اور ہر قسم کی احتیاج کی نفی کرو، اس کی بہترین ثناء کرو اور یہ جان لو کہ اگر اللہ نے کافروں کو مہلت دے رکھی ہے تو یہ عجز و ناتوانی کی وجہ سے نہیں ہے اور

نہ ہی ان کے گناہوں کے بارے جہالت کی وجہ سے ہے اور اگر انہیں ان کے گناہوں کے جرم میں عذاب و ہلاکت سے دوچار کیا تو یہ حکمت و مصلحت کے تحت ہے لہٰذا اللہ ہر حال میں تسبیح کے لائق ہے۔

اسی بیان میں اللہ کی توحید اللہ کے افعال و صفات کے حوالے سے واضح ہو گئی کہ فقط اللہ ہی ہے جو اپنے بندگان کے امور بارے متصرف و وکیل ہے، وہی ہے جسے اپنے بندگان کے گناہوں کی خبر ہے، تنہا وہی ہے جو اپنے بندگان کے بارے فیصلہ و حکم دے سکتا ہے۔ اللہ کو کسی کی ضرورت و احتیاج نہیں ہے کہ کوئی اس کے فیصلہ پر عملدرآمد کرے یا اس کے حکم سے متعلق مددگار ہو۔

الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۚۛ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ”جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے چھ دن میں بنایا[1] پھر عرش پر قائم ہوا، وہ رحمان ہے پس اس کی شان کسی خبر دار سے پوچھو۔“

اللہ کی سلطنت اور اقتدار اعلیٰ

پچھلی آیت میں وکالت کا معنی پوری طرح بیان کر دیا گیا اور کہا گیا کہ وکالت کے لیے جس طرح حیات اور علم کی ضرورت ہے اسی طرح حکمرانی کے لیے سلطنت اور تصرف کا اختیار بھی درکار ہے۔ یہ آیت، اللہ کے اقتدارِ مطلق اور سلطنت عامہ کو بیان کر رہی ہے کیونکہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے علمِ مطلق اور قدرتِ مطلقہ کے تحت آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب

---

[1] ۔اس بارے اسی تفسیر کی پہلی جلد میں سورہ اعراف آیت ۵۴ اور سورہ یونس آیت ۳ میں تفصیلی بحث کی جاچکی ہے۔

کو خلق کیا ہے۔ جب سب کا خالق اللہ ہے تو خالق ہی اپنی مخلوق میں مکمل تصرف و اختیار رکھتا ہے اور اسی کا حکم پوری مخلوق پر نافذ ہوتا ہے، وہی ذات اپنے عرش پر مسلط ہے یعنی اقتدار اعلیٰ اسی کا ہے۔

وہ رحمٰن ہے، پورے عالم کی خلقت اور اس میں جو حکم جاری و ساری ہے یہ سب اللہ کی رحمت اور اس کے فیضان سے وابستہ ہے، سارے موجودات کو اسی نے ایجاد کیا ہے اور سب اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔ لہٰذا حقیقت حال کے متعلق اسی سے سوال کرو جو باخبر ہے اور حقیقت کو اس طرح تفصیل سے بیان کرتا ہے کہ اس میں کچھ باطل اور نادرست نہیں۔ یہ خصوصیت اللہ ہی کی ذات میں ہے، لہٰذا کسی اور سے کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمان کو سجدہ کرو، تو کہتے ہیں رحمان کیا ہے، کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے لیے تو کہہ دے اور اس سے انہیں اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔''

کافروں کا برا رویہ

اس آیت میں کافروں کے رویہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جب اللہ کا رسولؐ ان کو حق پر آنے کی دعوت دیتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ تم سب اس اللہ کو سجدہ کرو جو رحمٰن ہے تو وہ سوال کرتے ہیں کہ وہ رحمٰن کون ہے؟ اس طرح وہ رحمٰن کی حقیقت اور ماہیت بارے سوال کرتے ہیں۔ اس سوال کے ساتھ انہوں نے اپنے نقائص و تجاہل کی انتہاء کر دی۔ جبکہ مناسب تو یہ تھا کہ وہ فقط

یہ پوچھتے کہ رحمٰن سے مراد کون ہے نہ کہ یہ پوچھتے کہ رحمٰن کی حقیقت کیا ہے؟ کفار کہنا چاہتے تھے کہ جس موجود کے بارے تم کہہ رہے ہو اس کے نام کے سوا ہم اس کے بارے کچھ اور نہیں جانتے۔ اپنے اس گستاخانہ انداز کو جاری رکھتے ہوئے متکبرانہ اور استہزاء کرتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے ہیں: کیا ہم اس کا سجدہ کریں جس کا تم کہہ رہے ہو؟ ایسا کیوں کریں؟ ان کے اس عمل اور اس گفتار نے جو تکبر پر مبنی ہے ان کی نفرت کو بڑھا دیا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾

ترجمہ: ”بڑا برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں ستارے بنائے اور اس میں چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔“

آفتاب و قمر کی منازل کا حوالہ

”بروج“ سے آفتاب و قمر کی منازل مراد ہیں یا وہ ستارے مراد ہیں جو ان منازل میں موجود ہیں۔ ”سراج“ سے آفتاب مراد ہے۔ جس طرح سورہ نوح میں شمس (سورج) کو سراج کہا گیا ہے، آفتاب وہ چمکتا دمکتا ستارہ ہے جو منظومہ شمسی کا مرکز ہے کہ جس کے اندر سے شعائیں پھوٹتی ہیں، وہ اپنی روشنی کو کسی دوسرے ستارے سے نہیں لیتا جبکہ قمر (چاند) اس کا نور اپنا نہیں ہے، وہ تاریک ہے وہ نورانیت سورج سے لیتا ہے، سورج کی روشنی کا انعکاس چاند کی روشنی بناتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن نے صدیوں پہلے بیان کر دیا جبکہ انسان کی سائنس ابھی اس تک نہ پہنچی تھی بلکہ جدید سائنس کا وجود بھی نہ تھا۔ آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ کی ذات انتہاء درجہ پر بے نیاز ہے، سب اس کے محتاج ہیں، چمکتا دمکتا، روشنی بکھیرتا آفتاب اور آفتاب سے روشنی لینے والا چاند اور ان کے درمیان جتنی منازل ہیں اور جتنے چھوٹے بڑے ستارے

ہیں سب کو اللہ نے خلق کیا ہے۔ ان سب کو اس کیفیت میں اللہ نے ہی قرار دیا ہے۔ اللہ کے لیے عزت ہے وہی بابرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کی حالت دیکھو کہ یہ اللہ کو عاجز سمجھتے ہیں اور ان میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مملکت و سلطنت سے باہر جائیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ”اور وہی ہے جس نے رات اور دن یکے بعد دیگرے آنے والے بنائے، یہ اس کے لیے ہے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔“[1]

دن اور رات، اللہ کی قدرت کے مظاہر

اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کو اس طرح قرار دیا ہے کہ ایک دوسرے کے بعد بالترتیب آتے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی وقفہ نہیں اور یہ نظام شمسی کا حصہ ہے اور ایک نظم کے ساتھ یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ یہ کیفیت اس لیے کہ لوگوں کو اللہ کی قدرت یاد آئے اور اللہ کی طرف رجوع کریں، غفلت سے نکل آئیں اور ان حقائق کو درک کرلیں جو ان کی فطرت میں پوشیدہ ہیں۔ یہ سارے دلائل اللہ کی توحید کو ثابت کر رہے ہیں۔ جو اللہ کی ان عمدہ اور بہترین نعمتوں پر شکر بجالانا چاہتا ہے اس کے لیے موقع فراہم کیا جائے۔[2]

---

[1] ۔ تفسیر مجمع البیان میں (یَذَّکَّر) کو واجب نمازوں کی جانب اشارہ قرار دیا ہے اور (اَرَادَ شُکُوْرًا) کی عبارت کو مستحبی نمازوں کی جانب اشارہ قرار دیا ہے۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ جلد اول میں امام صادق علیہ السلام سے روایت موجود ہے:
”جو کچھ تم سے رات کو فوت ہوگیا ہے تو اسے دن میں انجام دو اور جو تم سے دن میں چھوٹ گیا ہے تو اسے رات کو انجام دو“
پھر آپؑ نے اپنی بات کے لیے اس آیت کی تلاوت فرمائی، گویا یہ معنی اس آیت کا باطن ہے۔ (مترجم)

[2] ۔ امام باقر علیہ السلام سے سوال ہوا کہ نماز شب کی قضاء کے متعلق قرآن کی کس آیت میں ذکر ہوا ہے تو آپؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمادی۔ تو یہ بھی اس آیت کے باطن کی طرف اشارہ ہے۔ (مصحح)

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ”اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب ان سے بے سمجھ لوگ بات کریں تو کہتے ہیں سلام ہے۔“

مومنوں کا رویہ

کافروں کا رویہ متکبرانہ ہوتا ہے وہ زمین پر خود کو بڑا سمجھتے ہیں، اسی غرور و تکبر کی وجہ سے اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں جبکہ مومنین کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ متواضع رہتے ہیں، اللہ کی جانب ان کی توجہ رہتی ہے، بندگی کا انداز ہوتا ہے وہ فروتنی کرتے ہیں، ان میں تکبر و فخر نہیں ہوتا، ان کا یہ تذلل و عاجزی مومنوں کے سامنے ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ کے دشمنوں اور کافروں کے مدمقابل سختی کا انداز اپناتے ہیں، خدا کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ کافر جو خود کو باوقار اور باعزت خیال کرتے ہیں تو مومنین ان کے سامنے اپنا غرور اور اپنی برتری کو ظاہر کرتے ہیں کیونکہ عزت اور کبریائی اللہ کے لیے ہے یا پھر اللہ کے رسول کے لیے ہے یا مومنین کے لیے ہے۔ مومنوں کی ایک اور اچھی صفت ہے اور وہ یہ ہے کہ جب جاہل لوگ ان کے سامنے کوئی غلط حرکت کرتے ہیں یا بے جا اور غیر مربوط بات کر رہے ہوتے ہیں یا ناروا رویہ دیکھتے ہیں تو

انہیں ایسا جواب دیتے ہیں جس میں بے ہودگی نہیں ہوتی اور نہ ہی ایسی بات کرتے ہیں جو گناہ کے زمرے میں آئے۔ جاہلوں جیسی زبان استعمال نہیں کرتے، جہالت کا مقابلہ حکمت و دانائی سے کرتے ہیں، سلامتی کو ترجیح دیتے ہیں، ان سے الجھتے نہیں، انہیں سلام کہہ کر دامن بچا لیتے ہیں۔ اگر بات کا جواب بھی دیں تو وہ سالم و صحیح اور عقلی روش پر ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ۝٦٤

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو اپنے رب کے سامنے سجدہ میں اور کھڑے ہو کر رات گزارتے ہیں۔''

مومنوں کی ایک اور صفت

اس آیت میں بھی کفار کے مقابلے میں مومنوں کی صفت بیان کی جا رہی ہے۔ مومنوں کی ایک صفت یہ ہے کہ رات کو نماز پڑھتے ہیں، حالت سجدہ میں رہتے ہیں، رات اپنے رب کی یاد میں گزارتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے۔ اس نماز اور سجدہ سے نماز شب مراد ہے۔ سجدہ کا بہت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ مومنین اللہ کے حضور سجدہ کی حالت میں گزار دیتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝٦٥

ترجمہ: اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب دور کر دے، بے شک اس کا عذاب پوری تباہی ہے۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۝٦٦

ترجمہ: ''بے شک وہ برا ٹھکانا اور بری قیام گاہ ہے۔''

مومنین کی دعا

مومنین کی حالت یہ ہے کہ ہر وقت اللہ سے رجوع کرتے ہیں، اللہ سے معافی مانگتے رہتے ہیں، اللہ کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ وہ اس طرح دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کے عذاب کو ٹال دے کیونکہ جہنم کا عذاب بہت سخت اور دائمی ہے، ہم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے اور جہنم ایسا ٹھکانہ ہے جو بہت ہی برا ہے اس میں کوئی آرام و سکون نہیں۔ مومنین اپنے نیک اعمال پر تکبر و بڑائی کا اظہار نہیں کرتے، وہ اللہ کی نماز پڑھتے ہیں، اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی خوف خدا ان میں ہوتا ہے اور اللہ سے عذاب جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں۔

وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

ترجمہ: ”اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔“

مومنین کی میانہ روی کا تذکرہ

مومنوں کی ایک شان یہ ہے کہ وہ مال پر سانپ بن کر نہیں بیٹھتے، اللہ نے جو مال دیا ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ البتہ وہ مال خرچ کرنے میں حد سے آگے نہیں بڑھتے، ایک حد کو اپناتے ہیں۔ وہ نہ تو بخیل ہوتے ہیں اور نہ ہی فضول خرچ، انفاق کرتے ہیں یعنی مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کے مال پر جو حق واجب ہے اسے ادا کرتے ہیں۔ اسراف نہیں کرتے، یعنی جو ایک حد متعین ہے اسے نہیں پھلانگتے۔

”یقتر“ انفاق کے معاملے میں کوتاہی اور تفریط کرنے کو کہتے ہیں۔ ”قوام“ مالی معاملات

میں میانہ روی کرنے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ مومنین کا خاصہ ہے کہ وہ انفاق کے معاملے میں افراط اور تفریط نہیں کرتے بلکہ میانہ روی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص بغیر حق اور بغیر حساب عطیہ دیتا ہے، بخشش کرتا ہے تو اس نے اسراف کیا اور جو بغیر وجہ سے مال کو روک لے تو اس نے بخل و کنجوسی کی۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾

ترجمہ: ''اور وہ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور اس شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے اور زنا نہیں کرتے، اور جس شخص نے یہ کیا وہ گناہ میں جاپڑا۔''

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾

ترجمہ: ''قیامت کے دن اسے دگنا عذاب ہوگا اور اس میں ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔''

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾

ترجمہ: ''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کیے سوانہیں اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں بدل دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

شرک کے بعد توبہ

مومنین کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ گناہ نہیں کرتے۔ اگر گناہ کریں

گے تو قیامت کے دن انہیں سخت سزا ملے گی۔ مومنین غیر خدا کی بندگی نہیں کرتے، اس کے لیے اس جگہ بیان کیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے۔ یہ مشرکین کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ مشرکین غیر خدا کی پرستش کرتے ہیں لیکن حقیقت میں جس کی پرستش ہو رہی ہوتی ہے وہ اللہ کی ذات ہی ہے کیونکہ اللہ کی پرستش ایک فطری امر ہے لہٰذا اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی پرستش در حقیقت ایسے ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو پکار رہے ہیں۔ فطرت سے اللہ کو پکارا جا رہا ہے لیکن خلاف فطرت اس کے ساتھ ساتھ ان معبودوں کو بھی پکار رہے ہیں اگرچہ وہ اس میں اللہ کا نام نہیں لے رہے ہوتے لیکن جو مومنین ہیں وہ فقط اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

مومنوں کی ایک اور صفت یہ ہے کہ وہ انسانی جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے ناحق طور پر قتل نہیں کرتے۔ مگر جب ایسا کرنا شرعی طور پر انہیں حق پہنچتا ہو، یعنی قصاص کے عنوان سے۔ اسی طرح مومنین زنا نہیں کرتے، اس حرام عمل کا ارتکاب نہیں کرتے جبکہ عربوں میں یہ عمل بہت زیادہ شائع اور عام تھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو بھی اس قسم کے برے اعمال کو انجام دے گا تو وہ اپنے ان برے اعمال کا بوجھ قیامت کے دن اپنے کندھے پر اٹھائے ہو گا۔ ان تین اعمال شرک، زنا، قتل کا عذاب دو برابر اسی کو ملے گا۔ ذلت و رسوائی اس کے مقدر ہو گی، ہمیشہ خوارگی میں ہو گا اس کے بعد استثناء لایا گیا۔ ایک قانون کلی بیان کر دیا کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد واپس لوٹ آئے اور گناہوں سے توبہ کر لے، ایمان لے آئے کیونکہ گناہ کے ارتکاب سے خاص کر شرک، قتل و زنا، ایمان کا نور انسان کے اندر سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے کہا کہ ایمان لے آئے عمل صالح انجام دے کر گناہ کو چھوڑ دے، گناہ پر پریشان ہو، شرک سے واپس آجائے، عبادت میں شرک نہ کرے، عمل صالح سے اپنی توبہ کی صلاحیت کو ثابت کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو نہ فقط قبول کرے گا بلکہ اپنے کرم و فضل سے اس کی برائیوں کو حسنات اور نیکیوں مین بدل دے گا کیونکہ توبہ، ایمان اور عمل صالح کے وسیلہ سے وہ شخص ذاتی

طور پر طیب و طاہر بن جانا جاتا ہے۔ شقاوت اور خیانت سے خالی ہو جانے کا لازمہ یہ ہے کہ اس شخص کے سابقہ اعمال کے جو اثرات ہیں جن پر گناہ صدق آتا تھا اسے حسنات سے بدل دیا جاتا ہے۔ اللہ کی مغفرت اور رحمت سے اسے بدل دے گا جو ایک طیب و پاک شخص کے ساتھ مناسب ہے، گناہ کا عنوان ختم ہو جاتا ہے اس کی جگہ حسنات کا عنوان آجاتا ہے۔ اسی حوالے سے اللہ نے اپنی دو صفات غفور اور رحیم کو ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے نقل ہوا ہے کوئی بھی شخص کسی بھی مجلس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر یہ کہ آسمان سے منادی ندا دیتا ہے اٹھو اللہ نے تمہاری برائیوں کو نیکی سے بدل دیا ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

ترجمہ: ”اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔“

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

ترجمہ: ”اور جو بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے، اور جب بیہودہ باتوں کے پاس سے گزریں تو شریفانہ طور سے گزرتے ہیں۔“

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾

ترجمہ: ”اور وہ لوگ جب انہیں ان کے رب کی آیتوں سے سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔“

مومنین کے مزید اوصاف

گذشتہ آیات میں مومنین کے اوصاف بیان کئے گئے۔ اس آیت میں اسی سلسلہ میں مومنین کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔

سوال ہو سکتا تھا کہ توبہ کے ذریعے گناہوں کا نیکیوں میں تبدیل ہو جانا کیسے ممکن ہے؟ تو اس

آیت میں اس سوال کا جواب دیا ہے کہ توبہ در حقیقت اللہ کی جانب خاص رجوع اور پلٹنا ہے اور جو خدا چاہتا ہے اسے انجام دینے کا عہد کرنا ہے اور اس کی توبہ تمام گناہوں سے ہوتی ہے۔ جب ایسا رجوع اللہ تعالیٰ کی جانب ہو جائے تو پھر اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا، جو باقی رہ جاتا ہے وہ سب نیکیاں ہی ہوتی ہیں۔

مومنین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ناحق اور جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور بے ہودہ انسان سے دُور رہتے ہیں اور اگر کبھی بے ہودہ اور گناہوں میں غرق لوگوں سے ان کا سامنا ہو جائے تو بہت ہی باوقار طریقہ سے وہاں سے دُور ہو جاتے ہیں، اپنے آپ کو پاکیزہ رکھتے ہیں اور وہ خود کو اس سے بلند سمجھتے ہیں کہ ان بے ہودہ اور بے مقصد مجالس و محافل میں مصروف رہیں۔ مومنین، اللہ رحمٰن کے ایسے بندے ہیں جب انہیں رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان سے اثر لیتے ہیں۔ قرآن یا وحی سے موعظہ اور نصیحت کو توجہ سے سنتے ہیں، یہ لوگ ایسے ہیں کہ بغیر سمجھ کے اندھے پن میں اسے قبول نہیں کرتے بلکہ سوچ سمجھ اور پوری توجہ سے قبول کرتے ہیں۔ اندھی تقلید نہیں کرتے تفکر کرتے ہیں پھر اس پر ایمان لاتے ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعۡیُنٍ وَّ اجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ''اور وہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔''

یعنی اللہ کی اطاعت اور معصیت سے دُور رہنے کی توفیق دے۔ اس کے نتیجہ میں ان کے صالح اعمال ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب بنے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اہل حق ہیں، خواہشات نفسانی کی پیروی نہیں کرتے وہ ہمسر اور اولاد کو اس لیے دوست رکھتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت میں معاون ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وہ درخواست کرتے ہیں کہ خداوند انہیں توفیق دے کہ وہ خیرات اور رحمت الٰہی کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں اور تقویٰ کو پسند کرنے والے انہیں اپنے لیے نمونہ عمل قرار دیں۔ اس طرح رحمٰن کے بندے ان تقویٰ والوں کو اپنا راہنما قرار دیتے ہیں۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی قرائت کے مطابق اس آیت کو اس طرح پڑھا گیا ہے (وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنَ الْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً) تو اس صورت میں اس کا معنی ہو گا کہ ہمارے لیے متقین سے امام قرار دے دے۔[1]

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾

ترجمہ: ”یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلہ میں جنت کے بالا خانے دیے جائیں گے اور ان کا وہاں دعا اور سلام سے استقبال کیا جائے گا۔“

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾

ترجمہ: ”اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، ٹھہرنے اور رہنے کی خوب جگہ ہے۔“

جنت کی نعمت کے حقدار

”غرفہ“ آسائش بھرا کمرہ اور بہشت کے بلند تر درجے کے معنی میں ہے۔

[1]۔ تفسیر جوامع الجامع میں امام صادق علیہ السلام سے منقول حدیث کے مطابق یہ آیت پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے خاص ہے۔ البتہ یہ ذوات اس آیت کا مصداق کامل ہیں۔

"صبر" سے اس کا عام معنی مراد ہے یعنی مصیبت میں صبر کرنا، اطاعت پر صبر کرنا، معصیت چھوڑنے پر صبر کرنا سب کو شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ مومنین کے جو اوصاف بیان کیے ہیں اور کہا گیا کہ یہ بہشت کے بلند و بالا درجہ پر ہوں گے، یہ سب ان کے صبر کے بدلے میں انہیں ملا ہے۔ جنت میں فرشتے ان سے تحیت و سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے اور یہ لوگ ہمیشہ کے لیے اس بہشت میں رہیں گے۔ **''تحیت''** سے مراد ہر وہ پیش کش ہوتی ہے جس سے سننے والا مسرور ہو۔

"سلام" ہر وہ حالت جس میں ڈر اور خوف نہ ہو۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

ترجمہ: ''کہہ دو میرا رب تمہاری پروا نہیں کرتا اگر تم اسے نہ پکارو، سو تم جھٹلا تو چکے ہو پھر اب تو اس کا وبال پڑ کر رہے گا۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی فرمان

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی فرمان جاری کیا ہے کہ اے میرے رسول! ان سے کہہ دو کہ میرے رب کے پاس تمہاری کوئی قدر و منزلت نہیں ہے، اس کے ہاں تمہارا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اگر تم دعا اور عبادت نہ کرو گے تو وہ تمہاری پروا نہیں کرے گا۔ تم نے اسے جھٹلایا ہے تو پھر تمہارے لیے کسی قسم کی خیر کی توقع نہیں ہے اور اس کا نتیجہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ اس سب کے باوجود اگر پھر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں دعوت دیتا ہے تو اس لیے ہے کہ تم پر اتمام حجت ہو جائے۔ یہ اس لیے ہے تاکہ تم اس کو جھٹلانے سے رک جاؤ، اللہ تعالیٰ کی دعوت کو

جھٹلانا چھوڑ دو۔[1]

سورۃ الشعراء

(مکی، آیات 227)

اس سورت کے مطالب

رسول اللہؐ کے لیے حوصلہ افزائی کا بیان، دعوت جھٹلانے والوں کی مذمت اور ان کی سزا کا بیان، کافروں کے لیے دھمکی، موعظہ، نصیحت، ماضی کی اقوام اور انبیاء کی تبلیغ کا تذکرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ﴿١﴾

ترجمہ: ''طا، سین، میم۔''

یہ بھی دیگر قرآنی حروف مقطعات کی مانند ہیں۔ ایک اعتبار سے انسانوں سے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے کلام کو حروف تہجی سے ہی ترکیب دے کر بنایا ہے اور ایسا قرآن ہے جس کا فصاحت و بلاغت میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اس کی جیسی ایک سورہ تک بنا کر پیش نہیں کر سکتا۔ اس طرح حروف تہجی سے سورہ کا آغاز کرکے لوگوں کو اس کلام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مشرکین اور کافروں کی عادت تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ

[1]۔ (فارسی مترجم کا خیال ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ اگر ان لوگوں میں فطری طور پر ہدایت پذیری کا تقاضا موجود نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں اور رسولوں کو نہ بھیجتا اور نہ کسی ہدایت کے لیے کتابیں اُتارتا۔ لیکن اس سب کے باوجود تم نے تکذیب کی، اس دعوت کو جھٹلایا تو آخرت میں اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا ہوگا۔ تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہوگا)۔

اپنے کلام کا آغاز کرتے تھے تو وہ لوگ شور مچاتے تھے، یہ حروف مقطعات انہیں خاموش کرانے کے لیے اُتارے گئے۔

ایسا کہا گیا ہے کہ طاء سے اشارہ ہے طاب کی طرف اور سین اشارہ ہے سمیع کی طرف اور میم اللہ کے نام مبدیٔ کی طرف اشارہ ہے۔ پورا "طسٓمٓ" کو اسم الٰہی بھی کہا گیا ہے۔ ان کا معنی نامعلوم ہے اور یہ اللہ کی طرف سے کوڈ ورڈ ہے جس کے مطالب سے رسول اللہ ﷺ اور معلّمین قرآن اہل البیت علیہم السلام آگاہ ہیں جیسا کہ دیگر حروف مقطعات کے بارے بیان ہوا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾

ترجمہ: "یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔"

کتاب مبین

"تِلْكَ" کا اشارہ دور کے لیے ہوتا ہے اس جگہ کلام خدا (قرآن) کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اس کتاب کی بلند شان، رفعت اور بلندی کی جانب اشارہ ہے کہ یہ کتاب جو بہت ہی عظیم و بزرگ ہے اس کی آیات واضح و آشکار ہیں۔ کتاب مبین سے مراد قرآن ہے جس کا نزول اللہ کی طرف سے ہوا ہے جو ظاہر و آشکار ہے کیونکہ اعجاز پر مبنی آیات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ معاند اور دشمنی والے مشرکین اس کے انکاری ہیں، اسے سحر و شعر اور جنون آمیز کلام قرار دیتے ہیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾

ترجمہ: "شاید توں اپنی جان ہلاک کرنے والا ہے اس لیے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔"

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿٤﴾

ترجمہ: "اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایسی نشانی نازل کریں کہ اس کے آگے ان

کی گردنیں جھک جائیں۔"[1]

پیغمبر اکرمؐ کے لیے تسلی

اس آیت میں پیغمبر اکرم ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ لوگوں کے ایمان نہ لانے پر آپ اندوہناک نہ ہوں کیونکہ اگر ہم چاہتے تو ہم اس پر قادر تھے کہ ایک معجزہ آسمان سے اُتار دیتے جس کے سامنے ان کافروں کی گردنیں جھک جاتیں اور یہ ناگزیر حالت میں اس پر ایمان لے آتے اور ان کے سربراہ اور ان کی بڑی بڑی جماعتیں سب حق کو تسلیم کر لیتے۔ لیکن اجباری ایمان کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے آسمان سے اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں اُتارا۔ تاکہ اپنے اختیار اور بغیر جبر واکراہ کے ایمان لے آئیں۔ لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں، آپ کا کام انہیں دعوت دینا ہے، پیغام رسانی ہے، نہ تو آپ کسی کو ایمان پر مجبور کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے ایمان لانے کے آپ ذمہ دار ہیں۔ (تفسیر مجمع البیان، تفسیر رُوح المعانی)

وَ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝٥

ترجمہ: "اور ان کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی نئی بات نصیحت کی ایسی نہیں آئی کہ وہ اس سے منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔"

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦

[1]۔ تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں جب آسمان سے حضرت امام مہدی صاحب الزمان عج کے نام کی زوردار آواز آئے گی تو بنی اُمیہ اور باقی کفار خاضع ہو جائیں گے۔ اسی طرح کی روایت اصول کافی، اکمال الدین، ارشاد مفید اور کتاب الغیبہ میں بھی نقل ہوئی ہے۔

ترجمہ: ''سو یہ جھٹلا تو چکے اب ان کے پاس اس چیز کی حقیقت آئے گی جس پر ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔''

کافروں کا رویہ

یہ کافر اور مشرک تو ایسے ہیں کہ کوئی بھی الٰہی پیغام اور نئی آیت اللہ کی طرف سے ان کے پاس نہیں آئی جس میں ان کے لیے خیر و بھلائی تھی مگر یہ کہ انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ اس کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ یاد خدا سے منہ موڑ لینا اور تکذیب اور جھٹلانے پر برقرار رہنا، اس روش نے ان کے ہدایت پانے سے نااُمید کر دیا ہے کہ ان میں ہدایت پا جانے کی اُمید باقی نہیں رہی۔
لیکن انہیں اپنے اس رویہ کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس میں انہوں نے الٰہی آیات کا مذاق اڑایا، الٰہی دعوت کو جھٹلایا۔ انہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ جو رویہ اپنایا اور جس طرح الٰہی آیات کا استہزاء کیا اس سب کو یہ لوگ قیامت کے دن موجود پائیں گے۔ انہیں دُنیاوی اور اُخروی عقوبتوں سے گزرنا پڑے گا، ان کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝

ترجمہ: '' کیا وہ زمین کو نہیں دیکھتے ہم نے اس میں ہر ایک قسم کی کتنی عمدہ چیزیں اگائی ہیں۔''

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸

ترجمہ: ''البتہ اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔''

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹

ترجمہ: ''اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔''

اللہ کی نشانیوں کا انکار

اللہ تعالیٰ نے توبیخ اور دھمکی آمیز انداز میں کہا ہے کہ زمین پر جو مختلف انواع واقسام ہیں؛ نباتات، حیوانات اور انسان موجود ہیں سب کی اصل زمین ہے۔ سب جفت جفت، زوج زوج ہیں، تم ان میں غور کیوں نہیں کرتے اور ان آیات کو جھٹلانے سے باز کیوں نہیں آتے۔ لفظ نبات انسان کو بھی شامل ہے۔ اس بارے سورہ نوح آیت ۱۷ میں آیا ہے:

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں سے اُگایا ہے جیسا اُگایا جاتا ہے''۔

''ذٰلِكَ'' کا اشارہ پچھلی آیت میں ازواج کریم کی جانب ہے۔ ان کا آیت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو جفت (جوڑا جوڑا) قرار دیا ہے، ہر ایک کی کمزوری کو دوسرے کے ذریعے سے دُور کیا ہے اور ان کو اس غرض و غایت کی طرف راہنمائی دی ہے جس کی خاطر انہیں ایجاد کیا ہے۔

ایسا خدا کس طرح ممکن ہے کہ ہدایت کے معاملے کو مہمل چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا اور آخرت کی خیر و سعادت کی جانب ہدایت نہ کرے؟ لیکن مشرکین کی اکثریت ایسی ہے کہ یاد خدا سے ان کا اعراض اور انحراف اس قدر ان کے وجود میں راسخ ہو چکا ہے کہ ان سے یہ توقع نہیں کہ وہ ایمان لے آئیں اور وہ ان کھلی اور واضح آیات سے نصیحت لیں اور حق پر آجائیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کافروں کے مزاج اور ان کی جو طبیعت بن چکی ہے کہ جب ان پر واضح اور روشن آیت پڑھی جاتی ہیں بجائے اس کے کہ ان میں غور کریں اور نصیحت لیں، لیکن ایسا نہیں کرتے اس لیے فرمایا کہ ان کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔

اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ مقتدر ہے، شکست ناپذیر ہے تو وہ ان جھٹلانے والوں اور انحراف کی

راہ اپنانے والوں کو دُنیاوی اور اخروی سزا دیں گے۔ اس لحاظ سے کہ اللہ مہربان ہے، رحمٰن ہے وہ ذکر کو اُتارتا ہے تاکہ ان کی ہدایت کرے۔ اللہ مومنوں کو بخشتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے اگر ایمان لے آئیں تو ٹھیک وگرنہ انہیں سخت سزا دے گا۔ آیات بار بار بھیجتا ہے تاکہ ان پر اتمام حجت ہو۔

وَ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَۙ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: "اور جب تیرے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ اس ظالم قوم کے پاس جا۔"

قَوْمَ فِرْعَوْنَؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: "فرعون کی قوم کے پاس، کیا وہ ڈرتے نہیں۔"

ظالموں کی طرف بھیجے گئے رسول

اللہ تعالیٰ اپنی رحمانیت کے تحت ظالموں و ستمگاروں کی جانب رسول بھیجتا ہے۔ ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم ظالموں و ستمگاروں کی جانب جاؤ اور انہیں حق کی دعوت دو۔ اس سے فرعون اور اس کی قوم مراد تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس جانے کا حکم دیا تاکہ وہ فرعونیوں سے بنی اسرائیل کو نجات دلائیں اور فرعون اور فرعونیوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیں۔ اس ماموریت کی حکمت یہ تھی کہ فرعون اور اس کے حامی بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کر رہے تھے اور شرک میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے غائب کی عبارت سے ان کی توبیخ کی کہ اے موسیٰ فرعون اور ان کی جماعت کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ تم کو کیا ہوا ہے تم تقویٰ اختیار کیوں نہیں کرتے؟ اللہ کی ناراضگی کا خوف تمہیں کیوں نہیں؟ تم ان جرائم سے پرہیز کیوں نہیں کرتے کہ جس کی بناء پر تمہارے اوپر عذاب آئے گا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِؕ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”عرض کی اے میرے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھے جھٹلا دیں۔“

وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان نہ چلے پس ہارون کو پیغام دے۔“

وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِۚ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اور میرے ذمہ ان کا ایک گناہ بھی ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ مجھے مار نہ ڈالیں۔“

قَالَ كَلَّاۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ”فرمایا ہرگز نہیں تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ، ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔“

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَۙ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”سو فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگارِ عالم کا پیغام لے کر آئے ہیں۔“

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَؕ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”یہ کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔“

موسیٰؑ کے لیے اللہ کا فرمان

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اس ظالم جماعت (فرعون اور فرعونیوں) کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ تم تقویٰ کیوں نہیں اپناتے؟ اس ظلم سے باز کیوں نہیں آتے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ فرمان وصول کیا تو اللہ کے حضور معذرت چاہی اور اس معذرت کی تین وجوہات بیان کیں:۔

پہلی بات: مجھ میں حوصلہ کم ہے، مقابلہ کی طاقت مجھ میں نہیں۔ ''یَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ'' میرا سینہ تنگ ہے مجھ میں وسعت نہیں ہے، برداشت کم ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج تند تھا، یہی وجہ تھی کہ جب مصر کے بازار میں فرعونی کو بنی اسرائیل کے آدمی کے ساتھ الجھا ہوا دیکھا تو نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اسے قتل کر دیا جبکہ فرعون کے دربار میں خاص احترام سے رہتے تھے اور اس کے لیے ایسے کرنے کا حکم ملا تھا پھر دوسرے دن دوسرا واقعہ کرنے والے تھے اور جب یہ خبر فرعون کے پاس پہنچتی ہے تو وہاں سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ جوان تو بنی اسرائیل کا حامی ہے، اسے اس جرم کی سزا دی جائے گی جب یہ خفیہ میٹنگ کی خبر کسی خیر خواہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی تو موسیٰ علیہ السلام نے مصر کو چھوڑ دیا اور پھر نئی داستان شروع ہوتی ہے اور اللہ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تبلیغی ذمہ داری سونپی جاتی ہے تو موسیٰؑ نے اپنی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔ میرا سینہ تنگ ہے مجھ میں برداشت نہیں۔

دوسری بات: میری زبان رواں نہیں، زبان میں لکنت ہے۔ بات بیان کرنے میں تنگی محسوس کرتا ہوں، واضح و شفاف اندازِ بیان نہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بچے تھے، موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر میں لایا گیا، انہیں فرعون نے اپنا بیٹا بنانے کا فیصلہ کیا، ادھر جادوگروں نے بتا رکھا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک بچہ جوان ہو کر اس کی حکمرانی اور اقتدار کا خاتمہ کا سبب بنے گا اور اس بچے کے بارے شک نہ ہو تو اسے دیکھنے کے لیے یہ تجویز دی گئی کہ آگ کا انگارہ رکھا جائے، اگر تو عام بچہ ہو گا اسے اٹھا کر منہ میں رکھ لے گا اور

اگر خاص بچہ ہے جو اللہ کا انتخاب ہے تو ایسا نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی حفاظت کرنا تھی اس لیے الٰہی حکم سے انگارہ اٹھایا اور منہ میں رکھ لیا اور زبان جل گئی۔ اس بناء پر آپ کی زباں میں لکنت تھی اسی کا اظہار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔

تیسری بات: میں نے فرعونیوں کے آدمی کو قتل کیا ہوا ہے جب میں ان کے سامنے جاؤں گا تو مجھے گرفتار کرلیں گے اور اپنے خون کا بدلہ مجھ سے لیں گے۔

اس کے ساتھ ہی عرض کیا کہ اگر مجھے ہی یہ ذمہ داری ادا کرنا ہے تو پھر میری یہ درخواست اے رب رحمان قبول کرلے کہ میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے، ایک تو وہ مضبوط اور طاقتور ہے، فصیح بیان رکھتا ہے، خوش بیان ہے، ہمت والا ہے، جب وہ میرے ساتھ ہوگا تو پھر مجھے کوئی پریشانی نہ ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کو قبول کرلیا البتہ اور جگہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کا تذکرہ موجود ہے اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ سے حضرت ہارون علیہ السلام کو مددگار بنانے کی درخواست کی تو اللہ نے قبول کرلیا تاکہ موسیٰ پورے اطمینان کے ساتھ الٰہی رسالت کو انجام دیں۔ ہارون کو موسیٰ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا کہ اب تم دونوں فرعون کے پاس ہماری آیات کو لے کر جاؤ اور ڈرو نہیں، اللہ نے فرمایا ہم اس مجلس میں موجود ہوں گے اور پیغام رسانی کے عمل کو دیکھ رہے ہوں گے جو کچھ آپ اور ان فرعونیوں کے درمیان مکالمہ ہو گا ہم اسے سن رہے ہوں گے، ہماری تمہارے اوپر پوری توجہ رہے گی، پریشان نہ ہو، اور اس تبلیغی عمل کو انجام دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اسے انجام دو۔ فرعون کے دربار پر جا کر واضح الفاظ میں بتاؤ کہ ہم رب العالمین کی جانب سے پیغام لائے ہیں اور پھر ان کو میرا پیغام سناؤ کہ رب العالمین یہ فرمارہا ہے کہ بنی اسرائیل پر ظلم بند کرو اور انہیں غلامی سے آزاد کرو اور ہمارے ساتھ انہیں بھیج دو کہ ہم انہیں ان کی اپنی سرزمین پر لے جاتے ہیں، وہی سرزمین جو مقدس ہے اور ان کے آجاؤ اجداد کی سرزمین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے

وعدہ دیا ہوا ہے کہ انہیں ان کی اپنی سرزمین پر پلٹایا جائے گا۔

قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا وَّ لَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِيۡنَ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ”(فرعون نے) کہا کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تو نے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال گزارے۔“

وَ فَعَلۡتَ فَعۡلَتَكَ الَّتِىۡ فَعَلۡتَ وَ اَنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ”اور تو اپنا وہ کرتوت کر گیا جو کر گیا اور تو ناشکروں میں سے ہے۔“

قَالَ فَعَلۡتُهَاۤ اِذًا وَّ اَنَا مِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: ”کہا جب میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا۔“

فَفَرَرۡتُ مِنۡكُمۡ لَمَّا خِفۡتُكُمۡ فَوَهَبَ لِىۡ رَبِّىۡ حُكۡمًا وَّ جَعَلَنِىۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ”پھر میں تم سے تمہارے ڈر کے مارے بھاگ گیا تب مجھے میرے رب نے دانائی عطا کی اور مجھے رسول بنایا۔“

وَ تِلۡكَ نِعۡمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىَّ اَنۡ عَبَّدْتَّ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: ”اور یہ احسان جو تو مجھ پر رکھتا ہے اسی لیے تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔“

فرعون کا موسیٰ ؑ کو جواب

جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام فرعون کے دربار میں آئے اور اللہ کا پیغام پہنچایا تو

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہو کہا کہ اے موسیٰ! توں وہی نہیں جس کی ہم نے اپنے گھر میں پرورش کی، تو ایک نو مولود بچہ تھا، ہم نے تجھے سنبھالا دیا، ہمارے گھر میں ہی تو بڑا ہوا تو بڑا ہو کر پھر تم نے ایک جرم کا ارتکاب کر ڈالا، ہمارا بندہ مار ڈالا اور پھر فرار ہو گئے۔ تم تو بہت ہی احسان فراموش ہو، اب آگئے ہو اور کہہ رہے ہو کہ رب العالمین کے رسول ہو۔ کہاں سے تم رسول بن گئے؟ یہ کیسی باتیں ہیں جو تم کر رہے ہو، ہم تو تیری بنیاد اور تیری اوقات سے واقف ہیں۔ تم نے تو ہماری سرزمین پر فتنہ و فساد کی بنیاد ڈالی ہے، ہم نے تجھے باقی بنی اسرائیل کے بچوں کی طرح قتل نہ کیا، تجھے اپنے پاس پالا پوسا، تجھے باقی بنی اسرائیل کی طرح ہمارا غلام ہونا چاہیے تھا میں ہی ہوں جو تم سب بنی اسرائیل کو نعمت دے رہا ہوں، سب پر میرے احسانات ہیں، تم بھی میرے غلاموں سے ایک غلام ہو، تم نے میری قوم کے جوان کو قتل کر کے رسم بندگی توڑ دی اور کفران نعمت کیا۔

موسیٰؑ کا فرعون کو جواب

موسیٰؑ نے فرعون کے ان سوالات کا جواب تین حصوں میں تقسیم کر دیا:۔

پہلی بات: فرعون نے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تم جیسے شخص کو پیامبری مل جائے۔ فرعون موسیٰؑ کی رسالت کو انہونی سمجھتا ہے۔

دوسری بات: موسیٰؑ کے کام کو ناپسندیدہ، فتنہ و فساد قرار دیا۔

تیسری بات: تم میرے غلام ہو اور احسان فراموش ہو۔

پہلے فرعون کے دوسرے اعتراض کا جواب دیا کہ جب میں نے آپ کے بندے کو مارا تھا وہ نادانی میں ہوا اس کام کی مصلحت و مفاد سے میں واقف نہ تھا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ حق کیا ہے کہ جس کی میں پیروی کروں اور اس کے مطابق عمل کروں۔ اس زمانہ میں مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا کہ جو ایک شخص مجھے مدد کے لیے پکار رہا تھا کہ میں اس کے مخالف کے حوالے

سے اس کی مدد کروں اور میں نے اس کی آواز کو قبول کیا اور اس کے مخالف کو قتل کر دیا۔ یہی کام سبب بنا کہ مجھے ڈر تھا کہ اس عمل کی سخت سزا ہو گی میں مصر سے بھاگ نکلا، کیونکہ جو میرے متعلق فیصلہ ہو چکا تھا اس کے متعلق میرے ایک ہمدرد نے مجھے باخبر کر دیا تھا اس نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ تم مصر سے نکل جاؤ، میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔[1]

اس کے بعد فرعون کے پہلے اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا کہ اس واقعہ کے بعد جب میں مصر چھوڑ کر چلا گیا کہ میرے رب نے مجھے حکم دے دیا، اللہ نے دانائی عطا کر دی، اس حکم سے منظور اور مقصود یہ ہے صحیح نظر ہونا، کسی بھی امر کی حقیقت کو پالینا، کسی بھی عمل سے رائے یا نظریہ کا مستحکم و محکم ہونا اس بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا میرے رب نے مجھے رسولوں سے قرار دیا ہے، یہ بات کرکے فرعون کو سمجھایا جا رہا ہے کہ یہ امر بعید ہوتا اگر رسالت اور اللہ کی نمائندگی کا عنوان نہ ہوتا بلکہ اللہ کی جانب سے موہبت و عطیہ ہے کہ اللہ نے رسالت اور حکم کو خود موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا ہے لہٰذا اس اعتراض کی کوئی وقعت نہ ہے۔ ان دو اعتراضات کا جواب دینے کے بعد تیسرے سوال کا جواب دیا ہے جس میں فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا غلام قرار دیتے ہوئے اعتراض کیا تھا کہ تم نے عبودیت کا حق ادا نہیں کیا اور اس نعمت کا کفران کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم جس بات کو اپنی نعمت شمار کر رہے ہو اور مجھے کفران نعمت کا طعنہ دے رہے ہو یہ نعمت نہیں تھی بلکہ تیری جانب سے جابرانہ اور ظالمانہ تسلط اور غلبہ تھا۔ تم نے میرے اور بنی اسرائیل پر ظلم و جبر جاری رکھا، تمہارے لیے بنی اسرائیل اور میرے اوپر کسی قسم کی ولایت اور سرپرستی کا حق موجود نہ تھا لہٰذا میرا تیرے گھر میں تربیت

---

[1]۔ سورہ قصص، آیت ۲۰۔۲۱۔

پانا، بنی اسرائیل کو غلامی و بندگی میں رکھنا یہ سب تیرے مظالم ہی تھے جس کی وجہ سے میری ماں مجبور ہوئی کہ مجھے ایک صندوقچہ میں بند کرے اور دریا میں بہادے تاکہ دوسرے بچوں کی طرح مجھے بھی قتل نہ کر دیا جائے، تمہاری حکومت میں بنی اسرائیل کو ظلم و ستم کے ساتھ غلام بنایا گیا۔ یہ ایک جرم ہے، طغیان گری ہے، سرکشی ہے، یہ ہرگز نعمت نہیں کہ جس پر شکر بجالایا جائے بلکہ اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانا ہر مظلوم کا حق بنتا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: "فرعون نے کہا رب العالمین کیا چیز ہے۔"

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: "فرمایا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے، اگر تمہیں یقین آئے۔"

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: "اپنے اردگرد والوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں ہو۔"

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: "فرمایا تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔"

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: "کہا بے شک تمہارا رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔"

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: "فرمایا مشرق و مغرب اور جو ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے، اگر تم

عقل رکھتے ہو۔"

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: "کہا اگر تو نے میرے سوا اور کوئی معبود بنایا تو تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔"

فرعون کے سوالوں کے جوابات

فرعون نے تجاہل کرتے ہوئے کہا:

فرعون: رب العالمین کیا چیز ہے؟ یہ بات اشارہ ہے کہ فرعون کہنا چاہتا ہے کہ میں تو اس نام کے سوا جو تم نے لیا ہے اس بارے کچھ بھی نہیں جانتا لہٰذا تم اس بارے توضیح پیش کرو۔

فرعون کا اعتقاد تو یہ تھا کہ وہ ہی رب اعلیٰ ہے، وہ ہی سب سے برتر ہے، سورہ نٰزعٰت آیت ۲۴: فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾ "میں ہی تو تمہارا رب اعلیٰ ہوں" بت بھی تھے جو معبود بنائے گئے تھے۔ سورہ اعراف، آیت: ۱۲۷: وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ۔ فرعون اپنے لیے اور بتوں کے حوالے سے کائنات کے امور کے ایک حصہ کی تدبیر میں استقلال کا قائل تھا، اسی وجہ سے وہ خود کو اور بتوں کو رب قرار دیتا تھا کیونکہ وہ خلقت کے ہر حصہ کے بارے علیحدہ مدبر کا قائل تھا، ہر ایک کا علیحدہ مدبر ہے اس لیے نصیحت کے ساتھ سوال کرتا ہے کہ رب العالمین کیا چیز ہے؟

موسیٰ: موسیٰؑ نے فرعون کے سوال کا جواب دیا: رب العالمین بھی وہ ہے جو آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ اتصال اور ہم آہنگی اس بات کا ثبوت ہے اس پورے جہان کا رب ایک ہے، رب العالمین وہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب وہی ہے، یہ وہ اعتقاد ہے جو اہل یقین کا ہے جو لوگ یقینی اور برھانی اعتقادات کے سوا کچھ قبول نہیں کرتے ان کا یہ نظریہ ہے۔

فرعون اپنے اطرافیوں سے: فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے کہ موسیٰ کیا کہہ رہا ہے؟ اس متعجبانہ انداز سے فرعون یہ بتانا چاہ رہا تھا یہ دیکھو موسیٰ رب العالمین کی نمائندگی اور پیغمبری کا دعویٰ کر رہا ہے۔ جب ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ رب العالمین کیا ہے تو دوبارہ وہی اپنی پہلی بات کو دہرا دیتا ہے، اس پر اضافہ نہیں کرتا، فرعون کا مقصد یہ تھا کہ اپنے اس انداز گفتگو سے اس قسم کے رد عمل سے موسیٰ علیہ السلام کے کلام کے برھان کی حقیقت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے۔ اس لیے وہ کہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پہلے والی بات دہرا دی ہے اور میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔

موسیٰ علیہ السلام: موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ فرعون مغالطہ کاری کر رہا ہے اور حق پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے اور یہ کہ اس نے وحدت تدبیر کے عنوان کو نظر انداز کر دیا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ رب العالمین وہ ہے جو تمہارا اور تمہارے پہلے آباء کا رب ہے یعنی تمام انسان جو ماضی میں تھے یا اب موجود ہیں سب کی تدبیر کرنے والا ہے۔

فرعون: اس جواب پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب کا تمسخر اڑایا اور اپنے اطرافیوں سے کہنے لگا کہ یہ ہے وہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یہ تو دیوانہ اور پاگل ہے کیونکہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عقل میں خلل ہے، مجنون ہے، یہ جنونی حالت میں ہے۔

موسیٰ ؑ: موسیٰ علیہ السلام پھر اتصال اور وحدت تدبیر کے حوالے سے وارد ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں رب العالمین وہ ہے جو مشارق و مغارب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ مشرق سے مراد طلوع خورشید کی جگہ اور باقی آسمانی سیارگان ہیں اور مغرب سے مراد جس جانب ظاہری حس کے تحت خورشید غائب ہوتا ہے اور مشرق اور مغرب کے درمیان پورے عالم محسوسات کو شامل ہے۔ یہ پہلی عبارت کو دوسرے انداز سے بیان کیا گیا۔ ان سب میں اتصال ہے، وحدت ہے، جو اس بات پر دلیل ہے کہ ان سب کا مدبر اور مدیر و ناظم

ایک ہے اور وہ رب العالمین ہے۔ جو اس وحدانیت کو نہیں سمجھتا تو وہ تعقل اور فہم کی گہرائی سے محروم ہے۔

فرعون کی ربوبیت کا بطلان

اور فرعون جیسوں کی الوھیت اور ربوبیت کی بنیاد ایسی بات پر ہے جو خود باطل و بے بنیاد ہے کیونکہ فرعون اور دوسرے خود مخلوقات سے ہیں اور اللہ کے بندگان سے ہیں۔

فرعون کی دھمکی

فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کے جوابات کے سامنے عاجز آجاتا ہے اور اسے کوئی راستہ نہیں ملتا تو جابر حکمرانوں کی مانند جاہلانہ اور ظالمانہ انداز اپناتے ہوئے موسیٰ کو دھمکی دیتا ہے: اے موسیٰ اگر تونے میرے سوا کسی کو اپنا الٰہ و معبود قرار دیا تو میں تجھے جیل میں ڈال دوں گا۔

جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ فرعون خود کو رب اعلیٰ قرار دیتا تھا، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو سخت سزا دینے کی دھمکی دیتا ہے کہ اگر فرعون کے علاوہ کسی اور کو اپنا الٰہ بنالیا تو پھر تو جیل میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ہوگا۔

قَالَ اَوَ لَوۡ جِئۡتُكَ بِشَىۡءٍ مُّبِيۡنٍ‌ۚ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: "فرمایا اگرچہ میں تیرے پاس ایک روشن چیز لے آؤں۔"

قَالَ فَاۡتِ بِهٖۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: "کہا اگر تو سچا ہے تو وہ چیز لا۔"

فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ۚۖ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: "پھر اس نے اپنا عصا ڈال دیا سو اسی وقت وہ صریح اژدھا ہو گیا۔"

وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور اپنا ہاتھ نکالا سو اسی وقت وہ دیکھنے والوں کو چمکتا ہوا دکھائی دیا۔''

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''اپنے ارد گرد کے سرداروں سے کہا کہ بے شک یہ بڑا ماہر جادو گر ہے۔''

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے، پھر تم کیا رائے دیتے ہو۔''

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''کہا اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور شہروں میں چپڑاسیوں کو بھیج دیجیے۔''

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''کہ تیرے پاس بڑے ماہر جادو گروں کو لے آئیں۔''

موسیٰؑ کا اپنے دعویٰ کے لیے معجزہ دکھانا

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے تمسخر کا اثر لیے بغیر اسے کہہ دیا کہ میں اگر تیرے سامنے اپنے دعوے کی سچائی بارے کوئی ایسی واضح چیز پیش کر دوں کہ اس جیسا کوئی اور نہ لائے، جو اس بات کا ثبوت ہو گا میرا تعلق غیب سے ہے، جو ظاہری اسباب سے ماوراء ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح چاہا کہ انہیں اپنے رسول ہونے پر ثبوت دے دیں تاکہ وہ آپ کی بات کو مان لیں۔ دو معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھائے:

ا۔ پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو زمین پر پھینکا جو اژدھا بن گیا اور اس نے زمین پر رینگنا شروع کر دیا اور دیکھنے والوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کے اژدھا ہونے بارے شک کرے۔

۲۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو گریبان سے باہر نکالا تو جب ہاتھ باہر آیا تو وہ مکمل طور پر سفید اور نورانی تھا۔ یہ دو معجزے اس قدر اپنی دلالت میں واضح تھے، فرعون کے پاس یہ سب کچھ دیکھ کر اس کے پاس کچھ راستہ نہ بچا سوائے اس کے کہ تہمت اور ھوچی گری سے کام لے۔ اس کے پاس قوم کے اشراف و بڑے بیٹھے تھے، ان کی طرف دیکھ کر کہا دیکھیں یہ کتنا بڑا ماہر جادوگر ہے۔ اور موسیٰ کے خلاف فضاء مکدر کرنے کے لیے اس نے اپنی قوم کے بڑوں سے کہا: وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہاری سرزمین سے باہر نکال دے اور خود قابض ہو جائے۔

لوگوں کو اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا تاکہ وہ اس کی بات کو مان لیں اور اپنے سے ان کو دُور کریں کیونکہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ باہر کا کوئی شخص آئے اور انہیں ان کی زمین سے محروم کر دے۔

فرعون کا اپنی قوم کے بڑوں سے مشورہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ماہر جادوگر ہونے کی تہمت لگانے کے بعد فرعون نے اپنے ان بڑوں سے مشورہ لیا، یہ بڑے لوگ قبطی قوم سے تھے جو دربار میں موجود تھے اور فرعون کے خاصان تھے۔ فرعون نے ان سے سوال کیا کہ اب آپ لوگ بتائیں کہ ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ قبطی قوم کے اشراف نے فرعون کو مشورہ دیا کہ موسیٰ اور اس کے بھائی کو سزا دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ انہیں مہلت دے انہیں روک لے اور اس دوران مصر کے مختلف شہروں میں اپنے ہرکارے روانہ کر دے جو تمام ماہر جادوگروں کو اٹھا کر لے آئیں اور وہ

آکر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ فرعون نے ان کے مشورہ کو قبول کرلیا۔[1]

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝٣٨

ترجمہ: ”پھر سب جادوگر ایک مقرر دن پر جمع کیے گئے۔“

وَّقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ۝٣٩

ترجمہ: ”اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم بھی اکٹھے ہوتے ہو۔“

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝٤٠

ترجمہ: ”تاکہ اگر جادوگر غالب آجائیں تو ہم انہی کی راہ پر رہیں۔“

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝٤١

ترجمہ: ”پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے کہا اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہمیں کوئی بڑا انعام ملے گا۔“

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝٤٢

---

[1]۔ روایت میں ہے کہ جب اسیران کربلا کو یزید ملعون کی مجلس میں لایا گیا تو اس نے اپنے اطرافیوں سے سوال کیا کہ میں اسیران کے ساتھ کیا سلوک کروں تو انہوں نے کہا کہ تم ان سب کو قتل کردو۔ جب یہ جواب انہوں نے دیا تو اسیراوں میں امام حسین علیہ السلام کے تین سالہ بچے (بظاہر حضرت امام باقر علیہ السلام مراد ہیں) نے کھڑے ہو کر کہا کہ فرعون کے اطرافی پاکیزہ ولادت والے تھے، اس لیے جب فرعون نے موسیٰ کے بارے مشورہ مانگا تو انہوں نے ان کے قتل کا مشورہ نہ دیا لیکن تیرے اطراف میں موجود لوگ اچھی ولادت نہیں رکھتے اس لیے تجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں۔ (جس پر یزید ملعون نے اپنے اطرافیوں کی رائے پر عمل نہ کیا)۔ (مصحح)

ترجمہ: ''کہا ہاں اور بے شک تم اس وقت مقربین میں داخل ہو جاؤ گے۔''

موسیٰؑ کے ساتھ مقابلے کا دن

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو مصر ہی میں روک لیا گیا اور معین دن جو کہ فرعونیوں کی زینت کا دن تھا یعنی وہ دن ان کی عید کا تھا، اس دن کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے معین کر دیا گیا اور پورے مصر سے بڑے بڑے جادوگروں کو بلا لیا گیا۔ جب جادوگر سارے آگئے تو انہوں نے فرعون سے غالب آنے کی صورت میں اپنے لیے انعام کا تقاضا کیا کہ ہمیں اس بڑی کامیابی پر انعام دیا جائے گا تو فرعون نے جواب دیا کہ وہ دربار کے مقربین سے قرار پائیں گے۔ سورہ طٰہٰ میں اس بارے مفصل بیان آیا ہے۔ اس فیصلہ کے بعد جب دن بھی معین ہو گیا اور مقابلہ کے لیے تمام انتظام کر لیے گئے، فرعون اور اس کے خاصان کے بیٹھنے کی جگہ بن چکی، عوام کو بھی بلانے کا پروگرام بنایا گیا، گویا کہ ایک بڑا عوامی اجتماع بھی طلب کر لیا اور ایک ایسی جگہ پر سارے جادوگروں کو بٹھا دیا گیا اور ان کے قریب ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھی بٹھا دیا، جگہ ایسی بنائی گئی کہ جب ان کی موجودگی میں مصری جادوگر اپنے جادو کے کرتب دکھائیں تو اسے سب لوگ آسانی سے دیکھ سکیں اور ان کے جواب میں جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دکھائیں تو وہ بھی واضح نظر آئے۔ ظاہر ہے کہ اس پورے اجتماع میں ظالم ماحول ہے، فرعون جیسا خونخوار موجود ہے۔ کافر اجتماع ہے، فقط دو بھائی ہیں جن کا کوئی حامی موجود نہیں جو اپنے رب کی وحدانیت ثابت کرنے اور اللہ کی قدرت کا اظہار کرنے کے لیے موجود ہیں۔ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے پورا اطمینان ہے، پرسکون ہیں، مجمع پر ایک سکوت طاری ہے، سب انتظار میں ہیں کہ دیکھیں اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے، سب میں فرعون کا اعلان پہنچا ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بڑا ہی ماہر جادوگر ہے اور اپنے جادو کے

ذریعہ مصر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور اس کا توڑ کرنے کے لیے پورے مصر کے ماہر جادوگر آئے ہوئے ہیں جو اپنے اپنے فن میں بہت ہی ماہر ہیں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''موسیٰ نے ان سے کہا ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔''

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِيَّهُمْ وَ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''پھر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور کہا فرعون کے اقبال سے ہماری فتح ہے۔''

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا پھر وہ فوراً ہی نگلنے لگا جو انہوں نے جھوٹ بنایا تھا۔''

مقابلہ کا آغاز

میدان کھچا کھچ بھرا ہے، جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہوگا کہ آپ اپنا فن دکھائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر اعتماد کرتے ہوئے ان سے کہا کہ پہلے تم اپنے کرتب دکھاؤ، جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کا مظاہرہ کرو۔ مصری جادوگروں نے اپنے دامن میں رکھی ہوئی رسیاں، ڈنڈے، لکڑیاں زمین پر پھینکیں، تو سب کے سب زمین پر چلتے بھاگتے نظر آئے کہ گویا سانپ اور سپنیاں ہیں۔ عجیب منظر تھا، آوازیں آرہی تھیں کہ اب موسیٰ علیہ السلام میدان میں آئے، موسیٰ علیہ السلام بڑے اطمینان سے ان کے درمیان میں اپنا عصا پھینکتے ہیں، جیسے

ہی عصا ان کے درمیان جاتا ہے ایک بڑا اژدھا بن جاتا ہے اس نے فوراً ان رسیوں، ڈنڈوں اور لکڑیوں کو پکڑ پکڑ کر نگلنا شروع کر دیا جو تھوڑی دیر پہلے سانپ نظر آرہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر پورے مجمع پر سناٹا چھا گیا، جادوگر بھی پریشان ہو گئے اور انہیں اپنی شکست نظر آئی بلکہ وہ جان گئے کہ یہ طبیعی اسباب سے نہیں بلکہ غیبی مدد سے ہے۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔''

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''کہا ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔''

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔''

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''فرعون نے کہا کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے، بے شک وہ تمہارا استاد ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے، سو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا، البتہ میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔''

قَالُوۡا لَا ضَیۡرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿ۚ۵۰﴾

ترجمہ: ”کہا کچھ حرج نہیں، بے شک ہم اپنے رب کے پاس پہنچنے والے ہوں گے۔“

مصر کے ماہر جادو گروں کا ایمان لانا

عید کا دن تھا، سامنے فرعون اپنے وزراء کے ہمراہ بیٹھا ہے، اسے پورا یقین ہے کہ وہ اپنے جادو گروں کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو شکست دے گا۔ مصر کے ماہر جادو گر اپنا اپنا کرتب دکھانے کے لیے مقابلہ کے میدان میں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ہمراہ اللہ کی تائید اور نصرت کے سہارے باطل کو شکست دینے اور حق کے اثبات کے لیے پورے اطمینان سے موجود ہیں۔ سامنے مجمع لگا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصری جادو گروں سے کہا کہ تم اپنے فن کا مظاہرہ کرو۔ جادو گروں کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے اسے سامنے پھینک دیا۔ ان کا کام ختم ہو چکا، انہوں نے فرعون کے نام سے کام کا آغاز کیا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے نام سے اپنے عصا کو زمین پر پھینکا۔ عصا نے اژدھا بن کر جادو گروں کی تمام رسیاں، ڈنڈے، لکڑیاں سب کو نگل لیا اور ابھی تیار ہے کہ اگر اشارہ ملے تو فرعون اور فرعونیوں کو بھی نگل جائے۔ عوام پر عجیب خوف طاری ہے سکوت چھا چکا ہے، اس سکوت کو جادو گروں کی زوردار آواز نے توڑ دیا، سب نے مل کر بلند آواز سے کہا ہم رب العالمین پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ رب العالمین جو موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔ حق کے غلبہ کا اعلان ہو چکا، فرعون یہ توقع نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی اسے اس قسم کے جادو گروں کی طرف سے اعلان کی توقع تھی، اس کا خیال تھا کہ آخر میں کامیابی یا ناکامی کا اعلان وہ خود کرے گا اور فیصلہ کا حق سب اسے ہی ہے۔

فرعون نے جادو گروں کے اعلان کے فوراً بعد اپنی گرجدار آواز سے جادو گروں کو ڈانٹ دیا۔ اس طرح اس نے عوام کو بھی خوفزدہ کر دیا کہ کوئی ایسا اعلان نہ کرے۔ عوام کالانعام کا

مصداق ہوتے ہیں، فرعون نے جادو گروں کو ڈرایا دھمکایا اور پہلا ہی سوال کر ڈالا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر ایسا کیوں کیا؟ میری اجازت سے پہلے تم نے ایسا کیوں کہا؟

فرعون کا خیال تھا کہ میری اجازت کے بغیر وہ کچھ اعلان نہ کریں گے، ساتھ ہی فرعون نے بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ ایسا لگتا ہے کہ موسیٰ تمہارا بڑا ہے اور اس نے تمہیں جادو تعلیم دیا ہے میں تمہاری گردنیں اڑا دوں گا، تمہیں اُلٹا لٹکاؤں گا۔ فرعون کی دھمکی پر جادو گروں نے دوٹوک اعلان کیا کہ جو ہو جائے ہمیں کچھ فکر نہ ہے۔ فرعون نے کہا کہ ہاتھ اور پاؤں کو مخالف سمت میں کاٹوں گا۔ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں اور بائیں ہاتھ کے ساتھ دایاں پاؤں کاٹوں گا۔ جادو گروں نے بڑی دلیری سے جواب دیا اور یہ ایمان کی بنیاد پر تھا: یہ تو ہماری آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں ہمیں موت آجائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے کیونکہ پہلے وہ ہیں کہ جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر ایمان لے آئے ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اللہ ہماری مدد کرے گا۔

اِنَّا نَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ اَنۡ کُنَّاۤ اَوَّلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ”ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا اس لیے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔“

ساحروں کی اللہ سے اُمید

یہ جملہ ساحروں اور جادو گروں کا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں پوری اُمید ہے کہ ہمارا رب ہماری خطائیں معاف کر دے گا، ہمارے اوپر اپنی مغفرت اُتارے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہم ہی سب سے پہلے لوگ ہیں جو اس کے نبی و رسول کی دعوت پر ایمان لے آئے ہیں۔ کافر مبہوت تھے، فرعون پریشان تھا لیکن اپنے اقتدار کے نشہ میں ان جادو گروں کے خلاف سخت فیصلہ سنا دیا، یہ سختی اس لیے تھی تاکہ دوسرے لوگوں کے سامنے بند باندھ دے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام

پر ایمان نہ لائیں۔ وہ عوام میں خوف وہراس کی فضا پھیلا کر دعوت حقہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسٰۤی اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِیۡۤ اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو رات کو لے نکل البتہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔''

موسیٰؑ کے لیے اللہ کا نیا حکم

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے ماجرا کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے نیا حکم نامہ جاری کیا کہ اے موسیٰ اپنی قوم کے افراد کو اکٹھا کرو اور رات کے وقت مصر سے کوچ کرو اس میں مومنین کے لیے فرج وکشادگی ہے۔ اللہ نے وعدہ دیا کہ ہم فرعونیوں کی تاک میں ہوں گے اور ان کے شر سے تمہیں محفوظ رکھیں گے۔ اس میں فرعونیوں کے غرق آب ہونے کی طرف اشارہ تھا۔

فَاَرۡسَلَ فِرۡعَوۡنُ فِی الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾ۚ

ترجمہ: ''پھر فرعون نے شہروں میں چپڑاسی بھیجے۔''

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرۡذِمَةٌ قَلِیۡلُوۡنَ ﴿۵۴﴾ۙ

ترجمہ: ''کہ یہ ایک تھوڑی سی جماعت ہے۔''

وَ اِنَّهُمۡ لَنَا لَغَآئِظُوۡنَ ﴿۵۵﴾ۙ

ترجمہ: ''اور انہوں نے ہمیں بہت غصہ دلایا ہے۔''

وَ اِنَّا لَجَمِیۡعٌ حٰذِرُوۡنَ ﴿۵۶﴾ؕ

ترجمہ: ''اور بے شک ہم سب ہتھیار بند ہیں۔''

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے انہیں باغوں اور چشموں سے نکال باہر کیا۔''

وَّ كُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: ''اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے۔''

كَذٰلِكَ ؕ وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: ''اسی طرح ہوا، اور ہم نے ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا۔''

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: ''پھر سورج نکلنے کے وقت ان کے پیچھے پڑے۔''

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: ''پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔''

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ''کہا ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ بتائے گا۔''

فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ اپنی لاٹھی کو دریا پر مار، پھر پھٹ گیا پھر ہر

ٹکڑا بڑے ٹیلے کی طرح ہو گیا۔"

وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ۚ﴿۶۴﴾

ترجمہ: "اور ہم نے اس جگہ دوسروں کو پہنچا دیا۔"

وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۚ﴿۶۵﴾

ترجمہ: "اور ہم نے موسیٰ کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو نجات دی۔"

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ؕ﴿۶۶﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔"

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: "البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔"

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۠﴿۶۸﴾

ترجمہ: "اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔"

مصر سے بنی اسرائیل کی روانگی

فرعون کے سخت رویہ سے بنی اسرائیل گھبرائی ہوئی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ کا فرمان آگیا کہ تم بنی اسرائیل جمع کرو، گھر بار چھوڑیں اور انہیں اپنے ساتھ رات کے وقت لے کر نکل کھڑے ہو اور ساتھ اللہ نے وعدہ دیا کہ ہم ان سب کے پیچھے موجود ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ مصر سے نکل کھڑے ہوئے تو دن چڑھتے ہی یہ خبر

فرعونیوں کو مل چکی تھی، فرعون نے انہیں واپس لانے کے لیے فوراً سپاہیوں کو حکم جاری کیا کہ اور اپنے ہرکارے ہر شہر میں بھیجے کہ سب تک فرعون کا فرمان پہنچایا جائے کہ سب جمع ہو جائیں اور ساتھ ہی فرعون نے ان میں خطاب کیا کہ ہم لوگ طاقت میں ہیں اور وہ تعداد میں کم ہیں، ہم انہیں ان کی جائیدادوں، زمینوں، پانی، چشموں سے بے دخل کر دیں گے اور ان کے تمام خزانوں، اموال، حیوانات، ان کے خوبصورت مکانات، سب پر قبضہ کر لیں گے۔ یہ بات اپنی جماعت سے خطاب میں کہی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ تعداد میں کم ہیں، ہم ان پر غالب آجائیں گے۔ اس طرح فرعون اس لشکر کو لے کر بنی اسرائیل کا پیچھا کرتا ہے۔ بنی اسرائیل کی قیادت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے پاس ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب سمندر کے کنارے پہنچ گئے تو پیچھے سے فرعون کا بڑا لشکر نظر آیا۔ بنی اسرائیل گھبرا گئے اور کہہ اُٹھے کہ اب ہماری خیر نہیں، ہم تو اب ان کے اسیر بن جائیں گے۔ آگے سمندر ہے عقب میں فرعون اور اس کی فوج ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے وہ میرے لیے اس مشکل سے نکلنے کے لیے کوئی حل نکال دے گا۔

آیات سے یہ ظاہر ہے کہ رات کے وقت ہی فرعون اپنے لشکر کو لے کر بنی اسرائیل کے پیچھے چل پڑا، صبح آفتاب کے طلوع کے بعد ان دونوں جماعتوں کا آمنا سامنا ہوا۔ بہر حال اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنا عصا سمندر پر مارو۔ جیسے ہی موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا سمندر پر مارا تو درمیان میں راستہ بن گیا اور اس راستے کے اطراف میں پہاڑ مانند دیوار بن گئی۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ اس راستہ پر چل پڑے، جب یہ عبور کر چکے تو فرعون بھی بمعہ لشکر اس جگہ پہنچ گیا، انہوں نے دیکھا کہ سمندر میں راستہ بنا ہوا ہے اور بنی اسرائیل اسی راستہ سے عبور کر کے اس کے پار چلے گئے تھے۔ فرعون بھی اپنی جماعت کے ساتھ اس راستہ میں داخل ہو گیا، فرعون اپنے ساتھیوں سمیت اس سمندر میں غرق ہوتا ہے۔

موسیٰؑ اور فرعون کے قصہ میں عبرت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے آغاز سے لے کر فرعون کے غرق ہونے تک کے تمام قصہ کو بیان کیا ہے کس طرح اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آیات دی تھیں، تمام تر دلائل اور حقائق جاننے کے باوجود اس پر غور و فکر نہ کیا گیا اور ایمان نہ لائے، سوائے بہت ہی مختصر تعداد جو جادوگروں پر مشتمل تھی۔ اس واقعہ کو بیان کرکے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے کہا کہ میرے پیارے! مشرکین کا حال بھی فرعونیوں سے مختلف نہ ہے۔ یہ بھی تمام تر معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ انسان کی پرانی عادت یہی چلی آرہی ہے، آپ غمناک نہ ہوں، پریشان نہ ہوں، ہم نے جب بھی انسانوں کے پاس اپنا رسول بھیجا کہ وہ انہیں توحید اور ربوبیت کی طرف دعوت دیں، ان کی اکثریت ایمان نہ لائی۔ لیکن تیرا پروردگار عزیز ہے، مقتدر ہے، رحیم و مہربان ہے اس لیے ذکر کو ان کی ہدایت کے لیے اُتارا ہے۔ مومنوں کو اللہ مغفرت سے نوازتا ہے اور کافروں کو سزا دیتا ہے لہٰذا معجزہ اور غیر معمولی امور کو ظاہر کرنے سے یہ لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ ایمان اشراق ربانی اور نورِ الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ دلوں پر اُتار دیتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: ”اور انہیں ابراہیم کی خبر سنا دے۔“

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ: ”جب اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس کو پوجتے ہو۔“

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾

ترجمہ: ”کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر انہی کے گرد رہا کرتے ہیں۔“

قَالَ هَلۡ یَسۡمَعُوۡنَکُمۡ اِذۡ تَدۡعُوۡنَ ﴿۷۲﴾ۙ

ترجمہ: ''کہا کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو۔''

اَوۡ یَنۡفَعُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَضُرُّوۡنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ''یا تمہیں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا کَذٰلِکَ یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ''کہنے لگے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے پایا ہے۔''

قَالَ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۵﴾ۙ

ترجمہ: ''کہا کیا تمہیں خبر ہے جنہیں تم پوجتے ہو۔''

اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ﴿۷۶﴾۫ۖ

ترجمہ: ''تم اور تمہارے پہلے باپ دادا جنہیں پوجتے تھے۔''

فَاِنَّہُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۷﴾ۙ

ترجمہ: ''سو وہ سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں۔''

الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَہُوَ یَہۡدِیۡنِ ﴿۷۸﴾ۙ

ترجمہ: ''جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے راہ دکھاتا ہے۔''

وَ الَّذِیۡ ہُوَ یُطۡعِمُنِیۡ وَ یَسۡقِیۡنِ ﴿۷۹﴾ۙ

ترجمہ: ''اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ يَشۡفِيۡنِ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: ”اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔“

وَالَّذِىۡ يُمِيۡتُنِىۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡنِ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: ”اور وہ جو مجھے مارے گا پھر زندہ کرے گا۔“

وَالَّذِىۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ يَّغۡفِرَ لِىۡ خَطِيۡٓـــَٔتِىۡ يَوۡمَ الدِّيۡنِ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: ”اور وہ جو مجھے امید ہے کہ میرے گناہ قیامت کے دن مجھے بخش دے گا۔“

ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے حالات

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مصطفیٰ ﷺ سے فرمایا کہ ان بت پرستوں کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات بیان کرو اور اس طرح بڑے سادہ طریقہ سے انہیں بت پرستی سے روکو اور ان کو سمجھا دو کہ کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اکیلے کلمہ توحید کی سربلندی کے لیے قیام کیا اور ان کے ذریعہ سرزمین فلسطین اور حجاز میں توحید پرستی پھیل گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کے سامنے ہر انسان کے اندر خداجوئی اور پاک فطرت ہےاس کو بنیاد بناتے ہوئے ان سے سوال جواب میں انہیں بت پرستی کے خلاف ابھارا اور ان کی فطرت کو بیدار کیا۔

ابراہیمؑ: تم کس کی پرستش کرتے ہو؟

قوم: ہم پتھر کے بنے بتوں کی پرستش کرتے ہیں یا لکڑی اور دھات کے بنے بت ہیں، ہم ہمیشہ ان کے آگے جھکے رہتے ہیں، اس خیال سے جو صفات معین معبود میں ہیں وہ ان بتوں میں ظہور پذیر ہوتی ہیں اور معبور ان بتوں میں مجسم ہوتا ہے جبکہ یہ بت جو ممثل ہی اور ان کے اندر معبودیت کی کوئی نشانی نہیں ہے جبکہ قدرت اور طاقت ان بتوں کی نشانی نہیں ہے وہ کسی

اور معبود کی نشانی ہے، اگر وہ کسی اور کی نشانی ہے تو پھر ان کی پرستش نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت ابراہیم نے ان پر احتجاج کرتے ہوئے فرمایا کیا یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو، جب تم انہیں پکار رہے ہوتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ کیونکہ عبادت اور پکارنا تب ہی صحیح ہوگا کہ وہ جس کی عبادت کی جارہی ہے یا جسے پکارا جارہا ہے وہ آواز کو سنے۔ پھر سوال کیا گیا کہ یہ بت جن کی تم عبادت کر رہے ہو یہ آپ کو نفع و نقصان دیتے ہیں؟ کیونکہ لوگ تو اس معبود کی عبادت کرتے ہیں جن سے انہیں خیر اور اچھائی کا فائدہ ہو یا وہ ان سے کوئی نقصان کو دور کر دیں جبکہ یہ بت تو بے جان جمادات ہیں، بے شعور ہیں، نہ تو کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی سے شر اور نقصان کو دُور کر سکتے ہیں۔ یہ دو اہم سوال تھے جو ابراہیمؑ نے اپنی اس بت پرست قوم سے کیے۔ ان میں آپ کی پرورش کرنے والے چچا بھی تھے جسے آپ باپ کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ آپ کے باپ آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔

اس کا صحیح جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ نہ تو سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں نہ ہی فائدہ دیتے ہیں اور نہ ہی شر کو دُور کر سکتے ہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر ان کی عبادت کیوں؟ ان کی عبادت نامعقول اور بے فائدہ ہے بلکہ ایک لغو اور بے ہودہ عمل ہے جسے کوئی عقلمند انسان انجام نہیں دے سکتا۔ عقلمند جو بھی کام کرتا ہے تو اس کے کام کا کوئی معقول اثر اور نتیجہ ہوتا ہے جو اس کے مد نظر ہوتا ہے۔

قوم: قوم کے پاس ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا جواب نہ تھا اور نہ ہی ان کی منطق اور عقل پر مبنی دلیل کا ان کے پاس کوئی توڑ تھا۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کے جواب سے عاجز آگئے، بجائے اس کے کہ وہ اعتراف کرتے کہ یہ بت سنتے نہیں، یہ بت نفع و نقصان نہیں دیتے بلکہ انہیں اس سوال کا جواب کچھ اور ہی دیا کہ ہمارے تو آباء ایسا کرتے تھے، ہم تو ان کی تقلید کرتے ہیں۔ بت پرستی پر وہ کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔

اس قوم کی بات جہالت پر مبنی تھی کیونکہ عقیدہ اور ایمان کے مسئلہ میں عادات، جہالت، خیالات اور تصورات کی کچھ جگہ نہ ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی جانب سے اپنے عمل کے لیے تقلید کے سوائے کچھ بات نہ تھی تو پھر ابراہیم علیہ السلام نے اپنا اعلان فرمایا۔

ابراہیمؑ: تم سب جان لو! تم یہ بت جو دیکھ رہے ہو یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو اور جن کی تمہارے آباء پرستش کرتے تھے یہ سب میرے دشمن ہیں، ان کی پرستش ایسی عبادت ہے جو بنیاد سے ہی باطل ہے۔ ان بتوں کی پرستش نہ تو میرے دین کو نقصان دیتی ہے اور نہ مجھے نقصان دے سکتی ہے۔ اس لیے میں تمہاری اندھی تقلید نہیں کرتا، میں تو بس رب العالمین کی عبادت کرتا ہوں، اللہ تمہارے بتوں کی صفات سے منزہ ہے، یہ بت میرے دشمن ہیں، اللہ ہی ہے جس نے میرے لیے دُنیاوی اور اخروی منافع کی راہنمائی دی ہے۔

خدا نے تمام نعمات میرے اختیار میں رکھی ہیں۔ ان نعمات سے ہے اس نے مجھے روزی دی، کھانا وہی کھلاتا ہے، پانی وہی پلاتا ہے، میرا یروزی کا سامان وہی فراہم کرتا ہے۔ یہ عمومی نعمات سے ہے خاص دینی ہدایت کے بعد روزی کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ اللہ ہی ہے جو میری کمزوریوں کو دُور کرتا ہے۔ مجھے کمال دیتا ہے، میری دُنیاوی حاجات کو پورا کرتا ہے، مجھے صحت و عافیت دیتا ہے، بیمار ہو جاؤں تو مجھے شفاء دیتا ہے۔ میرا خدا ہی ہے جو مارتا ہے، مارنے کے بعد زندہ کرے گا۔ وہی ہے جو خطاؤں کو معاف کرتا ہے۔ جب معصوم کی طرف خطاء کی نسبت ہوتی ہے تو اس سے مراد وہ مباح اور شرعی طور پر جائز کام ہوتے ہیں ان کے انجام دیتے وقت کو وہ اپنے لیے اللہ سے دوری قرار دے کر اللہ سے معافی کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اسی طرح سونا، استراحت کرنا، کھانا، پینا، دیگر زندگی کے ضروری امور کو انجام دینا؛ اسے معصوم سمجھتا ہے کہ اس عرصہ میں وہ اللہ سے دور رہا ہے اگرچہ یہ سب امور انجام دینے کے لیے اللہ کی طرف سے ان کے پاس رخصت واجازت موجود ہوتی ہے۔

ان اوصاف کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے رب العالمین کی حمد بجالاتا ہے اور اسے ہر قسم کے نواقص سے پاک و منزہ قرار دیتا ہے۔ ایک جامع توصیف، ابتداء خلقت سے شروع کرتا ہے اور موت اور بعد از موت کی حیات تک کے حالات کو بیان کرتا ہے اور اپنے نفس کو ذلت و کمزوری کے مقام پر پیش کرتا ہے اور اللہ کے نام کا آغاز رب العالمین سے کرتا ہے۔ دُنیاوی رنگینیوں سے ہٹ کر، تنہا اخروی باقی رہنے والی نعمات کا تذکرہ کرتا ہے۔ بیماری کی نسبت اپنی ذات کی طرف دی ہے کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں اور شفاء کی نسبت اللہ کی طرف دیتا ہے، ابراہیم اس خوبصورت مکالمے کے ساتھ اللہ کے حضور دست دعا بلند کرتا ہے اور اپنی حاجات اللہ کی جناب میں پیش کرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سیکھنا چاہیے کہ کس طرح رب العالمین کی حمد و ثناء کریں، کس طرح اس کا ذکر کریں۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: ”اے میرے رب مجھے کمال علم عطا فرما اور مجھے نیکوں کے ساتھ شامل کر۔“

اللہ سے ابراہیمؑ کی درخواست

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اپنی درخواست میں چند اہم چیزیں طلب کی ہیں:۔

۱۔ حکم طلب کیا ہے، حکم سے مراد صحیح فیصلہ دینے کی صلاحیت، اعتقادی اور عملی مسائل میں صحیح رائے رکھنا اور عمل کے میدان میں اس رائے کے مطابق چلنا۔

۲۔ صالحین سے الحاق کا سوال کیا ہے۔ صلاح فساد کے مقابل استعمال ہوتا ہے جس کا معنی باقی رہنا، ہر چیز کا اس طرح سے ہونا جو اس کی اصلی طبیعت کے تقاضا سے ہم آہنگ ہو تاکہ وہ فائدہ یا خیر جو اس کی شان ہے وہ اس پر مرتب اور حاصل ہو جائے۔ بغیر اس بات کے کہ اس کی فساد

والی جہت سے کچھ آجائے جو اس کے اچھے اثرات کو تباہ کر دے۔ آیت میں صالحین سے مراد ذات میں صلاح مراد ہے اگرچہ ذاتی صلاحیت و قابلیت عملی صلاحیت سے جدا نہیں ہوتی، ایسے افراد میں رحمت الٰہی کی قبولیت اور ہر خیر و سعادت کے اضافہ کے لیے کامل اور پوری طرح سے ظرفیت موجود ہوتی ہے۔ اس تمامیت اور کمال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ باطل عقیدہ یا بطلان پر مبنی عمل سے دور ہوتے ہیں۔ یہ امر حکم کی عطا کے لوازمات سے ہے۔ حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درگاہ رب العالمین سے یہ درخواست کی ہے کہ مجھے صحیح رائے رکھنے اور صحیح فیصلہ دینے کی صلاحیت مرحمت فرما۔ اس کے نتیجہ میں اس کے وجود میں ذات کی صلاحیت واچھائی کو کامل کر دے۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾

ترجمہ: ''اور آئندہ آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھ۔''

صالح جانشین کی درخواست

اس درخواست میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے یہ سوال کیا ہے کہ بعد والی نسلوں میں میرے لیے ایسا جانشین بنا دے جو میری نیک نامی کا باعث ہو، سچائی کو بیان کرنے والا ہو، میرا ترجمان ہو۔ حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے یہ مانگا کہ آخری زمانہ میں ان کی اولاد سے ایسے کو مبعوث فرمائے اور اپنی نمائندگی عطا فرمائے جو ابراہیمی دعوت کو لے کر اٹھے اور لوگوں کو ملت ابراہیمؑ کی دعوت دے اور توحیدی دین کا پرچار کرے۔

بعض مفسرین نے بیان کیا ہے[1] کہ لسان صدق سے مراد خاتم الانبیاءؐ کی بعثت ہے۔ حضرت مصطفیٰ ﷺ کا اس بارے اپنا بیان ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا اثر

1۔ تفسیر روح المعانی، ج ۱۹۔

ہوں۔

بعض دوسرے مفسرین نے[1] یہ مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نام کو قیامت تک ایسا قرار دے دے کہ لوگ انہیں اچھے نام سے یاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرلیا کہ اہل دین ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بت شکن اور توحید کا پرچار کرنے والے نام سے یاد کرتے ہیں۔[2]

وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: ”اور مجھے نعمت کے باغ کے وارثوں سے کردے۔“

جنت میں جانے کی درخواست

وراثت، کسی چیز کا دوسرے کی طرف منتقل ہو جانے کے معنی میں ہے جیسا کہ سورہ مومنون کی آیت ۱۰۔۱۱ کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کو سارے انسانوں کے لیے بنایا ہے لیکن کافر اپنے بد عقیدہ اور برے اعمال کی وجہ سے بہشت کے ان مقامات سے محروم ہو جائیں گے جو مکانات ان کے لیے قرار دیئے گئے تھے۔ اس طرح بہشت فقط مومنوں کے لیے باقی رہ جائے گی اور مومن کافروں کی چھوڑی ہوئی جگہوں کے وارث بنیں گے، ان کی اپنی جگہیں بھی ہوں گی۔ اس درخواست میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی ہے کہ مجھے اہل ایمان اور بہشت کے وارثوں سے قرار دے۔

---

[1]۔ تفسیر ابو الفتوح رازی، ج ۸۔

[2]۔ تفسیر قمی میں ہے کہ لسان صدق سے مراد حضرت علیہ السلام ہیں۔ بہر حال لسان صدق سے مراد حضور پاک ﷺ کی نسبت مراد ہو یا حضرت علی علیہ السلام ہوں یا صالحین سے چہاردہ معصومین علیہم السلام مراد لیے جائیں۔ یہ سب اس آیت کا مصداق ہیں اور یہ آیت کی باطنی تفسیر کہلائے گی۔

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: ''اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے تھا۔''

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ: ''اور مجھے ذلیل نہ کر جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔''

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾

ترجمہ: ''جس دن مال اور اولاد نفع نہیں دے گی۔''

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾

ترجمہ: ''مگر جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا۔''

ابراہیمؑ کی آزر کے لیے اللہ سے درخواست

ایسا لگتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا آزر کے لیے اس وقت مانگی جب وہ ابھی زندہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خیال تھا کہ شاید وہ ہدایت پر آجائے اور گمراہی سے نکل آئے لیکن جب آپ اس سے مایوس ہو گئے اور یقین کر لیا کہ اب یہ ہدایت پر آنے والا نہیں ہے تو پھر آپ نے اس سے اپنا تعلق توڑ لیا اور اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ سورہ مریم، آیت ۴۷ میں: سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ''میں اپنے رب سے تیری مغفرت طلب کروں گا''

یہ وعدہ دیا تھا کہ اگر آزر ایمان لے آئے تو اس کے لیے دُعا کریں گے۔ اس وعدہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پورا کیا سورہ توبہ، آیت: ۱۱۴ سے۔

قیامت کی ہولناکیوں سے اللہ کی پناہ مانگنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس درخواست سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن اس قدر

خوفناک اور ہولناک ہوگا، انسان اس منظر کو برداشت نہ کر سکے گا، اس لیے اللہ کی مدد چاہے گا۔

قیامت کے دن کا وصف

حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے حالات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ ایسا دن ہے کہ جس میں انسان کو مال فائدہ دے گا نہ اولاد، ہر چیز سے اس کا تعلق ٹوٹ چکا ہوگا۔ وہاں پر قلب سلیم کے ساتھ جو اللہ کے حضور پیش ہوگا وہی فائدہ میں ہوگا۔ مال اور اولاد ایسے امور ہیں جن سے انسان دُنیا میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ دُنیاوی امور میں انسان کا بڑا سہارا اس کی اولاد اور مال ہی ہوتا ہے۔ قیامت کے دن مادی اور دنیاوی تمام روابط اور تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ دُنیا کے تمام امور عارضی، اعتباری اور قراردادی ہیں، ان کا اعتبار قیامت کے دن ختم ہو جائے گا وہ دن حقائق کے کشف کا دن ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن کی توصیف بیان کرتے ہیں اور یہ اس دن دُنیاوی روابط بے سود ہوں گے تو پھر استثناء منقطع، جو فائدے میں ہوں گے قلب سلیم والے ہوں گے۔ سلم اور سلامتی کا معنی ظاہری اور باطنی آفات سے دور ہونا ہے۔ امام صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق قلب سلیم وہ قلب ہے جو اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس میں اللہ سے محبت کے خلاف کچھ نہ ہوگا، دوسری روایت میں ہے کہ قلب سلیم وہ ہے جو دنیا کی محبت سے خالی ہو۔ (اصول الکافی، ج ۲)

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: ''اور پرہیزگاروں کے لیے جنت قریب لائی جائے گی۔''

وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: "اور دوزخ سرکشوں کے لیے ظاہر کی جائے گی۔"

وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾

ترجمہ: "اور انہیں کہا جائے گا کہاں ہیں جنہیں تم پوجتے تھے۔"

مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾

ترجمہ: "اللہ کے سوا کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا بدلہ لے سکتے ہیں۔"

جنت نیکوکاروں کے لیے اور جہنم بدکاروں کے لیے

"**ازلاف**" کسی چیز کو قریب اور نزدیک کر دینے کے معنی میں ہے۔

"تبریز" برزت سے مصدر ہے جس کا معنی کسی چیز کو ظاہر و آشکار کرنا ہے۔

اس جگہ مومنوں اور کافروں کا قیامت کے دن تقابل کیا ہے کہ ہر ایک کس حالت میں ہوں گے۔ دو صفات ہیں۔ ا۔ تقوی۔ ۲۔ گمراہی و ضلالت تاکہ اللہ کی جانب سے تقویٰ اور ضلالت کے لیے دو طرح کے فیصلے بیان کیے جائیں۔ سورہ حجر آیت میں آیا ہے ابلیس کو خطاب ہے: اے ابلیس تیرا میرے بندگان پر تسلط و غلبہ نہ ہے جو گمراہ ہیں وہی تیری پیروی کریں گے اور جہنم ہی ان سب کی وعدہ گاہ ہے اور جو صاحبان تقویٰ ہیں تو وہ بہشتوں میں ہوں گے۔ ان کے لیے خوبصورت باغات ہیں، چشمے پانی کے جاری ہوں گے۔

متقین سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، جنت متقین کے لیے آمادہ اور تیار ہو گی اور انہیں وصول کرے گی جبکہ گمراہوں کو کہا جائے گا کہ تم نے تو اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے معبودوں کی عبادت و پرستش کی، اب دیکھو وہ تمہاری مدد کرتے ہیں؟ آج وہ تمہیں بدبختی اور عذاب سے بچا سکتے ہیں؟ اس دن بت پرستوں کو پتہ چل جائے گا کہ وہ خسارہ میں ہیں اور یہ کہ وہ بت پرستی میں گمراہ تھے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾

ترجمہ: ”پھر وہ اور سب گمراہ اس میں اوندھے ڈال دیے جائیں گے۔“

وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ: ”اور شیطان کے سارے لشکروں کو بھی۔“

گمراہوں کا انجام

”کبکب“ مسلسل پکڑ پکڑ کر ایک دوسرے کے اوپر پھینکنے کو کہتے ہیں۔

تین گروہ

اللہ تعالیٰ نے تین گروہ کا نام ان دو آیات میں لیا ہے جنہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔

۱۔ بت پرستوں کو اور ان کے بتوں کو۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ [1]

”بے شک تم اور اللہ کے سوا جو کچھ تم پوجتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں، تم سب اس میں داخل ہوگے“۔

۲۔ وہ گمراہ جو ابلیس کے پیرو تھے جیسا کہ سورہ حجر کی آیت ۴۲ میں ہے۔

۳۔ ابلیس کے جنود، اس سے مراد وہ ہیں جو ابلیس کے قریبی ہوں گے، اس کے خصوصی چیلے چانٹے۔

قرآن مجید کے مطابق یہ کبھی بھی گمراہوں سے جدا نہیں ہوتے۔

---

[1]۔ سورہ الانبیاء، آیت ۹۸۔

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: "اور وہ وہاں آپس میں جھگڑتے ہوئے کہیں گے۔"

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: "اللہ کی قسم بیشک ہم صریح گمراہی میں تھے۔"

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: "جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر کیا کرتے تھے۔"

وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: "اور ہمیں ان بدکاروں کے سوا کسی نے گمراہ نہیں کیا۔"

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: "پھر کوئی ہماری سفارش کرنے والا نہیں۔"

وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: "اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔"

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: "پھر اگر ہمیں دوبارہ جانا ملے تو ہم ایمان والوں میں شامل ہوں۔"

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: "البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے

نہیں۔"

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: "اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔"

شیاطین اور ان کے پیروکاروں کا آپس میں جھگڑا

شیاطین قیامت کے دن اپنے جرائم کا اعتراف کریں گے۔ شیاطین کے پیروکار ان سے کہیں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا۔ مجرمین ان بتوں کو خطاب کریں گے اور ان سے کہیں گے، اسی طرح شیاطین اور گمراہوں کے قائدین سے کہیں گے ہم نے تمہیں اللہ کے ساتھ معبود قرار دیا، ہم عبادت تو کرتے تھے لیکن حقیقت میں ہم کھلی گمراہی میں تھے کیونکہ تم سب اللہ کے بے حیثیت و کمزور بندوں ہی تھے، تمہارے اندر الوھیت و ربوبیت کی صفات میں سے کچھ موجود نہ تھا۔

اس طرح ہر گروہ، دوسرے گروہ کو مجرم قرار دے گا اور ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے کہ تم میرے لیے گمراہی کا سبب بنے ہو۔ اس جگہ مجرموں سے مراد گمراہوں کے پیشواؤں کو مراد لیا ہے۔ ہر وہ شخص جو گمراہی کی طرف دعوت دینے والا، شرک کی طرف پکارنے والے یا ان آباء جن کی وہ تقلید کرتے تھے وہ مراد ہیں یا ایسے دوست مراد ہیں جن کی شباہت خود بناتے تھے۔ ہر لحاظ سے سب کے سب مجرم ہی ہیں۔ الٰہی فیصلے کے تحت انہیں دوزخ کی جانب ہانکا جائے گا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (سورہ یٰسٓ، آیت ۵۹)

ترجمہ: "اے گناہگار آج تم دوسروں سے جدا ہو جاؤ۔"

اس وقت یہ گناہگار حسرت سے کہیں گے: ہمارے پاس تو نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہے اور نہ

ہی ہمارا کوئی دوست ہے جو ہماری فریاد کو آئے۔ اس وقت یہ آرزو کریں گے کہ انہیں ایک دفعہ واپس دُنیامیں بھیج دیا جائے اور مومنین سے قرار پائیں اور مومنوں والی سعادت کو حاصل کر سکیں لیکن یہ آرزو اس دن ان کو کوئی فائدہ نہ دے گی اور اس آرزو کا تحقق ان کے لیے محال ہو گا کہ پوری ہو۔

اس بات کے تسلسل میں بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستان میں عبرت اور سبق ہے ان کے لیے جو غور و فکر کریں۔ جس طرح تمام وہ واقعات اور آزمائشیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گزرنا پڑا، ان سب میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے اور ہدایت کے لیے نشانیاں موجود ہیں لیکن ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے اکثر لوگ ایمان نہ لائے اس سب کے باوجود تیرا رب ناقابل شکست ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دینے میں جلدی نہیں کی۔ اللہ مہربان اور رحیم ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے تحت اپنے بندگان کی ہدایت فرماتا ہے۔ مومنین کو بخشش و مغفرت سے نوازتا ہے اور کافروں کو مہلت دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحِ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾

ترجمہ: ”نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔“

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾

ترجمہ: ”جب ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔“

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾

ترجمہ: ”میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔“

فَٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾

ترجمہ: ”پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔“

وَمَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ‌ۚ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: ''اور میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔''

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِؕ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: ''سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔''

قوم نوحؑ کے حالات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آپؑ کی تکذیب کی تھی لیکن ان کی اس تکذیب کو سارے انبیاء کی تکذیب قرار دیا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ سارے انبیاء کی دعوت ایک ہے لہٰذا ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو ان کا بھائی کہا ہے، یہ اس لحاظ سے ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ان کے نسبی رشتہ دار بنتے تھے، انہیں ڈرانے کے لیے دھمکاتے ہوئے کہا کہ تم لوگ تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟ اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے؟ تم کیوں شرک آمیز اعمال کے مرتکب ہو رہے ہو میں تمہارے پاس اللہ کا پیغام لایا ہوں، مجھے تمہاری ہدایت کے لیے اللہ نے بھیجا ہے تم میری بات کیوں نہیں سنتے؟ میرے اوپر وحی آتی ہے میں وہی بیان کرتا ہوں جو اللہ کا پیغام ہوتا ہے اور میرے پاس وحی آئی ہوتی ہے میں اللہ کے پیغام میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا، میں اللہ کی وحی کا امانت دار ہوں اور مجھے اس کام کی انجام دہی کا دُنیاوی اجر بھی نہیں چاہیے، مجھے کوئی ذاتی لالچ نہیں نہ ہی میرا ذاتی مفاد ہے میں تو تمہاری خیر چاہتا ہوں اور تمہارے فائدہ کی بات کرتا ہوں۔ میری معنوی مزدوری ہے، میرا اجر اللہ رب العالمین کے پاس ہے، اللہ وحدہ لاشریک ہے، اللہ کا تقویٰ اپناؤ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہ ہے، میری اطاعت کرو میں تم سے

اجر نہیں چاہتا کیونکہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میں تمہیں دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔ جب ایسا ہے تو تم پر لازم ہے کہ میری اطاعت کرو، یہ تمہارے فائدے میں ہے۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾

ترجمہ: ”انہوں نے کہا کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تیرے تابع تو کمینے و پست لوگ ہوئے ہیں۔“

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: ”کہا اور مجھے کیا خبر کہ وہ کیا کرتے تھے۔“

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾

ترجمہ: ”ان کا حساب تو میرے رب ہی کے ذمہ ہے، کاش کہ تم سمجھتے۔“

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿١١٤﴾

ترجمہ: ”اور میں ایمان والوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔“

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿١١٥﴾

ترجمہ: ”میں تو بس کھول کر ڈرانے والا ہوں۔“

نوحؑ کی قوم کا جواب

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے لیے مال و دولت اور اولاد کو عزت و شرف قرار دیا کہ ہم ہی تو اس معاشرے کے بڑے اور معزز و مکرم لوگ ہیں۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے والوں کی اکثریت ایسے افراد کی تھی جو چھوٹے، معمولی اور گھٹیا قسم کے کام انجام دیتے تھے لہٰذا قوم کے اشراف نے حضرت

نوح علیہ السلام سے کہا کہ ہم تیری پیروی کس طرح کریں، تیرے ارد گرد تو ہمارے معاشرہ کے پست اور بے حیثیت لوگ ہیں جن کے پاس کوئی آبرو نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں جواب دیا: ایمان سے پہلے وہ لوگ جو کام کرتے تھے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی میری ذمہ داری ہے کہ میں ان کے سابقہ اعمال کا حساب لوں، یہ تو اللہ کا کام ہے، اللہ ہی نے اپنے بندگان کا حساب لینا ہے، میں تمہیں اللہ رب العالمین کی جانب دعوت دے رہا ہوں جو میرا بھی رب ہے۔ اگر تم میں سمجھ ہوتی تو یہ واضح ہے کہ ان کو سزا دینا اللہ رب العالمین کا اختیار ہے، میں تو ایمان لانے والوں کو اپنے سے دُور نہیں کروں گا، میں تو ڈرانے کے لیے آیا ہوں، میرا کام ہے کہ خطرات سے آگاہ کروں اور ان خطرات سے بچنے کے لیے تمہیں اللہ کی دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ کروں۔ اللہ کو نہ ماننے کی سزا جہنم ہے۔

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: ''کہنے لگے اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور سنگسار کیا جائے گا۔''

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: ''کہا اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔''

فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: ''پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ایمان والے ہیں نجات دے۔''

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ بھری کشتی میں تھے بچا لیا۔''

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔''

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: ''البتہ اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔''

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: ''اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔''

قوم نوحؑ کی بغاوت

حضرت نوحؑ کی قوم نے ان کو دھمکی دے دی کہ اگر تم نے اس دعوت کو بند نہ کیا تو ہم تمہیں سنگسار کریں گے۔ دعوت حق کو جھٹلانے والوں کی یہ پرانی روایت چلی آرہی ہے۔ اس پر حضرت نوحؑ نے اپنے رب کی پناہ مانگتے ہوئے عرض کیا: یارب ان لوگوں نے مجھے جھوٹا قرار دیا ہے، ان کے ایمان لانے کی اب اُمید باقی نہیں رہی، ان کی طرف سے بطور مطلق تکذیب تحقق پا چکی ہے پس ہمارے اور ان کے درمیان اب فیصلہ دیدے، اس طرح کہ ہم ایک دوسرے سے دُور ہو جائیں۔

حضرت نوحؑ کی یہ درخواست ان کی قوم پر عذاب اُتارنے کی خواہش سے کنایہ تھی۔ اصل میں حضرت نوح علیہ السلام نے درخواست دیدی کہ اے میرے رب! اب انہیں ہم سے دُور کر لے، ان کے شر سے ہمیں بچالے، ان کو عذاب دیدے، مجھے اور میرے ہمراہ مومنین کو ان کے شر سے نجات دیدے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ کافروں اور فاسقوں پر عذاب نازل فرما کر مومنوں اور کافروں کے درمیان جدائی ڈال دے اور وہ ایک

دوسرے سے الگ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی درخواست قبول کر لی اور انہیں اور ان کے ساتھ ہمراہ مومنین کو اس قوم کے شر سے نجات دیدی۔ اسی حوالے سے ایک اور جگہ حضرت نوحؑ کی زبان سے اس طرح نقل ہوا ہے:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ (سورۂ نوح، آیت ۲۶۔۲۷)

"اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کسی ایک کو باقی نہ رکھ کیونکہ اگر تو انہیں باقی رکھے گا تو یہ تیرے بندگان کو گمراہ کریں گے، یہ گناہگاروں اور کافروں کے سوا کسی بچے کو پیدا نہ کریں گے"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمالیا اور ہمہ جانبہ طوفان بھیج دیا اور اپنی قدرت سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کو بچالیا جو اس کشتی پر سوار تھے جو ہر نوع کے جانوروں سے بھری ہوئی تھی۔ اس کشتی میں موجود افراد کے علاوہ جو بھی رہ گئے تھے وہ سب کافر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا۔ اس بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ اللہ کی وحدانیت اور انبیاء کی صداقت پر دلیل ہے اور اس میں توحید اور رسالت انبیاء کے برحق ہونے بارے واضح و روشن نشانیاں ہیں۔ اس کے باوجود نوح علیہ السلام کی قوم کے زیادہ تر افراد نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ اس سب کے ہوتے ہوئے تیرا رب تعالیٰ قدرت مند ہے، غالب ہے اور رحیم و مہربان ہے۔ اپنی رحیمیت کے تحت اپنے بندوں کی ہدایت کا انتظام فرماتا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: "قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔"

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: ''جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے۔''

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: ''البتہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔''

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: ''پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔''

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: ''اور میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔''

قوم عاد کا واقعہ

قوم عاد بہت ہی قدیمی عرب تھے جو جزیرۃ العرب کے احقاف میں زندگی گزارتے تھے۔ ان کے آباء واجداد کا نام عاد تھا جس کی وجہ سے اس قوم کو قوم عاد کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ ترقی یافتہ تمدن رکھتے تھے، ان کی زمین آباد تھی، سرسبز و شاداب باغات کی ہر طرف رونق ہی رونق تھی۔ انہوں نے اپنے پیغمبر کی دعوت کو ٹھکرادیا اور ایک پیغمبر کی دعوت کو ٹھکرانا سب پیغمبروں کی دعوت کو ٹھکرانے کے برابر ہے۔ جب یہ لوگ رسالت کے بالکل منکر ہو گئے اور نعمات الٰہی کا کفران کیا تو اللہ تعالیٰ نے باد سموم بھیج کر ان کے ہنستے بستے شہروں کو ویران کر دیا۔

جیسا کہ ہم نے نوحؑ کے بارے میں کہا، حضرت ہودؑ کا نسب بھی ان سے ملتا اور وہ بھی اسی قوم سے تھے اس لیے انہیں قوم عاد کا بھائی کہا گیا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح انہیں جھنجھوڑا اور ڈانٹے ہوئے کہا کہ تم کو کیا ہو گیا کہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار نہیں کرتے اور خود کو اللہ کے غضب سے نہیں بچاتے اور اللہ کے پیغام کو جھٹلا رہے

ہو۔ میں تو اللہ کی طرف سے تمہارے لیے پیغام لایا ہوں۔ میں اللہ کے پیغام کا امانتدار ہوں، تمہارے فائدہ کی بات کر رہا ہوں۔ اس پیغام رسانی پر تم سے کچھ اجرت کا مطالبہ بھی نہیں کر رہا، میرا اجر و ثواب تو فقط رب العالمین پر ہے۔ پس تم میری بات کو کیوں نہیں مان رہے؟ رب العالمین کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ وحدہ لا شریک ہے، وہی رب یکتا ہے۔

اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: ''کیا تم ہر اونچی زمین پر کھیلنے کے لیے ایک نشان بناتے ہو۔''

وَ تَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ۚ

ترجمہ: ''اور بڑے بڑے محل بناتے ہو شاید کہ تم ہمیشہ رہو گے۔''

وَ اِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ۚ

ترجمہ: ''اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو بڑی سختی سے پکڑتے ہو۔''

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾ۚ

ترجمہ: ''پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔''

وَ اتَّقُوا الَّذِىۡۤ اَمَدَّكُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ۚ

ترجمہ: ''اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی ہے جنہیں تم بھی جانتے ہو۔''

اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّ بَنِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ۙ

ترجمہ: ''چار پایوں اور اولاد سے۔''

وَ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: ''اور باغوں اور چشموں سے تمہیں مدد دی۔''

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: ''میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔''

ہودؑ کا اپنی قوم سے تبلیغی خطاب

قوم ہود پہاڑوں کی چوٹیوں اور بلند جگہوں پر رہتے تھے اور اپنے لیے بہت ہی عمدہ مکانات بناتے تھے تاکہ سیر سپاٹے کے لیے ان جگہوں پر جائیں۔ وہ ان اونچی عمارتوں سے ایک دوسرے پر فخر و مباہات کرتے تھے۔ وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے اور دنیاوی لذات میں غرق تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے اس رہن سہن اور بود و باش پر برہمی کا اظہار کیا اور انہیں خدا کا خوف دلایا اور ان سے کہا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو کہ زمین پر جو بھی بلند جگہ ہو، وہاں جا کر محل بناتے ہو اور اسے اپنے لیے فخر کا نشان قرار دیتے ہو۔ تمہارا یہ عمل بے ہودہ ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کیا تم نے ہمیشہ اس جگہ رہنا ہے، تم نے مرنا نہیں ہے؟ ان عمارتوں نے تو دیر تک رہنا ہے، انسانوں میں سے طولانی ترین عمر کرنے والے کی زندگی بھی ان عمارتوں کی عمر سے کمتر ہے۔ جب تم اپنے عمل کی سختی ظاہر کرنا چاہتے ہو تو اس قدر مبالغہ کرتے ہو جیسے جابروں اور ستمگروں کی طرح عمل کر رہے ہو۔ تم شہوت اور غضب دو حالتوں میں اسراف اور زیادہ روی کا شکار ہو اور حد اعتدال سے عبور کر جاتے ہو اور اس طرح تم عبودیت کے دائرے سے باہر نکل جاتے ہو۔

''بطش'' بطش کا معنی ہے تلوار سے قتل کرنا یا تازیانہ سے مارنا۔

"جبار" جبار خود کو دوسرے پر برتر اور قوی تر ظاہر کرنے کے معنی میں ہے۔[1]

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ کے غضب سے ڈرو، اللہ کی اطاعت کرو، اسراف اور زیادہ روی نہ کرو، اللہ نے تمہیں بے حساب نعمات دی ہیں، اولاد دی ہے، مال دیا ہے، تمہیں پانی کی فراوانی دی ہے؛ تکبر نہ کرو۔ حضرت ہود علیہ السلام مال، اولاد، باغات کا ذکر کرکے اللہ کی نعمات کی طرف ان کی توجہ دلانا چاہتے تھے ۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ سب نعمات تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔ ان نعمات کے عطا کرنے میں اللہ کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہے لہٰذا تم پر واجب ہے کہ تم ان نعمات کا شکر بجالاؤ اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو کیونکہ کفران نعمات اللہ کے غضب کا سبب بنتا ہے۔ اس وجہ سے مجھے ڈر ہے کہ تمہیں بڑے دن (جو کہ قیامت کا دن ہے) میں سخت عذاب ملے گا۔ اس میں دُنیاوی عذاب اور ہلاکت کی جانب بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ مجھے تم سے کوئی طمع و لالچ نہیں ہے، میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ خود کو اللہ کے غضب سے بچالو۔ تمہیں یہ بات سمجھ کیوں نہیں آتی، اللہ کی نعمات کا کفران کرکے اللہ کے غضب کو دعوت مت دو۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾

ترجمہ: "کہنے لگے تو نصیحت کر یا نہ کر ہمارے لیے سب برابر ہے۔"

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾

[1]۔ "جبار" اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صفت پسندیدہ ہے کیونکہ حقیقی علو و عظمت اور بالادستی و طاقت اسی کے لیے ہے۔ لیکن اللہ کے علاوہ دوسروں کے لیے یہ صفت ناپسند ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی بھی حقیقی عظمت اور علو کا مالک نہیں ہے۔ (مترجم)

ترجمہ: ”یہ تو بس پہلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔“

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: ”اور ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔“

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

ترجمہ: ”پھر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا تب ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، البتہ اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔“

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ: ”اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔“

قوم ہود کا باغیانہ انداز

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کے پاس توحیدی معارف لے کر آئے اور انہیں اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دی لیکن اس قوم نے سرکشی کی انتہاء کر دی اور حضرت ہود علیہ السلام سے کہا کہ تم پہلے تو نہیں ہو جو یہ سب کچھ بتا رہے ہو۔ تم ہمیں وعظ و نصیحت کرو یا نہ کرو، فرق نہیں پڑتا، ہم تمہاری باتوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ ہمارے آباء جس طریقہ پر تھے ہم اسی پر ہی رہیں گے۔ اس میں ایک اشارہ تو اس طرف ہو سکتا ہے کہ اے ہود! جو کچھ تم بیان کر رہے ہو یہ تو پہلے والوں کے قصے کہانیاں ہیں اور یہ سب خرافات ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا تیری وعظ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ آپ کی دعوت وہ ہی بت پرستی ہی تو ہے جو ہمیں اپنے آباء سے ملی ہے کوئی

نئی بات نہیں ہے۔
اس کے بعد انہوں نے معاد کا انکار کر دیا کہ جو تم کہہ رہے ہو کہ قیامت کا دن ہو گا اور تمہیں توحیدی دعوت کے انکار اور نعمات الٰہی کے کفران پر سخت عذاب ملے گا تو ایسا کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ یہ صرف ایک دعویٰ ہی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گستاخی پر بادِ سموم بھیجی اور ان کے سب کھیتوں کو جلا کر رکھ کر دیا اور ان کی ہنستی بستی ساری آبادیاں ویران ہو گئیں اور اللہ نے سب کو ہلاک کر دیا کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اگر یہ لوگ ایمان لاتے تو اللہ انہیں ثواب اور اجر دیتا۔ جب ایمان نہیں لائے تو اللہ نے انہیں عذاب دیا اور دُنیا میں ہی ہلاک کر دیا، آخرت کا عذاب علیحدہ ہے۔ نیز رب عزیز اور غلبہ والا ہے، طاقت اسی کی ہے، وہ قادر ہے اور چاہے تو تکذیب کرنے والوں کو سزا دے سکتا ہے۔ دوسری جانب اللہ رحیم اور مہربان بھی ہے، اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اپنے بندوں کو سعادت کا راستہ بتائے، ان کی راہنمائی کے لیے رسول بھیجے اور ان کے واسطے ہدایت کے اسباب فراہم کیے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾

ترجمہ: ''قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔''

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾

ترجمہ: ''جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔''

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿١٤٣﴾

ترجمہ: ''میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔''

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾

ترجمہ: ''پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔''

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: ''اور میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔''

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

ترجمہ: ''کیا تمہیں ان چیزوں میں یہاں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا۔''

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: ''یعنی باغوں اور چشموں میں۔''

وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: ''اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا خوشہ ملائم ہے۔''

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

ترجمہ: ''اور تم پہاڑوں کو تراش کر تکلف کے گھر بناتے ہو۔''

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: ''پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔''

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: ''اور ان حد سے نکلنے والوں کا کہا مت مانو۔''

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: ”جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔“

قوم ثمود میں صالحؑ کی تبلیغ

عاد کے قبائل اور اقوام کے بعد ثمود کی اقوام آتی ہیں۔ ثمود بھی عرب قوم تھی جیسا کہ عاد قدیمی عرب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صالح نبی کو ان کے پاس تبلیغ کے لیے بھیجا لیکن انہوں نے حضرت صالحؑ کو جھٹلایا۔ ان آیات کی تفسیر بھی اسی طرح ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام کے واقعہ میں بیان کی گئی آیات کی تفسیر میں بیان ہوا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کے لیے جو کچھ کہا وہ اس طرح ہے:۔

۱۔ میں تمہارے پاس اللہ کا رسول اور اللہ کے پیغامات کا امین ہوں۔ میں تمہارے لیے وہی کچھ بیان کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتا ہے۔

۲۔اے قوم ثمود! میری بات کو غور سے سنو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری بات کو قبول کرو، میری اطاعت کرو تو میں تمہیں ایسا طریقہ بتاؤں گا جس سے تم اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔

۳۔ میں اللہ کا پیغام پہنچانے کے بدلے تم سے کچھ بدلہ نہیں چاہتا۔ میری تو بس ایک ہی خواہش ہے کہ تم سب توحید پرست بن جاؤ اور دعوت حق کو قبول کر لو تاکہ عذاب الٰہی سے بچ جاؤ، میں تمہارے فائدے کی بات کرتا ہوں۔

۴۔ میرا اجر میرے رب العالمین کے پاس ہے۔

اس کے بعد قوم ثمود کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے ان سے فرمایا:

” کیا تمہارا خیال ہے کہ تم اسی حالت میں بڑے امن سے زندگی گزارو گے اور تمہارے حالات میں کچھ بھی بگاڑ نہ آئے گا؟ جبکہ ایسا نہیں ہو سکتا۔“

اس کے بعد اللہ کی نعمات کو ایک ایک کر کے ان کے لیے بیان کیا:

تمہارے سر سبز و شاداب باغات۔

تمہارے پانی کے رواں دواں چشمے۔

تمہارے لہلہاتے کھیت۔

تمہارے لمبے لمبے کھجوروں کے باغات اور ان کھجوروں پر لدے ہوئے کھجوروں کے خوشے۔

پتھروں سے تراش کر پہاڑوں پر بنائے گئے محلات۔

تعمیر شدہ محلات میں تمہاری خوش گذارنی اور شہوت رانیاں، یہ سب کچھ تمہارے پاس ہے، یہ تمہارا تو نہیں ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے لہٰذا تم کفران نعمت نہ کرو۔ ان نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور توحید پرست بنو۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ خود کو اللہ کے عذاب سے بچاؤ اور میری دعوت کو قبول کرو، میرا کہنا مانو، میں تمہارا خیر خواہ اور تمہارا ہمدرد ہوں، تم سے کچھ اجر بھی نہیں مانگتا۔

پھر ثمود کی عوام سے کہا کہ دیکھو تم اپنی اشرافیہ کی باتوں میں نہ آؤ، انہوں نے اللہ کی طے کردہ حدود سے تجاوز کیا ہے، وہ اسراف کرنے والے ہیں، اللہ کی حدود سے آگے بڑھے ہوئے ہیں، تم ان کی باتوں میں نہ آؤ، وہ تمہیں تباہ کر دیں گے، انہوں نے جو نظام تمہارے لیے تیار رکھا ہے یہ فساد پر مبنی ہے۔ وہ معاشرہ کی اصلاح نہیں چاہتے۔ تم فسادیوں کی باتوں میں نہ آؤ، انہوں نے اپنی فطرت کے خلاف اصلاح کی بجائے فساد کو اپنا لیا ہے۔ معلوم ہے کہ فسادی الٰہی عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ اگر مفسدوں کے دلوں میں فساد راسخ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے افراد پر اپنا عذاب اُتار دیتا ہے اور زمین کو ایسے فسادیوں سے پاک کر دیتا ہے۔

جو کچھ بیان ہوا اس سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

ا۔ انبیاء کی دعوت انسان کی دنیاوی حیات کی اصلاح کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کی زبان سے اس بات کو بیان کیا۔

"اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ" (سورۂ ھود، آیت ۸۸)

"میں اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا ہوں"

۲۔ مفسدوں کے حکم کی اطاعت سے منع کرنا ایک برہانی حجت ہے۔ کیونکہ انسانوں سے ان کے فطرتی تقاضے کے تحت یہ توقع بجا طور پر کی جاتی ہے کہ وہ صالح اور اصلاح پسند ہوں۔ جبکہ مفسدین اپنی فطرت سے منحرف ہو گئے ہیں انہوں نے اصلاح کی جگہ فساد کو اپنایا ہوا ہے اس لیے غیر فطری راستے پر حرکت کرنے والوں سے دُور رہنے کی تلقین عقل کا تقاضا ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝۱۵۳

ترجمہ: "کہنے لگے تم پر تو کسی نے جادو کیا ہے۔"

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۵۴

ترجمہ: "تو بھی ہم جیسا ایک آدمی ہے سو کوئی نشانی لے آ اگر تو سچا ہے۔"

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۱۵۵

ترجمہ: "کہا یہ اونٹنی ہے اس کے پینے کا ایک دن ہے، اور ایک دن تمہارے پینے کے لیے معین ہے۔"

وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵۶

ترجمہ: "اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا۔"

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝۱۵۷

ترجمہ: "سو انہوں نے اس کے پاؤں کاٹ ڈالے پھر پشیمان ہوئے۔"

فَاَخَذَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: "پھر انہیں عذاب نے آ پکڑا، البتہ اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔"

قوم صالحؑ کا باغیانہ رویہ

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان کی منطقی باتوں کا اثر نہ لیا اور حضرت صالح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ تم تو مجنون ہو، تم پر سحر و جادو کا اثر ہے، تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو اور جو کہہ رہے ہو وہ سب جھوٹ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم بھی ہماری طرح کے انسان ہو، تم میں وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اللہ نے تمہیں اپنا رسول بنایا ہے؟ بعض تفاسیر نے مُسَحَّر کا معنی کیا ہے کہ جس کا پیٹ بڑا ہو اور بہت کھانا کھائے۔[1] بعض مفسرین نے اس کا معنی کیا ہے کہ تم پھیپھڑا رکھنے والے ہو۔[2] ان دو معنی کو سامنے رکھ کر بعد والی آیت کو پڑھیں تو اس کا معنی یہ بنے گا کہ تم بھی ہماری طرح پیٹ رکھتے ہو، پھیپھڑا رکھتے ہو، ہماری طرح سانس لیتے ہو اور کھانا کھاتے ہو، تم ہم سے مختلف نہیں ہو، تمہیں ہمارے اوپر کونسی برتری ہے؟ لہٰذا تیری رسالت و نبوت ایک باطل امر ہے تم اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہو۔

معجزہ کا مطالبہ

ان باتوں کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کہنے لگی کہ اگر تم سچے ہو تو پھر کوئی معجزہ لے

---

[1]۔ تفسیر رازی، ج ۲۴۔

[2]۔ تفسیر رُوح المعانی، ج ۱۹۔

آؤ تاکہ اس معجزہ سے تمہاری رسالت ثابت ہو جائے۔ حضرت صالحؑ سب لوگوں کے سامنے اللہ کے حکم سے پہاڑ سے ایک عظیم الجثہ موٹی تازی دودھ دینے والی اونٹنی نکال لائے اور اپنی قوم سے فرمایا دیکھو یہ اونٹنی ہے۔ اس جگہ موجود پانی ایک دن اس اونٹنی کے لیے ہے اور ایک دن تمہارے لیے ہے اور کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اس اونٹنی کو تکلیف و آزار پہنچائے۔ اگر ایسا کروگے تو پھر تمہارے اوپر دُنیاوی عذاب آئے گا جو تمہیں تہس نہس کردے گا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان کی بات کی پرواہ نہ کی اور اونٹنی کو مار ڈالا۔ اونٹنی کو مارنے کے بعد جب اپنے سروں پر عذاب کے آثار کا مشاہدہ کیا تو پشیمان ہو گئے۔ ان آیات میں اونٹنی کو مارنے کے عمل کی پوری قوم کی طرف نسبت دی گئی جبکہ اونٹنی کو مارنے والا ایک آدمی تھا، یہ اس لیے ہے کہ پوری قوم کا اس پر اصرار تھا کہ اسے مار دیا جائے اور سب اس ایک آدمی کے جرم پر راضی تھے۔

امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں فرمایا ہے: ''اے لوگو! دو باتیں سب لوگوں کو کار خیر یا برے کام میں شریک بنا دیتی ہیں اس طرح کہ ایک کا عمل سب کا عمل شمار ہوتا ہے: ''رضایت و نارضائیت'' اگر سب لوگ ایک شخص کے عمل پر راضی ہوں تو وہ سب اس عمل میں شریک شمار ہونگے، چاہے وہ کار خیر ہو یا برا کام۔ ناقہ صالحؑ کو ایک آدمی نے مارا تھا لیکن اللہ نے عذاب سب کو دیا کیونکہ ساری قوم اس کے اس جرم پر راضی تھی۔ بہرحال ناقہ کے مارے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عذاب موعود نے قوم صالحؑ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ قوم صالحؑ کا یہ ماجرا سب کے لیے عبرت اور اللہ کی توحید کی دلیل ہے۔ لیکن قوم صالحؑ کی اکثریت ایمان لانے والے نہیں تھے اسلیے اللہ تعالیٰ نے سب کو ہلاک کر دیا۔ اللہ ہی عزیز، مقتدر اور غالب آنے والا ہے۔ اس کی سلطنت سے کچھ بھی باہر نہیں ہے۔ اللہ رحیم و مہربان ہے، اس لیے تکذیب کرنے والوں کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا اور اپنے رسولوں کے ذریعہ انسانوں کی سعادت کے لیے ہدایت و راہنمائی کا اہتمام کرتا ہے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: ”اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔“

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ اِلْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: ”لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔“

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

ترجمہ: ”جب انہیں ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔“

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: ”میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔“

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: ”پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔“

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: ”اور میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میری مزدوری تو بس اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔“

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: ”کیا تم دنیا کے لوگوں میں لڑکوں پر گرے پڑتے ہو۔“

وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

ترجمہ: ”اور تمہارے رب نے جو تمہارے لیے بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو، بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔“

قوم لوطؑ کا قصہ

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سدوم نامی شہر میں آباد تھی۔ اس شہر میں ہر قسم کی نعمتیں ان کے لیے تھیں۔ اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے لیے ہادی بنا کر بھیجا۔ کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام ان ہی میں سے تھے اس لیے ان کو قوم لوط کا بھائی کہا گیا ہے یعنی وہ جو ان کا قومی بھائی تھا وہ ان کے پاس آیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی وہی کچھ اپنی قوم سے کہا جو کچھ سابقہ انبیاء نے اپنی اقوام سے کہا تھا۔

پہلی بات: حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہارے پاس اللہ کی دی ہوئی اتنی زیادہ نعمات ہیں جن سے تم بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہو اور تمہیں پتہ ہے کہ یہ سب نعمات اللہ کی طرف سے دی گئی ہیں اب تم ان نعمات پر شکر کیوں بجا نہیں لاتے اور کفرانِ نعمات کیوں کرتے ہو؟ انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ کا تقویٰ اختیار کیوں نہیں کرتے؟ اللہ کا خوف تم میں کیوں نہیں؟ اللہ کے عذاب سے بچنے کی تمہیں کیوں فکر نہیں ہے؟

یہ سب کچھ میں اس لیے کہہ رہاں ہوں کہ:

۱۔ میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہوں۔

۲۔ میں اللہ کے پیغامات کا امین ہوں اور جو کچھ میں تم تک پہنچاتا ہوں وہ اللہ کا پیغام ہے۔

۳۔ مجھے اس پیغام رسانی میں تم سے کچھ طمع و لالچ نہیں ہے اور نہ ہی اس کام کی اجرت تم سے

لینا ہے۔ میرا اجر رب العالمین پر ہے، مجھے تم سے ہمدردی ہے کہ تم پر اللہ کا عذاب نہ آجائے۔
اس کے بعد قوم لوط کو ان کے قبیح جرم جس کا وہ ارتکاب کرتے تھے اس بارے انہیں جھنجھوڑتے ہوئے ان سے سوال کرتے ہیں:

۱۔ تم کیسے لوگ ہو کہ پورے جہاں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ تم اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو یعنی ہم جنس بازی میں لگے ہو؟

۲۔ اللہ نے تو تمہارے لیے عورتیں بنائی ہیں۔ مردوں نے عورتوں کو اپنا ہمسر بنانا ہے اور اپنی جنسی خواہش کو ان سے پورا کرنا ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مرد و عورت کا جوڑا بنایا ہے دونوں کو ایک دوسرے کے لیے سکون کو وسیلہ بنایا ہے۔

۳۔ ان پر واضح کیا کہ تم نے اللہ کی حدود کو پامال کیا ہے اور حد سے بڑھ گئے ہو۔

سورۂ اعراف، آیت: ۸۰ میں حضرت لوطؑ کا بیان اس طرح آیا ہے:

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

”اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو کہ تم سے پہلے ایسا جہاں میں کسی نے نہیں کیا“۔

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو آپ کا ساتھی بنایا ہے، انسانی نسل کی بقاء ان کے ساتھ مباشرت و ازدواج میں ہے اور تمہیں فطری طور پر ان کی خواہش دے رکھی ہے۔ عورت اور مرد دونوں کا ایک دوسرے کی جانب میلان ہوتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے سکون کا سبب ہیں۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر فطری تقاضے کو مردوں سے پورا کرنا چاہتے ہو، تمہارا یہ عمل انسانی فطرت سے تجاوز ہے۔ تم حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو۔ حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو واضح پیغام دیا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے اور ایسی برائی کا ارتکاب پہلی دفعہ تم ہی انجام دے رہے ہو۔ اس طرح تم نے اللہ کی حدود کو پامال کر دیا ہے، تم اللہ کی نعمات کا کفران کر رہے ہو جس کا نتیجہ عذاب الٰہی ہے۔

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ: ”کہنے لگے اے لوط! اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو ضرور تجھے نکال دیا جائے گا۔“

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ ط

ترجمہ: ” کہا میں تو تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں۔“

رَبِّ نَجِّنِيْ وَ اَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ: ”اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو اس گناہ کے وبال سے نجات دے جو وہ کرتے ہیں۔“

فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ لا

ترجمہ: ”پھر ہم نے اسے اور اس کے سارے کنبے کو بچالیا۔“

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ج

ترجمہ: ”مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہ گئی تھی۔“

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ ج

ترجمہ: ”پھر ہم نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔“

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ج فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے ان پر مینہ برسایا، پھر ڈرائے ہوؤں پر برا مینہ برسا۔“

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: ''البتہ اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔''

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۷۵﴾ؑ

ترجمہ: ''اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔''

لوطؑ کی دعوت پر ان کی قوم کا ردعمل

قوم لوط نے پچھلی اقوام کی مانند حضرت لوطؑ کی اصلاحی دعوت پر سخت ردعمل ظاہر کیا اور نہ فقط ان کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ حضرت لوط سے کہا:

۱۔ تم ایسی باتیں کرنا بند کرو، اپنی تبلیغ اپنے پاس رکھو، ہمیں تیری ان نصیحتوں کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اگر تم نے تبلیغی عمل بند نہ کیا تو ہم تمہیں شہر بدر کر دیں گے، تمہارے اموال پر قبضہ کر لیں گے، زبردستی تجھے اس آبادی سے نکال دیں گے۔

لوطؑ کا اپنی قوم کو جواب

اس دھمکی آمیز بیان کے بعد حضرت لوط نے اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ تم مجھے شہر بدر کر دو۔ میری کوشش ہے کہ میں تمہیں اس برے عمل سے روکوں۔ میں تمہارے ان برے اعمال کا مخالف ہوں، میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میں تمہیں عذاب الٰہی سے نجات دلانا چاہتا ہوں کیونکہ اس فحش اور انتہائی قبیح عمل کا سخت عذاب ہے جو تمہیں اپنے گھیرے میں لے لے گا اور تمہیں ہلاک کر دے گا۔

اللہ سے لوطؑ کی درخواست

اپنی قوم کو واضح اور دو ٹوک پیغام دینے کے بعد حضرت لوطؑ نے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ساتھ مناجات کی:

" اے میرے رب مجھے اور میرے اہل کو ان کے برے اور قبیح عمل سے نجات دے، ان کے عمل کا عذاب ہمارے اوپر نہ آئے"۔ یہاں پر حضرت لوط نے مومنین کی نجات کی بات نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس آبادی میں سے کوئی ایک بھی آپ پر ایمان نہیں لایا تھا۔

جیسا کہ قرآن مجید سورۂ ذٰریٰت آیت ۳۶ میں ہے کہ:

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾

" پھر ہم نے وہاں سوائے مسلمانوں کے ایک گھر کے (کوئی گھر) نہ پایا"۔

اللہ کا فیصلہ

حضرت لوط کی درخواست قبول کر لی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے لوط اور ان کے اہل کو نجات دے دی۔ حضرت لوط کی ایک بوڑھی بیوی تھی جو مجرموں کے ساتھ تھی اسے ہم نے چھوڑ دیا۔

عذاب کی کیفیت

آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی اور پوری آبادی کو تار و مار کر دیا۔ یہ ایسا عذاب تھا جس نے ان کو بالکل ہی نابود کر دیا جیسا کہ سورۂ حجر آیت ۷۴ میں ہے:

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾

" پھر ہم نے ان بستیوں کو زیر و زبر کر دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔" (بعض زمین شناسوں کا خیال ہے کہ بحر الکاہل میں ایک شہر اس کے رہائشیوں کا مدفن ہے)۔

اس واقعہ سے درس

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت لوطؑ کے اس واقعہ میں عقلمندوں اور صاحبان فکر کے لیے عبرت اور ہدایت کا سامان موجود ہے۔ لوط کی قوم والے ایمان لانے والے نہیں تھے، ان کے دلوں میں برائی راسخ ہو چکی تھی اور نور ہدایت کی گنجائش نہ رہی تھی اس لیے سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ ہی مقتدر ہے، وہی غالب ہے، گناہگاروں کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر سخت پکڑ کرتا ہے۔ اللہ کے فیصلہ و قضاء سے کوئی خود کو بچا نہیں سکتا۔ اللہ رحیم ہے اور اس کی رحیمیت کا تقاضا ہے کہ اپنے بندوں کی ہدایت کا انتظام کرے اور اس مقصد کے لیے رسول بھیجتا رہے۔[1]

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡـَٔيۡكَةِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۖ ۚ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ: ”بن والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔“

اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۚ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: ”جب ان سے شعیب نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔“

اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۙ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ: ”میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔“

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۚ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: ”پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔“

---

[1] ۔ بعض زمین شناسوں کا کہنا ہے کہ بحر المیت ایک شہر اور اس کے رہنے والوں کا مدفن ہے۔ (مصطفیٰ شاکر)

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

ترجمہ: ''اور میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا، میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔''

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾

ترجمہ: ''پیمانہ پورا دو اور نقصان دینے والے نہ بنو۔''

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: ''اور صحیح ترازو سے تولا کرو۔''

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ: ''اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کرکے نہ دو اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو۔''

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: ''اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور پہلی خلقت کو بنایا۔''

شعیبؑ کا اپنی قوم کو الٰہی پیغام

اصحاب الایکہ وہ قوم تھی جو گھنے جنگل میں رہتے تھے۔ غار کی مانند گھر بنا رکھے تھے۔ وہ مدین شہر کے نزدیک زندگی گزارتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام مدین اور ایکہ والوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے لیکن خود شعیبؑ کا تعلق اس علاقہ سے نہ تھا اس لیے حضرت شعیبؑ کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے بھائی شعیب نے ان سے کہا۔ بہر حال اس سے قبل جن

اقوام کے پاس رسول آئے اور جو کچھ انہوں نے اپنی قوم سے کہا اور جو ان کی قوم نے رد عمل دکھایا حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم بھی سابقہ اقوام جیسی تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ :۔

''میں تمہارے پاس رسول بن کر آیا ہوں۔ میں امین ہوں اور اللہ کا پیغام بغیر کمی بیشی کے پہنچاتا ہوں، میرا کام اللہ کا پیغام تمہیں پہنچانا ہے۔

تمہارے اوپر اللہ کی نعمات کی فراوانی ہے، تم ان نعمات کا شکر بجالاؤ۔ کیا وجہ ہے کہ تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟

میں تو تم سے اس کام کی کوئی اجرت نہیں چاہتا اور نہ ہی اس میں میرا کوئی فائدہ ہے۔ میں تو آپ کے فائدہ کی بات کررہا ہوں، میرے اس کام کا اجر اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔

تم پر لازم ہے کہ خود کو اللہ کے غضب سے بچاؤ اور تقویٰ اختیار کرو''۔

شعیبؑ کا اپنی قوم کو ایک برائی سے روکنا

حضرت شعیبؑ کی قوم والے تولنے اور ماپنے میں خیانت کرتے تھے، اپنے لیے تو پورا تولتے تھے لیکن جب دوسرے کو دیتے تو، تولنے اور ماپنے میں خیانت کرتے تھے۔ اسی طرح وزن کے لیے جو ترازو لگا رکھے تھے وہ صحیح نہیں تھے۔ سودا بیچتے وقت اصل مقدار سے کم دیتے تھے۔ آپؑ نے اپنی قوم والوں کو کم فروشی، کم تولنے اور کم ماپنے سے منع کیا اور فرمایا کہ ایسا کرنا فساد ہے کیونکہ کم فروشی انسانی معاشرہ کے نظام کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ خریدنے اور بیچنے والے دونوں کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ دیکھو اللہ رب العزت سے ڈرو اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔ وہ اللہ جس نے تمہیں خلق کیا اور تم سے پہلے جو اقوام گزری ہیں ان کا بھی خالق وہی ہے۔ اس نے ہر مخلوق کو فطرت پر خلق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے آباء کو دینی فطرت کے مطابق خلق کیا ہے اور فساد خلاف فطرت ہے۔ تم فطرت

کے تحت چلو، برے اعمال کو برا قرار دو اور اللہ سے ڈرو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: "کہنے لگے کہ تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔"

وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ: "اور توں بھی ہم جیسا ایک آدمی ہے اور ہمارے خیال میں توں جھوٹا ہے۔"

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: "سو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے اگر تو سچا ہے۔"

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: "کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: "پھر اسے جھٹلایا پھر انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا، بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔"

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

ترجمہ: "البتہ اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔"

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾

ترجمہ: ''اور بے شک تیرا رب زبردست رحم کرنے والا ہے۔''

شعیبؑ کی قوم کا عذاب مانگنا

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ تمہارے اوپر جادو ہو چکا ہے یا تم بڑے شکم والے ہو یا تم پھیپھڑے والے ہو۔ تینوں معنی (مُسَحّر) کے کیے گئے ہیں، بعد والی آیات کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا تھا کہ تم ہماری طرح چلتے پھرتے ہو، کھاتے پیتے ہو، ہماری طرح سانس لیتے ہو، پھر یہ کیسے ہو گیا کہ تمہارے اوپر اللہ کی وحی اُتر آئی؟ ہمیں یقین ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اس طرح انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کو کم عقل بھی کہا، اپنے جیسا بھی قرار دیا اور انہیں جھوٹا کہا اور یہ کہ تم اللہ کی طرف سے نہیں ہو اور تمہیں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ پھر استہزاء کرتے ہوئے کہنے لگے کہ تم تو اتنے عاجز اور کمزور ہو کہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے۔ اچھا اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو دعا کرو کہ ہمارے اوپر آسمان سے کوئی ٹکڑا آگرے اور ہمیں ہلاک کر دے۔ تم ہمارے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

شعیبؑ کا اپنی قوم کو جواب

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ عذاب لانا تو میرے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ امر بھی دوسرے امور کی طرح اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے اعمال عذاب کے مستحق ہیں یا نہیں۔ آخر کار ان کے پلید اور گھٹیا اعمال اور اقوال اور حضرت حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کے نتیجہ میں بڑا عذاب آیا۔ ان کے سروں پر بادل کی شکل میں ایک چھتری بن کر کھڑی ہو گئی جس سے آگ برس رہی تھی اور آسمان سے چیخ آئی اور وہ سب نابود ہو گئے۔ اس طرح سے ان پر بڑا عذاب آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا کہ شعیبؑ کے اس واقعہ میں عبرت اور سبق ہے۔ ان کی قوم ایمان لانے والی نہیں تھی، ان کے دل نور

ایمان وصول کرنے کے لیے تیار نہ تھے اس لیے ان سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ عزیز، غالب، مقتدر اور رحیم و مہربان ہے۔ اللہ اپنی رحیمیت کے تحت اپنے بندگان پر مہربانی کرتا ہے اور ان کی ہدایت کا انتظام کرتا رہتا ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾

ترجمہ: ''اور یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔''

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾

ترجمہ: ''اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے۔''

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٤﴾

ترجمہ: ''تیرے دل پر، تاکہ تو ڈرانے والوں میں سے ہو۔''

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٥﴾

ترجمہ: ''صاف عربی زبان میں۔''

وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٩٦﴾

ترجمہ: ''اور البتہ اس کی خبر پہلوں کی کتابوں میں بھی ہے۔''

قرآن کا نزول

تنزیل کا مطلب یہ ہے کہ خداوند اس چیز کو جو اس کے پاس ہے اسے عالَمِ خلق و عالَمِ تقدیر میں اُتار دے۔ یہ کلمہ انزال کے برعکس تدریج پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ انزال نزول دفعی کے

معنی میں ہے یعنی ایک دفعہ اُتار دینا۔[1] قرآن رب العالمین کی طرف سے ہے، اس جگہ رب العالمین کا کلمہ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ اللہ کی یگانگی اور توحید ربوبی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مشرکین اللہ کو ایجاد کرنے والا اور خالق تو مانتے تھے لیکن اسے رب العالمین اور پورے عالَم کی تدبیر کرنے والا نہیں مانتے تھے۔

رُوح الامین سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں جو کہ وحی لانے والے فرشتے ہیں۔ اس مقام پر حضرت جبرئیل کو امین کے لقب سے یاد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو بغیر معمولی تبدیلی کے لے کر آتا ہے، جو کچھ خدا نے دیا ہے اسے قلب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُتار دیتا ہے۔ وہ عمداً یا سہواً وحی میں کمی بیشی نہیں کرتا اور نہ ہی بھولتا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کو اپنے قلب اور نفس کے وسیلہ سے لیتے تھے جسے انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے وصول کیا ہوتا تھا۔ وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے ہوشی کی جیسی حالت طاری ہو جاتی تھی جسے **"رجا الوحی"** کہتے تھے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ قرآن جبرئیلؑ کے توسط سے تیرے قلب پر اُتارا گیا ہے۔ اے رسول! آپ اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور لوگوں کو عذاب سے ڈرانے والے بنو۔ یہ قرآن آشکار اور کھلی عربی زبان میں ہے، صاف اور سہل زبان میں اُتارا گیا ہے۔ اس میں مقاصد پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن کے آنے اور اس کے تیرے اوپر نازل ہونے کی خبر گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں بیان ہو چکی ہے۔ یہ اس لیے کہ گذشتہ کتب میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی بشارت دی گئی تھی۔[2]

---

[1] ۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان ہوا قرآن کریم کے دو نزول ہیں ایک نزول دفعی ہے یعنی دفعتاً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر اُتارا گیا ہے اور دوسرا نزول تدریجی ہے جو ۲۳ سال میں مختلف شرائط کے تحت اُتارا گیا۔ (مترجم)

[2] ۔ تفسیر کشاف میں کہا گیا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن کے معارف گذشتہ آسمانی کتب میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔

قرآن مجید نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق سابقہ آسمانی کتابوں کی بشارت کو سورہ صف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یوں بیان کیا ہے کہ: "لوگوں کو بتاؤ کہ میرے بعد ایک پیغمبر آئے گا جس کا نام احمد ہوگا"۔

اَوَ لَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ اٰیَةً اَنۡ یَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۹۷﴾

ترجمہ: ''کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ اسے بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں۔''

علماء بنی اسرائیل کی قرآن سے آگاہی

بنی اسرائیل کے علماء کو قرآن مجید کے نزول کی خبر تھی کیونکہ ان کی کتابوں میں آپؐ کی آمد اور آپؐ پر قرآن کے نزول کی خبر موجود تھی۔ کیا یہ بات آپ کی نبوت کی حقانیت کی نشانی اور علامت نہیں؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہودی ایک دوسرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتے تھے اور ان کے ذریعہ فتح وکامیابی کے انتظار میں تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۸۹ میں ہے کہ:

وَ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ یَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۔۔۔

''پہلے سے وہ خود کافروں پر فتح یاب ہونے کی خبر دیتے تھے''

قرآن مجید نے اس بات کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ایک نبی نے مبعوث ہونا ہے اور ان پر کتاب قرآن نے نازل ہونا ہے۔ جس طرح وہ اپنی اولاد سے آگاہ تھے اسی طرح اس کتاب اور رسول کے بارے آگاہ تھے، انہیں اس بارے کچھ شک نہ تھا۔

وَ لَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰی بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِیۡنَ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: ''اور اگر ہم اسے کسی عجمی پر نازل کرتے۔''

فَقَرَاَهٗ عَلَیۡهِمۡ مَّا کَانُوۡا بِهٖ مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: ''پھر وہ اسے ان کے سامنے پڑھتا تو بھی ایمان نہ لاتے۔''

كَذٰلِكَ سَلَكۡنٰهُ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ: ''اسی طرح ہم نے اس انکار کو گناہگاروں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔''

مشرکین کا بے جا اعتراض

مشرکین پر واضح کیا گیا کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اس بارے بنی اسرائیل کے علماء کی گواہی بھی موجود ہے اور یہی بات اسے تسلیم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اب دوسری بات کہی جارہی ہے کہ اگر ہم نے قرآن کو کسی غیر عربی پر نازل کیا ہوتا اور قرآن عربی زبان میں نہ ہوتا تو پھر یہ لوگ بہانہ بناتے کہ ہماری زبان تو عربی ہے ہم تو اس کو نہیں سمجھ سکتے ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی آیات سے مقصود کیا ہے؟ لہٰذا ہم نے قرآن کو واضح اور آسان عربی میں نازل کیا ہے کہ ان کے لیے کوئی بہانہ کی گنجائش موجود نہ رہے۔ اس آیت میں مجرمین سے مشرکین اور کفار مراد ہیں۔ کذلک سے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو مشرکین قرآن کے بارے خیال کرتے تھے اور قرآن کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بتارہا ہے کہ مشرکین مجرم ہیں انہوں نے قرآن کا انکار ہی کرنا ہے لہٰذا قرآن ان کے دلوں کے اوپر سے گزر جاتا ہے۔ یہ بھی ان کے لیے سزا ہے کہ قرآن ان کے دل میں جگہ نہیں بناتا۔ اس جرم سے ان کا گناہ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ﴿۲۰۱﴾

ترجمہ: ''وہ دردناک عذاب دیکھے بغیر اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

فَيَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾

ترجمہ: ''پھر وہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔''

فَيَقُوۡلُوۡا هَلۡ نَحۡنُ مُنۡظَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

ترجمہ: ''پھر کہیں گے کیا ہمیں مہلت مل سکتی ہے۔''

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾

ترجمہ: ''کیا ہمارے عذاب کو جلد چاہتے ہیں۔''

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾

ترجمہ: ''بھلا دیکھ اگر ہم انہیں چند سال فائدہ اٹھانے دیں۔''

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾

ترجمہ: ''پھر ان کے پاس وہ عذاب آئے جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں۔''

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾

ترجمہ: '' توجو انہوں نے فائدہ اٹھایا ہے کیا ان کے کچھ کام بھی آئے گا۔''

مشرکین کے لیے عذاب الٰہی

یہ مشرکین قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ انہیں موت آجائے۔ لیکن اگر وہ موت کو دیکھ کر ایمان لائیں تو مجبوری کی حالت میں لایا ہوا ایمان ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ عذاب ان پر اچانک آئے گا ایسی حالت میں کہ یہ لوگ بے خبر ہوں گے، اگر انہیں عذاب کے وعدہ کے وقت کا پتہ لگ جاتا تو وہ اختیاری حالت میں ایمان لے آتے۔ یہ لوگ اس عذاب کو دیکھ کر بڑی حسرت اور افسوس سے کہیں گے کہ کیا ہمیں اب مہلت نہیں ملے گی تاکہ ہم اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور قرآن پر ایمان لے آئیں؟

اللہ کی نعمتوں کا کفران

ان کی مہلت چاہنے کی آرزو کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ اگر خدا ان کی اس خواہش کو پورا

کر دے اور انہیں مختصر یا لمبی مدت مزید زندگی دی جائے اور انہیں نعمات ملیں تو ان نعمات کے ہوتے ہوئے ابدی عذاب سے خود کو کس طرح بچائیں گے۔ آخرکار جس عذاب کی انہیں خبر دی گئی ہے اور جس عذاب سے انہیں ڈرایا گیا ہے تو چند روزہ زندگی اور مہلت انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔ وہ جاودانی طے شدہ عذاب سے نہ بچ سکیں گے۔ یہ لوگ عذاب کے آنے کی جلدی کر رہے ہیں لیکن اس کا وقت طے ہے۔

وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ ۖ ﴿٢٠٨﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ایسی کوئی بستی ہلاک نہیں کی جس کے لیے ڈرانے والے نہ آئے ہوں۔''

ذِكۡرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿٢٠٩﴾

ترجمہ: ''نصیحت دینے کے لیے، اور ہم ظالم نہیں تھے۔''

اتمام حجت

اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی آبادی پر عذاب اُتارا تو اس سے پہلے اس بستی والوں کے پاس اپنی طرف سے منذر اور ڈرانے والے بھیجے۔ اتمام حجت کے بعد ہی ان پر عذاب اُتارا، کسی بھی بستی کو ہلاک کرنے میں اللہ کی طرف سے کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا۔[1] اس آیت جیسا مضمون سورۃ الاسراء آیت ۱۵ میں بھی آیا ہے:

[1] ۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق ظلم کا عنوان کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ ظلم یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جو اس کا حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو مالک علی الاطلاق ہے، پوری کائنات اسی کا ملک ہے کچھ بھی اس کی مالکیت سے باہر نہیں ہے لہٰذا اللہ کے کسی بھی فعل میں ظلم کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے اللہ کا ملک ہیں، اللہ اپنے مملوک کے لیے جو بھی کرتا ہے وہ اس کے فائدے اور مصلحت میں ہوتا ہے۔ خود مملوک ایسا کام کرتا ہے جس کا اسے اختیار نہیں ہوتا اس طرح وہ اپنے اوپر ظلم کر رہا ہوتا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

"اور ہم سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج دیتے"۔

اللہ تعالیٰ پہلے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے اپنا نمائندہ لوگوں کے پاس بھیجتا ہے، جب وہ اس کی بات کا انکار کر دیتے ہیں اور وہ کچھ کرتے ہیں جن کا انہیں اختیار نہیں تو پھر انہیں سزا دیتا ہے۔

عذاب اتمام حجت کے بعد دیا جاتا ہے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾

ترجمہ: "اور قرآن کو شیطان لے کر نہیں نازل ہوئے۔"

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾

ترجمہ: "اور نہ یہ ان کا کام ہے اور نہ وہ اسے کر سکتے ہیں۔"

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ: "وہ تو سننے کی جگہ سے بھی دور کر دیے گئے ہیں۔"

مشرکین کو جواب

اس بیان سے مشرکین کے اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا جا رہا ہے۔

مشرکین کا پہلا دعویٰ

مشرکین کا پہلا دعویٰ یہ تھا کہ محمد ﷺ کے پاس ایک جن ہے جو اس کلام کو تیار کر کے انہیں دیتا ہے اور وہ اسے ہمارے لیے پڑھ دیتے ہیں۔

جواب: رسول اللہ ﷺ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن کو شیاطین (خباث) نے نازل نہیں کیا۔ تاکہ اس بیان سے رسول اللہ ﷺ کو خوشحال اور ان کے دل کو مطمئن کیا

جائے۔ پھر مشرکین سے کہا گیا کہ شیاطین قرآن نہیں لا سکتے کیونکہ وہ تو شرارتی موجودات ہیں، ان کا کام شر پھیلانا اور فتنہ و فساد کرانا ہے، وہ تو باطل کو حق بنا کر ظاہر کرتے ہیں لہٰذا وہ ایسا کلام کیوں لائیں گے جس میں اصلاح اور خیر کی باتیں ہوں، اللہ کی اطاعت اور عبادت کا کہا جارہا ہو۔ یہ بات ان کے ساتھ بالکل میل نہیں کھاتی اور ان کے مزاج کے برعکس ہے۔

دوسری بات یہ کہ وہ ایسا کلام لانے کی قدرت ہی نہیں رکھتے کیونکہ قرآن آسمانی کلام ہے اور فرشتے اسے رب العزت سے وصول کرتے ہیں اور اس کے امر سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور شیاطین آسمانی خبروں کو نہیں سن سکتے اور نہ ہی ملأ اعلیٰ کے بارے انہیں کچھ اطلاع ہے۔ انہیں اس مرکز سے دُور کر دیا گیا ہے، آسمانی خبریں جاننے کے لیے ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ جب وہ فضاء سے اوپر آسمان پر جانا چاہتے ہیں تو شہاب ثاقب ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور انہیں آسمان پر نہیں جانے دیا جاتا۔ سورہ صافات، آیت ۱۰ میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۚ﴿۲۱۳﴾

ترجمہ: ''سو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکار ورنہ تو بھی عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔''

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ: ''اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرا۔''

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ﴿۲۱۵﴾

ترجمہ: ''اور جو ایمان لانے والے تیرے ساتھ ہیں ان کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھ۔''

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۚ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ: ''پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں تمہارے کام سے بیزار ہوں۔''

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾

ترجمہ: ''اور زبردست رحم والے پر بھروسہ کر۔''

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾

ترجمہ: ''جو تجھے دیکھتا ہے جب توں اٹھتا ہے۔''

وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾

ترجمہ: ''اور نمازیوں میں تیری نشست و برخاست دیکھتا ہے۔''

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

ترجمہ: ''بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی حکم

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ میرے سوا کسی کو معبود قرار مت دو۔ کیونکہ اللہ کے سوا کسی اور کو معبود قرار دینے کی وجہ سے اللہ کا عذاب اُترتا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں اور عصمت مآب ہونے کی وجہ سے ان کے لیے امر و نہی معنی نہیں رکھتا۔ اُنہوں نے نہ تو واجب ترک کرنا ہے اور نہ ہی حرام کو بجا لانا ہے، وہ تو ہر گناہ سے پاک ہیں، بھول چوک سے بھی پاک ہیں۔ لیکن یہ بات معلوم رہے کہ معصوم ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ مکلّف نہیں اور شریعت کے احکام ان کے لیے نہیں۔ جس طرح آدمی کا نفس اسے کمال تک پہنچاتا ہے تو کمال کے آثار سے خود نفس بھی ہوتا ہے یہ معقول نہیں کہ کسی کا نفس تو کمال تک پہنچ جائے لیکن کمال کے آثار اس میں نہ ہوں۔ لہٰذا جب تک انسان

کا تعلق زمینی زندگی سے ہے ضروری ہے کہ وہ ذمہ داری کی مشقت کو برداشت کرے۔ قرآن کی دوسری آیات بھی اس مطلب کی تائید میں موجود ہیں۔ سورہ زمر آیت ۶۵:

لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۞

"کہ اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگے"۔

خاندان کو ڈرانے کا حکم

اس کے بعد فرمایا کہ اپنے خاندان کو ڈراؤ۔[1] یہ اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ دینی امور میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے۔ اس میں اپنے قریبی اور بیگانے سب برابر ہیں، سب بندے اللہ کے حکم کے سامنے برابر ہیں۔ اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خصوصی ہدایت جاری کی گئی ہے کہ جو لوگ آپ پر ایمان لے آئیں ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ، ان پر خصوصی شفقت کرو، ان کی تربیت پر توجہ دو اور اگر آپؐ کے کسی حکم کی پیروی کرنے میں مخالفت کریں تو ان کے اس عمل سے بیزاری کا اعلان کرو کیونکہ پیغمبر مومنین کی اطاعت اور معصیت کا ذمہ دار نہیں ہے۔ رسول کی ذمہ داری ان کو احکام کی تعلیم دینا، ان کی تربیت کرنا ہے اور انہیں اللہ

---

[1]۔ **دعوت ذوالعشیرہ:** تفسیر مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے نقل کیا گیا ہے؛ جب یہ آیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپؐ نے اپنے خاندان کے ۴۰ افراد کو اکٹھا کیا (مردوں کی تعداد اتنی ہی تھی) انہیں کھانا کھلایا اور دودھ بھی پلایا۔ پہلے دن ابولہب کی وجہ سے پیغام نہ دے سکے، دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا لیکن تیسرے دن حضرت ابوطالب علیہ السلام کی مداخلت پر آپؐ نے اپنی قوم کو پیغام دیا۔ آپؐ نے فرمایا: میں تمہارے لیے بہترین پیغام لایا ہوں جو اس سلسلہ میں آج میری حمایت کرے گا تو میرا بھائی وزیر اور وصی ہوگا۔ سب خاموش ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے جن کی عمر ۱۳ سال تھی، فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپؐ کی مدد کروں گا۔ تین مرتبہ آپؐ نے اس بات کو دہرایا، باقی سب چپ رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام سے فرمایا: آپؑ میرے وصی، میرے بھائی، میرے وزیر اور میرے بعد خلیفہ ہیں۔ اس اعلان کے بعد خاندان والوں نے استہزاء اور مذاق کرتے ہوئے حضرت ابوطالب علیہ السلام سے کہا کہ لو اب تم اپنے اس تیرہ سالہ بچہ کی اطاعت کرنا کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تمہارے اوپر امیر بنا دیا ہے۔

کی اطاعت پر آمادہ کرنا اور اللہ کی مخالفت سے روکنا ہے۔ اللہ نے جو ذمہ داری لگائی ہے اس کے علاوہ وہ کسی اور کے جوابدہ نہیں۔ اللہ عزیز و مقتدر ہے، نافرمانوں کو خود ہی سزا دے گا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کو چاہیے کہ وہ اطاعت گذار مومنین اور معصیت کار مومنین سب کے متعلق اللہ پر توکل رکھیں۔ اللہ ہی صاحب عزت ہے، اقتدار اسی کا ہے اور اللہ کی رحمت ہمیشہ گذشتہ انبیاء پر رہی ہے اور نافرمانوں کے لیے عذاب بھی دیا ہے۔ قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم لوط، قوم شعیب، قوم ھود، قوم صالح، قوم موسیٰ علیہم السلام سب کے حالات بیان ہو چکے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے متعلق عادلانہ فیصلہ کیا، مجرموں کو سزا دی اور مومنوں کو نجات دی۔ اللہ تعالیٰ وہی ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ کی حالت نماز میں قیام اور سجدہ کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور نماز جماعت میں دوسرے سجدہ گذاروں کے درمیان رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی نظر ہوتی ہے۔[1]

ان آیات میں اللہ پر توکل (اللہ کو اپنے سارے امور کا وکیل بنانا) کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ ہی دانا ہے، بندے معصیت کار ہیں، ان کے بارے بھی اللہ آگاہ ہے اور جو اطاعت گذار ہیں ان کے بارے بھی اللہ آگاہ ہے لہٰذا پیغمبر اکرم ﷺ ان بندوں کے امور اللہ کے سپرد کر دے جو عزیز، مقتدر اور رحیم و مہربان ہے۔ یہ سب آیات رسول اللہؐ کو اطمینان دلانے کے لیے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فکرمند نہ ہوں، اللہ تمام امور پر نظر رکھے ہوئے ہے اور کس کے ساتھ کیا کرنا ہے یہ کام اللہ کے سپرد کر دو۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾

[1]۔ مجمع البیان میں ابن عباس اور دوسروں سے یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ کو یہ بات معلوم رہے کہ تم اپنے اجداد کی صلبوں اور رحموں میں ایک کے بعد دوسرے میں منتقل ہو رہے تھے جو کہ عبادت کرنے والے، سجدہ گزار اور قیام کرنے والے تھے یہاں تک کہ تم اپنے باپ کی صلب سے پیدا ہو گئے۔

ترجمہ: ''کیا میں تمہیں بتاؤں شیطان کس پر اترتے ہیں۔''

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾

ترجمہ: ''ہر جھوٹے گناہگار پر اترتے ہیں۔''

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: ''وہ سنی ہوئی باتیں پہنچاتے ہیں اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہوتے ہیں۔''

شیاطین کے بارے خصوصی بات

مشرکین سے خطاب ہے کہ تمہیں بتایا جائے کہ شیاطین کن پر نازل ہوتے ہیں اور کن کے لیے خبریں لے آتے ہیں۔ وہ ہر اس پر اترتے ہیں جو جھوٹا ہوتا ہے، خبر کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے، جھوٹ گھڑتا ہے، نیز وہ شخص جو برے اعمال انجام دیتا ہے اس پر نازل ہوتے ہیں۔ یہ شیاطین آسمانی خبروں کی جاسوسی کرتے ہیں، ان کے پاس ادھوری معلومات ہوتی ہیں، کچھ آسمانی اشاروں پر خود ہی خبر بنا لیتے ہیں کیونکہ تند و تیز سیارے (شہاب ثاقب) انہیں آسمان کے اندر نہیں جانے دیتے۔ جیسے ہی اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو شہاب ان پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑتے ہیں لہٰذا شیاطین کے پاس پوری خبریں نہیں ہوتیں، زیادہ تر جھوٹ اور غیر واقعاتی خبریں ہوتی ہیں پھر وہ ان من گھڑت خبروں کو جھوٹے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ بد کردار ان جنات کی بتائی ہوئی باتوں میں کچھ اور شامل کرکے لوگوں کے سامنے غیبی خبریں بنا کر پیش کرتے ہیں جبکہ یہ سب جھوٹ اور خلاف حقیقت ہوتا ہے۔ ان کی باتیں یا تو بالکل ہی نادرست اور غلط ہوتی ہیں یا کچھ صحیح ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ زیادہ تر جھوٹ اور غلط خبر شامل کرکے پیش کرتے ہیں۔ شیاطین کی طینت اور مزاج میں شرارت ہے لہٰذا یہ فقط جھوٹوں اور بد کردار لوگوں پر اترتے ہیں ان کے زیادہ تر لوگ جھوٹے ہیں لیکن رسول اللہؐ تو کاذب نہیں ہیں، وہ تو صادق ہیں، وہ گناہگار نہیں، فاجر نہیں، وہ صالح اور امین ہیں۔ جو کچھ ان پر وحی ہوتا

ہے وہ ایک منظم و ترتیب وار حقیقت پر مبنی مطالب ہیں۔ یہ منتشر گفتگو نہیں لہٰذا رسول اللہؐ ان میں سے نہیں جن پر شیاطین نازل ہوتے ہیں اور قرآن شیطانی القائات سے نہیں ہے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

ترجمہ: ''اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ ہی کرتے ہیں۔''

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔''

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾

ترجمہ: ''اور جو وہ کہتے ہیں کرتے نہیں۔''

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

ترجمہ: ''مگر وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اللہ کو بہت یاد کیا اور مظلوم ہونے کے بعد بدلہ لیا، اور ظالموں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ پر پڑتے ہیں۔''

مشرکین کی دوسری تہمت کا جواب

مشرکین رسول اللہؐ پر دوسری تہمت یہ لگاتے تھے کہ یہ تو شاعر ہے اور اپنے اشعار سے لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لیتا ہے۔ وہ اس تہمت کے ذریعے لوگوں کو آپؐ کی پیروی سے روکنا چاہتے تھے۔ ''غوایت'' کا معنی گمراہی اور حق سے انحراف کرکے باطل کی جانب جانا ہے۔ سو جس کی بنیاد تخیل اور خیال پر ہو، غیر حقیقی اور غیر واقعی تصویر کو حقیقت بنا کر پیش کرنا ہو اور باطل

کو حق کا جلوہ دینے والا بیان غوایت کہلاتا ہے۔ حق کے بارے خیالی تصاویر اور توہمات و خیالات پر بیانات حق سے غیر حق کی طرف لے جانا ہے اور یہ حق سے انحراف میں شامل ہوتا ہے، گمراہ اور منحرف لوگ ہی اس قسم کے بیانات کو لے لیتے ہیں۔ اس قسم کے شعراء اپنی گفتار میں سر گرداں اور پریشان ہوتے ہیں، ان کی زبانیں بے لگام ہوتی ہیں کوئی کنٹرول نہیں ہوتا، جو منہ میں آتا ہے بولتے جاتے ہیں، ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں، ان کی گفتار کی کوئی حدود و قیود نہیں، ان کی بات کسی اصل اور ضابطہ کے تحت نہیں ہوتی۔ فطرت کے راستہ سے انحراف کی وجہ سے ایسے مطالب بیان کرتے ہیں جن پر خود کبھی بھی عمل نہیں کرتے، شعراء کی اکثریت ایسی ہوتی ہے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ شاعر نہیں ہیں کیونکہ گمراہ لوگ شعراء کی پیروی کرتے ہیں، آپؐ کی پیروی کرنے والے ہدایت یافتہ افراد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی گفتگو انحراف اور غوایت پر مبنی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپؐ جو بیان کرتے ہیں، سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے ہیں لہٰذا رسول اللہ ﷺ نہ تو شاعر ہیں اور نہ ہی قرآن شعر کی صفت سے ہے۔ بلکہ قرآن حق پر مبنی کلام ہے جو لوگوں کو رشد و ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ حق کی جانب دعوت دینے والے ہیں۔ اسی طرح فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۶۹ۙ (سورۂ یٰسٓ، آیت ۶۹)

"اور ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اس کے مناسب تھا، یہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔"

حقیقی شعراء کی پہچان

آخر میں اپنے اشعار کے ذریعہ حقائق بیان کرنے والے شعراء کو گمراہ شعراء سے جدا کرنے کے

لیے کچھ نشانیاں اور علامات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ شعرا جو صاحبان ایمان ہیں، عمل صالح انجام دیتے ہیں، اللہ کا ذکر بہت کرتے ہیں؛ ایسے شعراء گمراہ نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ کا مسلسل ذکر کرنا انہیں باطل سے دُور رکھتا ہے اور وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی ایسی بات کہتے ہیں جس میں اللہ کی رضا نہ ہو۔ ان مومنین شعراء کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ شعراء ظالموں سے مظلوموں کا انتقام لیتے ہیں۔ اپنے اشعار کے ذریعہ رسول اللہؐ کے خلاف کافر شعراء نے جو کلام کہا ہے اس کا اپنے اشعار کے ذریعہ بھرپور جواب دے کر رسول اللہؐ کا دفاع کرتے ہیں۔ آخر میں تمام مشرکین اور ستمگاروں کو ان کے برے انجام سے خبردار کیا گیا ہے کہ بہت جلد ان لوگوں کو پتہ چل جائے گا جنہوں نے ظلم و زیادتی کی ہے اور حق کو پامال کیا ہے کہ ان کی بازگشت کہاں اور کیسی ہے؟ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں انہوں نے ہمیشہ رہنا ہے۔

حضرت ابوطالبؑ کی شان

اس آیت میں شعراء کی مذمت کی گئی ہے لیکن ایسے شعراء جو مومن، صالح اور اللہ کا بہت ذکر کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں شعر کہتے ہیں، ان کی تعریف کرتے ہیں عام شعراء سے انہیں استثناء کیا گیا ہے۔ ہم جب سیرت و تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے سارے شعراء حضور پاکؐ کے خلاف اشعار کہتے تھے۔ اس دوران فقط ایک ہستی تھی اور وہ حضرت ابوطالب علیہ السلام تھے جو اپنے اشعار کے ذریعہ حضور پاک ﷺ کا مسلسل دفاع کرتے تھے اور اپنے اشعار کے ذریعہ آپؐ کی دعوت کی تائید فرماتے تھے۔ تو ظاہر ہے اس آیت میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ مومن صالح شاعر ہیں جو ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور دین کا دفاع کرتے ہیں اور آپؐ کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کا پہلا مصداق اور حقیقی مصداق حضرت ابوطالب علیہ السلام کی ذات کے علاوہ

کوئی اور نہیں۔[1]

[1]۔ تفصیل دیکھئے عرفان ابوطالبؑ اور قرآن۔ تالیف: صداقت علی قزوینی۔ (مترجم اُردو)

سورۃ النمل

(مکی۔ آیات 93)

اس سورت کے مطالب

بشارت، انذار، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ اور معارف اسلامی کے

اصولوں کا بیان، توحید، رسالت، قیامت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''طا۔ سین، یہ آیتیں قرآن اور روشن کتاب کی ہیں۔''

طٰسٓ: حروف مقطعات میں سے ہے اور یہ قرآنی اسرار و رموز ہیں۔ باقی حروف مقطعات کی مانند اور بعض نے کہا ہے کہ طٰسٓ میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ طالب و سمیع کی جانب اشارہ ہے۔

ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''ایمان داروں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔''

قرآن کے بارے بیان

''تِلۡکَ'' اسم اشارہ ہے اور دور کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ کسی چیز کی عظمت و رفعت و بلند مکانی کو بتانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس جگہ یہ لفظ دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی اس اسم اشارہ کے ذریعے اس سورہ کی آیات کی بلند شان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ قرآن کا لفظی معنی پڑھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ یہ عظیم شان آیات پڑھنے کے لیے اُتاری گئی ہیں یہ ایک کتاب کی آیات ہیں جو پڑھنے کے لیے ہیں۔ ان کی منزلت بلند اور اعلیٰ و ارفع مقاصد پر مشتمل مضامین ان میں بیان ہوئے ہیں۔ مومنوں کے لیے یہ کتاب مبین، ہدایت اور بشارت ہے۔ یہ کتاب مومنوں کو سعادت کی راہ دکھانے کے لیے اتری ہے۔ ہو سکتا ہے ھدی اور بشری دونوں اسم فاعل کے معنی میں ہوں یعنی یہ کتاب ہدایت دینے والی ہے، یہ کتاب بشارت دینے والی ہے۔ یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ دونوں مصدر کے معنی میں ہوں، مصدری معنی لیں تو پھر مبالغہ کے معنی میں ہوں گے یعنی قرآن مومنوں کے لیے بہت

زیادہ ہدایت دینے والا اور بشارت دینے والا ہے۔ قرآن اس کتاب کا نام ہے جس کی آیات مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۳

ترجمہ: ''جو نماز ادا کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

مومنین کے اوصاف

اس آیت میں مومنوں کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ اعمال صالح انجام دینے والے ہیں اور اعمال صالح کے نمونہ کے طور پر نماز اور زکات کا نام لیا ہے۔ کیونکہ نماز اور زکات دین کے دو اہم ستون ہیں، نماز کا تعلق بندے اور رب سے ہے اور زکات آدمی کا معاشرہ کے افراد سے تعلق قائم کرنے کے لیے ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آخرت پر ان کا یقین ہے۔ مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے اسے یاد رکھتے ہیں۔ یہ بات اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ اسی وقت قبول ہوں گے جب آخرت پر یقین ہو گا۔ اگر آخرت پر یقین نہ ہو تو اعمال صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۴۷ (سورۃ الاعراف)

''اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو گئے، انہیں وہی سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۴

ترجمہ: ''البتہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے اچھے کر دکھائے ہیں پس وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔''

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ لَهُمۡ سُوٓءُ الۡعَذَابِ وَ هُمۡ فِي الۡاٰخِرَةِ هُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ۝

ترجمہ: ''وہی ہیں جنہیں برا عذاب ہونا ہے اور وہ آخرت میں بڑے ہی خسارہ میں ہوں گے۔''

انسان کی زندگی کا انجام

انسان کی زندگی کا انجام آخرت ہے۔ انسان دُنیا میں حالت سفر میں ہے، ایک راستہ پر چل رہا ہے اس کا اختتام اور اس کی انتہاء آخرت ہے۔ جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو ان کے لیے دُنیاوی اعمال اس طرح خوبصورت اور جاذب نظر قرار پاتے ہیں کہ وہ انہیں کے مجذوب و شیفتہ ہو جاتے ہیں جبکہ دُنیا فانی ہے، دُنیا تو ان کی غایت اور انتہاء نہیں ہو سکتی لہٰذا ایسے افراد بخت برگشتہ ہیں، زندگی کی سیر گاہ میں متحیر اور سرگرداں ہیں یہاں تک کہ اپنے اعمال کے ہمراہ ہدف تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد تہدید اور دھمکاتے ہوئے فرمایا کہ دُنیا و آخرت میں ایسے افراد کے لیے بدترین عذاب ہے۔ ایسے افراد آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے کیونکہ دوسرے لوگوں کے نامۂ اعمال میں گناہ والے کام بھی ہیں اور ثواب والے عمل بھی ہیں، نیک اور بد دونوں موجود ہیں۔ نیک اعمال کا ثواب ملے گا اور برے اعمال کی سزا ملے گی لیکن یہ لوگ جو آخرت کے منکر ہیں ان کے نیک اعمال ضبط اور ضائع ہو چکے ہوں گے ان پر بھی انہیں کچھ ثواب نہ ملے گا کیونکہ آخرت کے انکار کی وجہ سے وہ اعمال درج ہی نہیں ہوئے تاکہ ان کا وزن کیا جاتا۔ ان کے لیے بس گناہ ہی باقی رہ جاتے ہیں، ان کے لیے بس عذاب اور عتاب ابدی ہے۔

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ عَلِيۡمٍ ۝

ترجمہ: ''اور تجھے بڑے حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن دیا جا رہا ہے۔''

حکیم اور علیم کی جانب سے اترنے والا قرآن

اس جگہ بیان کیا ہے کہ اے میرے حبیب! جو قرآن تیرے پاس آیا ہے اسے ہم نے بھیجا ہے، جو تم قرآن سے وصول کر رہے ہو وہ دانا اور حکیم کی طرف سے ہے، اس کا ہر کام مصلحت و حکمت کے تحت ہے، اس میں پختگی اور دوام ہے اور وہ ذات علم کا منبع ہے، علم اسی کے پاس ہے، اس میں کچھ بھی نقص نہیں ہے، یہ کتاب علم اور حکمت سے بھری ہے، اس میں کچھ جھوٹ نہیں اور کچھ بھی مصلحت کے خلاف نہیں۔ کوئی کمزور بات نہیں، اس کی قضاوت میں خطاء نہیں۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

ترجمہ: ''جب موسٰی نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے، میں ابھی وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی انگارہ سلگا کر لاتا ہوں تاکہ تم سینکو۔''

موسیٰؑ کا کوہ طور پر جانا

اہل سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی بیوی ہیں جو کہ شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھی۔ ان کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ تمہارے لیے کوئی خبر لاؤں گا یا آگ کی چنگاری لاؤں گا تو یہ اس لیے ہے کہ بیوی کے علاوہ کچھ افراد ہمراہ تھے، راستہ بنانے والے، خدمت کرنے والے، سامان اٹھانے والے، ایک چھوٹا سا کاروان تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو لے کر اپنے وطن واپس جا رہے تھے۔

"انست" صیغہ متکلم ہے، مجھے اس روشنی کو دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا ہے۔
"شہاب" ایسانور جو آگ کی روشنی سے اوپر کی جانب اٹھتا ہے۔ (روشنی)
"قبس" تھوڑی سی آگ، چنگاری۔
" اصطلاء" آگ کے وسیلہ سے گرم ہونا۔

موسیٰؑ کاماجرا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ وہ دس سال تک ان کے پاس رہے پھر وہاں سے مصر واپس جانے کا اراہ کیا۔ راستہ گم کر بیٹھتے، موسم سرد تھا، ہوا بہت ٹھنڈی تھی، اچانک موسیٰ علیہ السلام نے دور سے آگ کی روشنی کو دیکھا، آپؑ نے فیصلہ کیا کہ اس آگ کے پاس جائیں، اگر وہاں پر کوئی موجود ہوا تو اس سے راستہ پوچھیں گے اور تھوڑی سے آگ بھی لے آئیں گے تاکہ یہاں آکر آگ جلائیں گے اور خود کو گرم کریں گے۔
اس بیان کے انداز سے یہ استفادہ ہوتا ہے اس آگ کو فقط حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہی دیکھا تھا کسی اور نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا تھا لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کاروان کو چھوڑ کر آگ کی تلاش شروع کی تاکہ کوئی راستہ بتانے والا مل جائے اس لیے اس روشنی کی طرف روانہ ہو گئے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: "پھر جب موسیٰ وہاں آئے تو آواز آئی کہ جو آگ میں اور اس کے پاس ہے وہ بابرکت ہے، اور اللہ پاک ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔"

يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ﴿۹﴾

ترجمہ: ''اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمت والا۔''

موسیٰؑ کا آگ کے پاس پہنچنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس روشنی کی جانب روانہ ہوئے اور کچھ دیر بعد اس روشنی والی جگہ جسے وہ آگ خیال کر رہے تھے پہنچ گئے۔ وہاں پر ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے، وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا اور نہ ہی اس طرح کی آگ تھی جو انہوں نے خیال کی تھی۔ یہاں پر آگ مانند روشنی تھی تو ان کے کانوں میں یہ آواز آئی کہ اس آگ میں اور اس آگ کے اطراف میں بہت ہی خیر و برکت ہے ''من فی النار'' ''جو آگ میں ہے'' اس کے مبارک ہونے سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے کہ جس کی قدرت اور سلطنت اس آگ میں ظاہر ہوئی ہے کیونکہ آواز درخت سے آرہی تھی اور آگ نے اس درخت کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا وہ درخت آگ کے درمیان موجود تھا اور ''مَنۡ حَوۡلَـهَا'' اور جو اس کے گرد موجود ہیں وہ بھی بابرکت ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں جو اس آگ کے گرد موجود تھے۔[1] بہرحال آیت کا معنی اس طرح ہے: وہ ذات مبارک ہے جس نے اپنے کلام کے وسیلے سے آگ کے اندر سے تیرے اوپر تجلی کی ہے اور تجھے خیر کثیر عطا کی ہے اور ''سُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ'' کی عبارت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ جسم و جسمانیات سے پاک ہے، اسے کوئی جگہ احاطہ نہیں کر سکتی اور وہ حوادث سے متاثر نہیں یعنی ایسی ذات جو ہر نقص و احتیاج سے پاک ہے۔ جسم کے لیے جگہ چاہیے اور اللہ احتیاج سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کا تعارف

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنا تعارف کروایا کہ اے موسیٰ

---

[1] ۔ تفسیر روح المعانی۔

مطلب اس طرح ہے کہ تجھے معلوم رہے جو تیرے ساتھ بات کر رہا ہے وہ تیرا رب ہے، اللہ ہے اور تجھے معلوم رہے کہ میں اللہ ہوں۔ اقتدار اعلیٰ و غلبہ اور حکمت میری ذاتی ہے، عزیز و حکیم کے اوصاف اللہ نے بیان کیے ہیں جو اللہ کی صفت ذات سے ہیں۔

وَ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّ لَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۚ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ ”اور اپنی لاٹھی ڈال دے، پھر جب اسے دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح چل رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، اے موسیٰ ڈرو مت، کیونکہ میرے حضور میں رسول ڈرا نہیں کرتے۔“

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”مگر جس نے ظلم کیا پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا ہو تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔“

موسیٰؑ کے لیے اللہ کا فرمان

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمجھا دیا گیا کہ تمہارے ساتھ اللہ کلام کر رہا ہے اور اللہ نے تجھے خبر دی ہے تو اللہ نے اب موسیٰ علیہ السلام کے لیے پہلا فرمان جاری کیا کہ جو تیرے پاس ہے اسے زمین پر پھینک دو۔ جیسے ہی موسیٰ علیہ السلام نے اسے زمین پر پھینکا تو وہ سانپ بن کر زمین پر رینگنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ منظر دیکھ کر گھبرائے اور پیچھے ہٹ گئے۔ عصا اژدھا بن گیا پھر سانپ کی مانند اچھلا، اپنا پھن نکالا اور آگے بڑھنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ منظر دیکھ کر ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اچانک پھر موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی: اے موسیٰ ڈرو مت، میری جانب سے تم ہر برائی اور نقصان سے امن میں

ہو۔ یہ بات جان لو کہ پیغمبر میرے قریب میں آکر ڈرتے نہیں کیونکہ مقام قرب اور امنیت میں ہوتے ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ میرے قرب میں ہوں اور انہیں کہیں سے کوئی نقصان پہنچے۔

موسیٰ علیہ السلام کا ڈرنا کمزوری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ہر انسان کی طبیعت و مزاج کا تقاضا ہے کہ ایک لکڑی جو ابھی اس کے ہاتھ میں تھی اور اسے خود ہی زمین پر پھینکا ہے اور وہ اژدھا بن گیا ہے اور سانپ کی مانند پھن نکالے سامنے آکھڑا ہوا ہے تو خوامخواہ ڈر تو محسوس ہوتا تھا۔ یہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے اور اللہ نے یہ جو فرمایا کہ تم ڈرو مت تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذمت یا سرزنش نہیں تھی بلکہ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہمکلام تھے تو اللہ تعالیٰ اس بیان سے موسیٰ علیہ السلام کو شعور دے رہا تھا، تعلیم بھی دی جا رہی تھی اور ادب بھی سکھایا جا رہا تھا۔ اللہ فرما رہا ہے موسیٰ اب میرے پاس ہو مجھ سے تم نے علم حاصل کرنا ہے، باادب ہو کر بیٹھو اور ڈرو مت، جو بھی پیغمبر بنتے ہیں تو وہ پیغام لیتے وقت مقام قرب پر خود کو محفوظ سمجھتے ہیں انہیں کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ اب تمہارے شامل حال میرا قرب ہے، امنیت ہے، شر تم سے دور ہے۔

اس جگہ ایک استثناء بیان کیا گیا ہے کہ جس کسی نے ظلم کیا، برائی انجام دی لیکن پھر نیک ہو کر بدی کو نیکی سے بدل دیا تو پھر میں اسے معاف کر دیتا ہوں کیونکہ میں غفور و رحیم ہوں۔ پہلے والی آیت کے مضمون پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسولوں کے سوا دوسرے تمام لوگ ظالم ہیں۔ عذاب سے محفوظ نہیں ہیں، ان کو ڈرنا چاہیے لیکن یہ معنی کلی طور پر درست نہیں ہے لہٰذا اہل توبہ کو اس سے استثناء دیا ہے کہ غیر مرسلین میں جو ظالم ہیں جب وہ توبہ کر لیں، نیک بن جائیں تو ان پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے، انہیں مغفرت ملتی ہے پھر وہ بھی مرسلین کی مانند اللہ کے عذاب سے خود کو محفوظ سمجھیں گے اور محفوظ ہوں گے، انہیں پھر کسی سے خوف نہیں کھانا۔

عصا کا اژدھا بن جانا ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور یہ پہلا درس تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا اور موسیٰ علیہ السلام کو سمجھا دیا کہ تم اب مقام قرب الٰہی میں ہو اور تمہارے پاس اللہ کی رسالت ہے لہٰذا کسی قسم کا خوف اور ڈر آپ کے ہاں اب نہیں ہونا چاہیے۔

وَ اَدۡخِلۡ یَدَکَ فِیۡ جَیۡبِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ ۟ فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ قَوۡمِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال دے وہ سفید بے عیب نکلے گا، یہ نو نشانیاں فرعون اور اس کی قوم کی طرف لے کر جا، کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں۔''

حضرت موسیٰؑ کے معجزات

حضرت موسیٰؑ کا دوسرا معجزہ ہاتھ کا سفید اور نورانی ہو جانا تھا۔ لفظ (سوء) سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جب برص کی بیماری لگتی ہے تو اس سے جسم کی جلد سفید ہو جاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں لے جاؤ اور پھر اسے نکالو تو یہ بالکل سفید ہوگا اور اس میں نورانیت ہوگی، اس میں سوء نہیں ہوگا یعنی یہ سفیدی برص والی بیماری نہیں ہوگی۔ یہ بھی ان نو معجزات میں سے ایک ہے۔ سورہ اسراء آیت ۱۰۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ یہ نو معجزات ہم نے تمہیں اس لیے دیئے ہیں کہ فرعون اور فرعونیوں کے پاس جاؤ اور انہیں تبلیغ کرو، وہ معصیت کار اور سرکش ہو گئے ہیں اور عبودیت اور بندگی کو چھوڑ دیا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتۡہُمۡ اٰیٰتُنَا مُبۡصِرَۃً قَالُوۡا ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿ۚ۱۳﴾

ترجمہ: ''پھر جب ان کے پاس آنکھیں کھولنے والی ہماری نشانیاں آئیں تو کہنے لگے یہ

تو صاف جادو ہے۔"

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور انہوں نے ان کا ظلم اور تکبر سے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے، پھر دیکھ مفسدوں کا انجام کیسا ہوا۔"

فرعونیوں کے پاس کا نشانیاں لے کر آنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں آجاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیات میں پوری وضاحت موجود ہے کہ جب آپ فرعونیوں کے پاس ان معجزات کو پیش کرتے ہیں جو بڑے واضح و روشن تھے، بجائے اس کے کہ وہ آپ کی دعوت کو قبول کرتے اور ایمان لے آتے، انہوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔

"جحد" کا لفظ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں بات کرنے والا دل سے اس بات کو مان رہا ہوتا ہے جس کا وہ زبان سے انکار کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ فرعونیوں کے دل جس حقیقت کو تسلیم کر چکے تھے وہ اس حقیقت کا زبان سے انکار کر رہے تھے اور ان کا یہ رویہ انکے ظلم کی وجہ سے تھا، تکبر اور غرور ان پر چھایا ہوا تھا وہ معصیت کار اور فسادی تھے۔ آپ ذرا دیکھیں کہ پھر ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا؟

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا، اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے جس نے

ہمیں بہت سے ایمان دار بندوں پر فضیلت دی۔“

علم کا عطیہ

اس آیت میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ نے جو علم کا عطیہ دیا تھا اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پہلی بات تو یہ سمجھا دی ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے علم کا عطیہ عطا کرتا ہے۔ اس آیت میں لفظ علم کو نکرہ کی شکل میں لایا گیا ہے تاکہ علم کی عظمت اور اہمیت کو بیان کیا جا سکے اور جو برتری ان کو دی گئی تھی وہ علم میں برتری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو پیغمبروں کو بہت کچھ دیا تھا جیسے پہاڑوں کی تسخیر، ہوا کی تسخیر، بندگان اور جنیان کی تسخیر، پتھر اور لوہے کا نرم ہو جانا جس کے ذریعے حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہ بنانے کا آغاز کیا۔ لوہا ان کے ہاتھ نرم ہو جاتا تھا۔ بڑی مملکت و سلطنت عطا کی۔ سلیمان علیہ السلام کو ایسی حکومت دی تھی جو اس سے پہلے کسی کے لیے نہیں تھی یعنی ہوا کے دوش پر ان کا تخت اڑتا تھا، جہاں چاہتے تھے جاتے تھے، تخت سمیت پڑاؤ ڈالتے تھے۔ یہ سب اللہ کے عطیات و مواہب ان کے لیے تھے لیکن جو علم کا عطیہ تھا اس کا خصوصی طور پر ذکر کرکے اس کا شکر بجا لایا کرتے تھے۔ علم کا عطیہ تمام عطیات سے برتر ہے اس لیے اس کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔

وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”اور سلیمان داؤد کا وارث ہوا، اور کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کے ساز و سامان دیے گئے ہیں، بے شک یہ صریح فضیلت ہے۔“

سلیمانؑ، داؤدؑ کے وراث

حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنتے ہیں۔ نبوت تو قابل انتقال نہیں ہے اور نبوت وراثت میں نہیں ملتی۔ علم اگرچہ استاد سے شاگرد کو ملتا ہے لیکن اسے پڑھنا پڑتا ہے، علم بھی وراثت میں نہیں ملتا۔ علم ایسی کرامت ہے اللہ جسے چاہے یہ کرامت عطا کرتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کو جو نعمات عطا فرمائیں وہ لوگوں کے لیے بیان کی ہیں اور یہ سب تحدیث نعمت کے طور پر کیا ہے جیسا کہ سورہ الضحیٰ میں پیغمبر اسلامؐ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: " بہر حال تم کو چاہیے کہ اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو" ۔

اس کے بارے بات کرو، تحدیث بھی کرو، (**نطق**) کا معنی ہے ہر چیز کا اپنے مقصود پر دلالت کرنا۔ (**منطق الطیر**) سے مراد وہ ذریعہ جس کے وسیلہ سے پرندگان اپنے مقاصد کو ایک دوسرے کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندگان کو منطق عطا کی ہے جس سے وہ آپس میں رابطہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے مقصد کو جان لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جو منطق پرندگان کو تعلیم دی تھی اس علم کو حضرت سلیمان اور داؤد علیہاالسلام کو بھی عطا کر دیا تھا۔ اس بات کو جاری رکھتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز ہمیں عطا کی ہے کچھ نہیں جو نہ دیا ہو یعنی ہر چیز جس کا وجود نعمت حساب کیا جائے، اللہ نے ہمیں دیا ہے۔ معنوی اور مادی تمام نعمات کو عطا کیا ہے۔ جو علم، حکمت، مملکت، اقتدار، صحیح فیصلہ کرنے کی قدرت و دیگر چیزیں عطا کی ہیں۔

آخر میں ان سب پر کچھ بڑائی کا اظہار نہیں، پوری عاجزی اور انکساری سے اللہ کا شکر بجالایا گیا ہے یہ کہہ کر یہ سب فضیلت اور برتری جو باقی لوگوں پر اللہ نے ہمیں دی ہے اس پر اللہ کا شکر بجا

لاتے ہیں۔[1]

وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور سلیمان کے پاس اس کے لشکر جن اور انسان اور پرندے جمع کیے جاتے پھر ان کی جماعتیں بنائی جاتیں۔''

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان پر پہنچے، ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیوں اپنے گھروں میں گھس جاؤ، تمہیں سلیمان اور اس کی فوجیں نہ پیس ڈالیں، اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔''

سلیمانؑ اور ان کی فوج

حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج میں انسان، جنات اور پرندگان سب موجود تھے۔ پوری فوج اکٹھی ہو گئی اور ہر ایک نے اپنی اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ آپس میں ملے اور ایک دوسرے کی جگہ لینے سے انہیں روک دیا گیا۔ جیسے ہی یہ فوج وادی نمل (چیونٹیوں کی وادی) میں پہنچ

---

[1]۔ اس ضمن میں ''الاحتجاج'' میں طبرسی نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے جب جناب سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا سے فدک لے لیا اور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے احتجاج کیا تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ ہم انبیا تو وراثت نہیں چھوڑتے تو بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا نے اس کے جواب میں قرآن کی اسی آیت سے اس کا جواب دیا کہ سلیمان داؤد کا وارث بنا، اگر وہ وارث بن سکتا ہے تو میں اپنے باپ کی وراثت کیوں نہیں بن سکتی؟

گئی، کہا جاتا ہے کہ یہ وادی شام اور طائف کی بلند چوٹی پر یا یمن میں موجود تھی۔ اسی دوران ایک چیونٹی نے اپنی باقی ساتھیوں سے خطاب کیا اور انہیں خطرے سے آگاہ کیا اور انہیں یہ دستور دیا کہ جلدی اپنے سوراخوں میں داخل ہو جاؤ تاکہ سلیمانؑ اور ان کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام اور آپ کی فوج زمین پر مارچ کر رہی تھی، ہوا میں اڑ نہیں رہے تھے۔ چیونٹی نے یہ اس وقت کہا جب سلیمان علیہ السلام ایک عظیم مملکت کے سربراہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اور جنات ان کے فرمان کے تابع تھے، آپ ان سے جو چاہتے وہ وہی کام کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندگان کی منطق (بولی) کا بھی علم تھا[1] لیکن اس سب کے باوجود آپ نہ تو اپنی بے چارگی، کم مائیگی اور احتیاج کو بھولے اور نہ اللہ کی طرف رکوع کرنے کو یاد سے بھلایا۔ سب کو اللہ کا عطیہ سمجھ کر اس کا ہر وقت شکر بجالاتے تھے۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''پھر اس کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑا اور کہا اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اور یہ کہ میں نیک کام کروں جو تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل کر لے۔''

---

[1] ۔اس اعتبار سے کہ اس سورہ میں رسول خدا ﷺ کو فصل الخطاب کہا گیا ہے اسی طرح زیارت جامعہ میں بھی اس بات کی جانب اشارہ موجود ہے کہ پیامبر اکرمؐ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام بھی حیوانات کی زبان کو جانتے ہیں۔ (مصحح)

اللہ سے سلیمانؑ کی دعا

سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی آواز کو سنے بغیر اس کا مقصد سمجھ گئے اور اس کو جان کر مسکرا دیئے۔ پھر اللہ نے اسے جو انعامات دے رکھے تھے ان انعامات کا شکر بجالایا اور ان کے سامنے خوشی کی ایک عجیب لہر نے آلیا اور کہہ اٹھے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے۔ فوراً اللہ کے اس انعام کا شکر بجالانے کی سوچ آئی، فوراً اللہ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا اے میرے رب ! مجھے ایسی حالت عطا فرما کہ میں تیری ان نعمات پر جو تو نے مجھے، میرے والد اور میری ماں کو مرحمت فرمائی ہے اس کا شکر بجالاؤں۔ اس میں اللہ کے جو انعامات اس کے والدین پر تھے ان کو بھی یاد کیا کہ میں ان کا بھی شکر بجالاؤں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ داؤد علیہ السلام کو علم و حکمت اور نبوت اور فصل الخطاب (صحیح فیصلہ کرنے کی استعداد) عطا کی تھی اور آپ کی ماں کو داؤد علیہ السلام جیسا شوہر عطا کیا اور سلیمان علیہ السلام جیسا بیٹا دیا، اس سے بڑھ کر کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔

اس بناء پر آپ کی ماں بھی اہل صراط مستقیم تھیں۔[1] لہٰذا سلیمان علیہ السلام کی ماں کی طرف جو غلط نسبت تحریف شدہ توریت میں دی گئی، وہ غلط ہے۔[2]

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ سے درخواست کرتے ہیں:

”عمل صالح انجام دینے کی اللہ توفیق دے کیونکہ خارجی اسباب کا حصول اور انسان کی صلاح اور

---

[1]۔ اہل صراط مستقیم چار گروہ ہیں: (۱) انبیاء و مرسلین (۲) صدیقین (۳) شہداء (۴) صالحین۔ جیسا کہ سورہ النساء آیت ۶۹ میں ہے۔

[2]۔ تحریف شدہ تورات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان کی ماں، اوریاء نامی شخص کی بیوی تھی۔ حضرت داود علیہ السلام نے اس کے ساتھ زنا کیا۔ (العیاذ باللہ) اور اوریاء کو مارنے کے غرض سے جنگ پر بھیج دیا اور اس کے بعد مادر سلیمان سے نکاح کیا۔ بدون شک انبیاء علیہم السلام کی شان ان بے ہودہ باتوں سے پاک و منزہ ہے۔

سعادت کے حالات فراہم ہونا، عمل صالح کے لیے موثر تو ہے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے باطنی دعوت کی درخواست کی ہے کہ اس طرح ہو کہ اس کا باطن اسے سعادت و صلاح کی دعوت دے۔ حقیقت میں اس درخواست میں وہی خیرات کی وحی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے آئمہ کے لیے مرحمت فرمائی ہے اور ان کی روح القدس کے وسیلہ سے تائید فرمائی ہے جیسا کہ فرمایا:

"وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ" (سورہ الانبیاء، آیت ۷۳)

"ہم نے انہیں فعل خیرات کے انجام دینے کی وحی کر دی"

حضرت سلیمان علیہ السلام کی آخری درخواست یہ تھی کہ اے اللہ مجھے صالحین سے قرار دے۔ البتہ ذات کی صلاح اور منزلت عمل میں صلاح اور درستگی سے بالاتر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کلام میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں وہ سب مواہب اور عطیات جو تو نے اپنے صالح بندوں کو عطا کیے ہیں تجھ سے مانگ رہا ہوں۔ ان سب مواہب میں اہم مقام عبودیت کا مقام ہے جو تو نے اپنے صالح بندوں کو دیا ہے، مجھے بھی وہی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور سلیمان علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا:

" نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ "

"کیسا اچھا بندہ تھا، بے شک وہ رجوع کرنے والا تھا"۔ (سورہ ص، آیت ۳۰)

وَ تَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖؗ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِيْنَ ۝۲۰

ترجمہ: "اور پرندوں کی حاضری لی تو کہا کیا بات ہے جو میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا کیا وہ غیر حاضر ہے۔"

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیۡدًا اَوۡ لَاَاذۡبَحَنَّهٗۤ اَوۡ لَیَاۡتِیَنِّیۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”میں اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا یا وہ میرے پاس کوئی صاف دلیل بیان کرے۔“

سلیمانؑ کا پرندوں کا جائزہ لینا

”**تفقد**“ کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کے بارے معلومات لینا، کسی چیز کے گم جانے کا پتہ چلانا۔ اس مقام پر پہلے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بہت ہی حیرانگی سے سوال کیا کہ میں پرندوں کے درمیان ہدہد کو موجود نہیں پا رہا؟ اسے تو موجود ہونا چاہیے تھا۔ پھر سوال کیا کہ وہ غیر حاضر ہے تو کیوں؟ اس جگہ اس سوال کا جواب پرندوں سے نہیں مانگا گیا۔ البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سخت سزا کا اعلان تمام پرندوں کے درمیان کر دیا کہ ہدہد کی اس غیر حاضری پر (کہ وہ بغیر اجازت کے غائب ہوا تھا) تین باتیں کی۔ دو سزاؤں میں سے ایک سزا اسے دی جائے گی۔

۱۔ اسے سخت سزا دی جائے گی۔

۲۔ اس کے اس جرم پر اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

اس سزا سے بچنے کا طریقہ بس ایک ہی ہے کہ وہ اپنی غیر حاضری کے بارے کوئی قانع کنندہ دلیل پیش کر دے تو پھر وہ اس سزا سے بچ جائے گا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام پرندے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر و موجود رہتے تھے۔ اگر کسی نے کہیں جانا ہوتا تو وہ آپؑ سے اجازت لے کر جاتا تھا۔

فَمَكَثَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ وَ جِئۡتُكَ مِنۡ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''پھر تھوڑی دیر کے بعد ہُدہُد حاضر ہوا اور کہا کہ میں حضور کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں اور سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔''

اِنِّیۡ وَجَدۡتُّ امۡرَاَۃً تَمۡلِکُہُمۡ وَ اُوۡتِیَتۡ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ لَہَا عَرۡشٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''میں نے ایک عورت کو پایا جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اسے ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا بڑا تخت ہے۔''

وَجَدۡتُّہَا وَ قَوۡمَہَا یَسۡجُدُوۡنَ لِلشَّمۡسِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَ زَیَّنَ لَہُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَہُمۡ فَصَدَّہُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ فَہُمۡ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''میں نے پایا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال کو انہیں آراستہ کر دکھایا ہے اور انہیں راستہ سے روک دیا ہے سو وہ راہ پر نہیں چلتے۔''

ہدہد کی سلیمانؑ کے پاس حاضری

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کا انتظار کیا تاکہ وہ واپس آئے یا پھر پرندوں سے کہا ہوگا کہ اسے لے آؤ جہاں بھی ہے۔ تھوڑی دیر وہ اسی جگہ رک گئے یہاں تک کہ ہدہد آگیا اور اس نے آکر اس طرح بیان دیا۔

سباء شہر کے بارے معلومات

ہدہد واپس آگیا اور تھوڑا رک کر اس نے اس طرح بیان شروع کیا: جناب سلیمانؑ مجھے کچھ معلوم ہوا ہے کہ اس سے پہلے آپ نے اس بارے نہیں سنا ہوگا، وہ یہ ہے کہ سباء شہر (جو کہ

یمن کے شہروں سے ایک تھا) سے ایک اہم خبر لایا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک خاتون ان کی حکمران ہے۔ وہ سلطنتی تخت پر براجمان ہے اس کی سلطنت کی تمام ضروریات اسے مہیا ہیں۔ وہ بہت ہی مضبوط ارادہ کی مالک ہے، اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے، منظّم لشکر و فوج بھی اس کے پاس موجود ہے۔ فرمانبردار عورت ہے۔ ہدہد کی نگاہ میں اس کا سلطنتی تخت بہت ہی بڑا اور باشکوہ تھا۔ اور یہ جو بات میں نے دیکھی وہ یہ ہے کہ ان کی ملکہ اور اس کی پوری رعیت سورج کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ سورج کو رب النوع کے عنوان سے پوجا کرتے تھے۔ شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کے لیے خوبصورت بنا دیا ہے، وہ اس پرستش پر بہت خوش ہیں۔ اس طرح وہ اللہ کی راہ سے منحرف ہو چکے ہیں۔ انسان کی فطرت توحید پرستی ہے، شیطان نے انہیں فطرت کے خلاف سورج کی پرستش پر لگا دیا ہے اور وہ بے ہدایت ہیں۔ دین فطرت توحید پرستی ہے وہ اس سے منحرف تھے۔[1]

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے، اور سب جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ السجدة

ترجمہ: ”اللہ ہی ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک

---

[1] - ”فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ“ (سورۂ روم آیت ۳۰) ”سو تو ایک طرف کا ہو کر دین پر سیدھا منہ کیے چلا جا، اللہ کی دی ہوئی قابلیت پر جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بناوٹ میں ردوبدل نہیں“۔

ہے۔"

ہدہد کی گفتگو کا نتیجہ

ہدہد نے اپنی گفتگو کو جاری رکھا اور یہ بیان کیا کہ شیطان نے انہیں اللہ کے حضور سجدہ کرنے سے روک لیا ہے۔ اور ان کے برے اعمال کو اس قدر خوبصورت بنا دیا ہے کہ وہ رب جو آسمانوں اور زمین میں چھپا ہوا ہے اسے ظاہر کرتا ہے اور جسے چھپایا جاتا ہے یا جسے ظاہر کیا جاتا ہے تو وہ سب کچھ کو جانتا ہے، عبادت اسی کی ہونی چاہیے نہ کہ سورج کی پرستش کی جائے جو کہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک ہے جبکہ وہ اللہ ہی ہے کہ جس کو سجدہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے عدم سے آفتاب کو وجود بخشا ہے۔ اللہ ہی رب العرش العظیم ہے۔ ہدہد نے پہلے اجمال سے پھر واضح بیان بتایا کہ اللہ رب العرش العظیم ہے، تمام تدبیر بھی اسی تک جا کر ختم ہوتی ہے۔ پورا عالم اسی کی تدبیر کے تحت چل رہا ہے کیونکہ عرش سے مراد وہ مقام ہے جہاں سے تمام امور کی تنظیم و تدبیر ہوتی ہے اور مملکت میں جاری تمام امور وہیں سے صادر ہوتے ہیں۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: "کہا ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ توں سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔"

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: "میرا یہ خط لے جا اور ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے ہاں سے واپس آ جا پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔"

ہدہد کے ذمہ نامہ رسانی کا کام

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک کام ہدہد کے ذمہ لگا دیا۔ درحقیقت حضرت سلیمان اس کے بیان کے بارے تصدیق بھی کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ہدہد سے کہا کہ ٹھیک ہے تم میرا خط پہنچاؤ اور جہاں پر وہ موجود ہیں ان کے پاس یہ خط چھوڑ دو اور پھر واپس آجاؤ اور دیکھو کہ وہ اس خط کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر سبا شہر پہنچ گیا اور خط کو جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دستور دیا تھا تخت کے پاس ڈال دیا جسے بلقیس نے اُٹھالیا اور اس خط کو اپنے وزراء کے لیے پڑھ کر سنایا۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ”کہنے لگی اے دربار والو! میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے۔“

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ”وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے، اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔“

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَ اْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ”میرے سامنے تکبر نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلی آؤ۔“

ملکہ سباء کی گفتگو

ملکہ کے تخت پر خط گرا اور ملکہ ہی نے اسے اُٹھایا۔ اسے پڑھا اور اپنی قوم کے بڑوں کے لیے اس کا مضمون پڑھ کر سنایا۔ اس آیت میں حضرت سلیمان کے خط کے لیے لفظ کریم استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک محترم اور کرامت و عزت والا خط ہے۔ اس کے احترام کی

وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ خط سلیمانؑ کی جانب سے ہے جس کی بہت ہی عظیم اور پر وقار سلطنت ہے۔[1]

اس خط کا آغاز اللہ کے نام سے کیا گیا ہے کیونکہ سارے بت پرست خدا سبحان اور رب الارباب کے قائل تھے لیکن خود کو اس میں کمتر اور چھوٹا سمجھتے کہ وہ خدا رب الارباب کے سامنے سجدہ کریں، لہٰذا چھوٹوں نے اپنے لیے رب بنا رکھے تھے اور ان کے سامنے جھکتے تھے۔

اس کے بعد ملکہ سباء نے اپنی قوم کے بڑوں کے سامنے اس خط کا مضمون پڑھ کر سنایا کہ سلیمانؑ نے لکھا تھا "کہ تم میرے اوپر اپنی بڑائی اور بزرگی ظاہر مت کرو، اطاعت کرتے ہوئے میری جانب چل پڑو۔" حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط مختصر تھا لیکن اس میں صانع (خالق) اور اس کی صفات کا بیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کر دیا گیا تھا اور تکبر سے منع اور اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔

قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ‌ۚ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ ۝۳۲

ترجمہ: "کہنے لگی اے دربار والو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو، میں کوئی بات تمہارے حاضر ہوئے بغیر طے نہیں کرتی۔"

---

[1] ۔ (جس وقت ملکہ سباء کا عرش سلیمان کے محل میں لایا گیا اور اس نے سلیمان کے جاہ وجلال کو دیکھا تو بلقیس نے کہا: " وَاُوۡتِيۡنَا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهَا وَكُنَّا مُسۡلِمِيۡنَ ۝۴۲ " (سورۃ النمل، آیت: ۴۲) "ہم سلیمان کی شوکت اور عظمت بارے پہلے ہی باخبر تھے اور اس کے سامنے تسلیم تھے"۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬ وَّ الْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَا
ذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''کہنے لگے ہم بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں، اور کام تیرے اختیار میں ہے سو دیکھ لے جو حکم دینا ہے۔''

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ
اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''کہنے لگی بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے خراب کر دیتے ہیں اور وہاں کے سرداروں کو بے عزت کرتے ہیں، اور ایسا ہی کریں گے۔''

وَ اِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لے کر آتے ہیں۔''

ملکہ سباء کا اپنی قوم کے بزرگوں سے مشورہ

ترجمہ: ''ملکہ سباء اپنی قوم کے بڑوں کو خط پڑھ کر سنانے کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوئی کہ اب آپ ہی مشورہ دیں کہ کیا اقدام کروں؟ کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ میں کوئی بھی بڑا فیصلہ اپنی رائے سے نہیں کرتی بلکہ آپ لوگوں سے مشاورت کے بعد ہی اقدام کرتی ہوں یعنی میں ایسا کوئی کام نہیں کرتی جو استبدادی اور خود سرانہ ہو۔''

بزرگان قوم کا جواب

جب ملکہ نے اپنی قوم کے بزرگوں کو اہمیت دی اور ان سے رائے مانگی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ بادشاہ سلامت ہمارے پاس ایک مضبوط اور طاقتور فوج موجود ہے، ہم بہت ہی دلاور لوگ ہیں، کسی دشمن سے ہمیں کوئی ڈر و خوف نہیں ہے۔ اگرچہ وہ بادشاہ سلیمان ہی کیوں نہ ہو لیکن اختیار آپ کا ہے، اگر جنگ کا فیصلہ کرتی ہیں تو ہم آپ کے فرمان کے تحت ہوں گے اور جنگ کریں گی اور سلیمان کے آگے تسلیم ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں تو بھی ہمیں قبول ہے۔

ملکہ سباء کا عاقلانہ فیصلہ

ملکہ سباء نے اپنے بڑوں کی بات سن کر ان سے کہا کہ دیکھیں اگر ہم سلیمانؑ سے جنگ کا فیصلہ کرتے ہیں تو ہمیں اس جنگ کے ہر پہلو کا جائزہ لینا ہو گا۔ کیونکہ جنگ کی صورت میں کامیابی کے ساتھ شکست والا پہلو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ ہر آنے والی صورتحال سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیاری کرنا ہو گی کیونکہ جب بادشاہ کسی شہر پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اس شہر کا تہس نہس کر دیتے ہیں، اس شہر کو آگ و خون میں نہلا دیتے ہیں اور بچ جانے والوں کو قیدی بناتے ہیں، کچھ کو قتل کرتے ہیں کچھ کو شہر بدر کرتے ہیں اور ان میں سے جو معزز و محترم ہوتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ یہ جنگوں کا ایک طے شدہ قانون ہے لہٰذا دشمن کی قدرت و شوکت و طاقت کا اندازہ لگائے بغیر جنگ کا اقدام احتیاط اور دور اندیشی کے خلاف ہو گا۔

ملکہ سباء کا سلیمانؑ کے لیے ہدیہ بھیجنا

ملکہ سباء ایک دُور اندیش اور عقلمند خاتون تھی اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے اور ان پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی بجائے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے پاس ہدیہ بھیجا جائے، وہ اس طرح جاننا چاہتی تھی کہ اگر تو سلیمان علیہ السلام دُنیاوی بادشاہ ہے تو میرے ہدیہ و تحائف کو لے کر خوش ہو جائے گا اور اگر دُنیاوی بادشاہ نہیں بلکہ اس کا تعلق مافوق طاقت سے ہے تو پھر وہ ان تحائف کو اہمیت نہیں دے گا لہٰذا اس نے اپنی قوم کے بڑوں سے

کہا کہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تحائف بھیج رہی ہوں اور انتظار کرتی ہوں کہ ہمارے کارندے کیا جواب لاتے ہیں اور ان تحائف کے حوالے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ردعمل کیا آتا ہے۔ بلقیس اپنی طاقت پر مغرور نہ تھی اور نہ ہی جلد باز تھیں اس لیے اس نے بہت ہی عادلانہ اور سمجھ داری کا فیصلہ کیا۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''پھر جب سلیمان کے پاس آیا فرمایا کیا تم میری مال سے مدد کرنا چاہتے ہو، سو جو کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو۔''

سلیمانؑ کا ملکہ کے تحائف پر ردعمل

جب ملکہ سباء کے تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لائے گئے تو انہوں نے استفہام توبیخی کے ساتھ ایک سوال کرتے ہوئے فرمایا جس کا مخاطب تحائف لانے والے بھی تھے اور جس نے تحائف بھیجے تھے وہ بھی تھے۔[1] کہا کہ کیا تم ایسے حقیر و معمولی مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو جس کی میرے نزدیک کچھ حیثیت ہی نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جو ملک، نبوت و ثروت مجھے عطا کی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں عطا کیا ہے۔ مجھے تمہارے مال و تحائف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ساتھ دوسری توبیخ بھی کر دی کہ تمہارا یہ تحائف بھیجنا

---

[1] ۔ بلاغت کی اصطلاح میں اسے صنعت تغلیب کہا جاتا ہے جس میں بولنے والا اپنی گفتگو میں حاضرین کا رُخ کرے لیکن انداز ایسا ہو کہ اس میں حاضر و غائب دونوں مراد ہوں''۔

اس سے بھی زیادہ برا ہے کہ تم اپنے اس ہدیہ کو بہت بڑا سمجھ رہے ہو اور اسے بڑی قدر سے دیکھتے ہو لیکن اس ہدیہ کی میرے نزدیک کچھ حیثیت نہیں ہے کیونکہ یہ سب اعتباری اور بے قیمت مادی اموال ہیں۔

اِرۡجِعۡ اِلَيۡهِمۡ فَلَنَاۡتِيَنَّهُمۡ بِجُنُوۡدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمۡ بِهَا وَ لَنُخۡرِجَنَّهُمۡ مِّنۡهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ”ان کی طرف واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر لے کر پہنچیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے۔“

سلیمانؑ کا بلقیس کے قاصد کو جواب

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سباء کے نمائندے کو واپس بھیج دیا اور ساتھ دھمکی دی کہ تم واپس چلے جاؤ اور ان کو جا کر بتا دو کہ تم نے میرے فرمان کی مخالفت کی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم سب میرے فرمان کے آگے تسلیم ہو جاتے، تم نے میرے پاس تحائف بھیج دیئے ہیں، تحائف لانے والوں کے سربراہ سے کہا کہ جا کر بتا دو کہ ہم ایک بڑا لشکر لے کر تمہارے پاس آرہے ہیں، ایسا لشکر کہ تم نے کبھی بھی اس جیسے لشکر کا سامنا نہ کیا ہوگا اور تم اس لشکر کا مقابلہ نہ کر سکو گے اور وہ لشکر ذلت و خوارگی سے تمہیں تمہارے ملک سے باہر نکال دے گا۔

اس دھمکی پر عمل اس صورت میں ہوتا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے آگے تسلیم نہ ہوں، اگر وہ خود کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سپرد کر دیں اور ان کی بات کو قبول کر لیں تو پھر ان پر حملہ نہ ہوگا۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَيُّكُمۡ يَاۡتِيۡنِىۡ بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ اَنۡ يَّاۡتُوۡنِىۡ مُسۡلِمِيۡنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ”کہا اے دربار والو! تم میں کوئی ہے کہ میرے پاس اس کا تخت لے آئے اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں۔“

سلیمانؑ کی اپنے بڑوں کو خبر

جب ملکہ سباء کے نمائندے واپس گئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام ملکہ سباء کو پہنچایا گیا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے آگے تسلیم ہو جانے اور اپنا سب کچھ ان کے سپرد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو مل جاتی گئی، جس کے بارے سلیمان علیہ السلام نے اپنی حکومت کے بڑوں کو بطور خبر بتایا کہ ملکہ سباء ہمارے پاس آرہی ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے وہ ہمارے پاس خود آئے، کون ہے جو اس کا تخت یہاں پر لے آئے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدف یہ تھا کہ جب وہ اپنا تخت پہلے سے یہاں پر موجود پائے گی تو اس معجزہ کو دیکھ کر اسے اللہ کی قدرت کا یقین ہو گا اور وہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی قائل ہو جائے گی۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ”جنوں میں سے ایک دیو نے کہا میں تمہیں وہ لا دیتا ہوں اس سے پہلے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے، اور میں اس کے لیے طاقتور امانت دار ہوں۔“

شرارتی جن کا اعلان

جنات میں سے ایک بہت ہی شرارتی قسم کا جن تھا جسے عفریت کہا گیا ہے۔ جس کا معنی خبیث اور شریر ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماتحت کام کرتا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں بلقیس کا تخت اٹھا لاؤں گا، میں یہ کام کر سکتا ہوں، اس

کو منتقل کرنا مجھے تھکائے گا نہیں اور پھر میں امانت دار بھی ہوں، آپ سے خیانت نہیں کروں گا، صحیح وسالم اٹھا کر لے آؤں گا۔

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ ۟ۖ لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ ؕ وَمَنۡ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ کَرِیۡمٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دیتا ہوں، پھر جب اسے اپنے روبرو رکھا دیکھا تو کہنے لگا یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ میری آزمائش کرے کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنے ہی نفع کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بھی بے پروا عزت والا ہے۔''

سلیمانؑ کے وزیر کا اعلان

روایات کے مطابق یہ شخص آصف بن برخیا تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا۔[1] اس کے پاس اسم اعظم الٰہی موجود تھا کہ جس وقت اللہ کو اس نام سے پکارا جائے، وہ فوراً سنتا اور

[1]۔ تفسیر عیاشی میں امام ہادی علیہ السلام سے روایت بیان ہوئی ہے کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام اس کام کو انجام دینے سے عاجز نہ تھے جس کو آصف بن برخیا نے کیا بلکہ آپ اپنی رعیت کو یہ بات سمجھنا چاہتے تھے کہ آصف میرے بعد میرا وصی اور حجت خدا ہے۔

حاجت کو پوری کر دیتا ہے۔ یا آسمانی کتاب کے بارے اجمالی علم رکھتا تھا جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کتاب سے کچھ علم اس کے پاس تھا۔ یا لوح محفوظ کے کچھ حصہ کا علم اس کے پاس تھا۔ لیکن جو چیز مسلم ہے وہ یہ ہے کہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کا سلیمان علیہ السلام کے پاس آموجود ہونا یہ کام خود اللہ تعالیٰ کا تھا۔ بات اتنی سی تھی کہ آصف بن برخیا کو اس چیز کا علم تھا اور اللہ سے اس کا ارتباط تھا کہ جب بھی وہ اللہ سے کچھ مانگتا ہے تو اللہ اسے پورا کرتا ہے۔ اس لیے اس کا یہ علم علوم اکتسابی سے نہ تھا بلکہ وھبی علم تھا یعنی جب بھی وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا تھا تو بلافاصلہ اسے دے دیا جاتا تھا، اسی بناء پر اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ ملکہ سباء کے تخت کو ایک نگاہ کرنے کا جو فاصلہ ہوتا ہے (پلک جھپکنا) اس سے بھی کمتر مدت میں لے آؤں گا۔ سلیمان علیہ السلام نے اجازت دی، پھر کیا تھا کہ جب سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ ملکہ سباء کا تخت سامنے موجود ہے تو اس وقت آپؑ نے بے ساختہ یہ جملہ ادا کیا کہ یہ تو اللہ کا فضل وانعام ہے جو اس نے میرے اوپر کیا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ وہ میرا امتحان لے کہ میں اس نعمت کا شکر بجالاتا ہوں یا کفران کرتا ہوں۔ پھر فرمایا جو شکر بجا لاتا ہے تو اس کا فائدہ شکر بجالانے والے کو ہی ہوتا ہے اور جو کفران کرتا ہے تو اس کا نقصان بھی خود اسے ہی ہوتا ہے جس نے کفران نعمت کیا ہوتا ہے۔ میرا رب تو غنی ہے اسے کسی کی احتیاج نہیں وہ کسی کی اطاعت کا محتاج نہیں اور نہ ہی اسے کسی کے شکر بجالانے کی ضرورت ہے۔ جو اطاعت کرتا ہے تو یہ اس کے اپنے فائدے میں ہے، اللہ ہی مہربان بخشنے والا کریم ہے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٤١﴾

ترجمہ: ”کہا اس کے لیے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کیا اسے پتہ لگتا ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جنہیں پتہ نہیں لگتا۔“

ملکہ کے تخت بارے خصوصی حکم

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے کہا کہ بلقیس کی آمد سے پہلے اس کے تخت کو اس انداز سے قرار دو کہ وہ پہچان نہ سکے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ یہ جان لیں کہ بلقیس کتنی عقلمند ہے۔ آپؑ نے اس لیے ملکہ کے آنے سے پہلے اس کے تخت کی ہیئت بدلنے کا حکم صادر فرمایا۔

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ''پھر جب آئی کہا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے، کہنے لگی گویا کہ یہ وہی ہے، اور ہمیں تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہو چکے ہیں۔''

ملکہ سباء سلیمانؑ کے دربار میں

ملکہ سباء اپنے ہمراہیوں کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کے پاس آگئی۔ سلیمان علیہ السلام کے کارندوں نے بلقیس کے تخت کو الٹ پلٹ کر دیا تھا تاکہ وہ اسے پہچان نہ سکے۔ اُنھوں نے پوچھا کیا تمہارا تخت ایسا ہی تھا؟ اس نے سمجھ داری سے کام لیا اور بغیر تحقیق کیے تصدیق سے بھی اجتناب کیا اور کہا ایسا ہی لگتا ہے کہ یہ وہی تخت ہے۔ پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا ہم تو اس معجزہ کو دیکھنے سے پہلے بھی سلیمان کی سلطنت اور قدرت کے بارے باخبر تھے لہٰذا اس اشارہ سے اسے یاد دلانے کی ضرورت نہیں، ہم ان کے آگے تسلیم ہوئے ہیں اور ان کی اطاعت وفرمان کے تحت آگئے ہیں۔

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٤٣﴾

ترجمہ: ''اور اسے ان چیزوں سے روک دیا جنہیں اللہ کے سوا پوجتی تھی، بے شک وہ کافروں میں سے تھی۔''

غیر خدا کی پرستش

ملکہ سباء کے خدا کے سامنے تسلیم ہونے سے جو چیز مانع تھی وہ خود ساختہ معبودوں کی پرستش تھی۔ وہ سورج کی عبادت کرتی تھیں اور یہی چیز اس بات سے مانع تھی کہ ملکہ سباء اللہ کی عبادت کرے۔ وہ عمومی انکار کے تحت غیر خدا کی پرستش کرتے تھے یعنی بلقیس اور ان کی جماعت غیر خدا کی پرستش کی وجہ سے اللہ کی عبادت سے دُور تھے۔ غیر خدا کی پرستش مانع بن رہی تھی کہ وہ خدا پرست بن سکے اور بلقیس بھی اسی جماعت سے تھی۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ۬ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: ''اسے کہا گیا اس محل میں داخل ہو، پھر جب اسے دیکھا خیال کیا کہ وہ گہرا پانی ہے اور اپنی پنڈلیاں کھولیں، کہا یہ تو ایسا محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں، کہنے لگی اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ کی فرمانبردار ہوئی جو سارے جہاں کا رب ہے۔''

ملکہ سباء کا رب العالمین پر ایمان لانا

صرح : محل کے معنی میں ہے، اور محل ایسی بلند اور اونچی عمارت کو کہتے ہیں جس پر چھت نہ ہو اور جہاں سے دوسری عمارتوں کو بآسانی دیکھا جاسکتا ہو۔

"لجۃ" بہت زیادہ سفید و شفاف پانی۔

"ممرد" صاف شدہ، خالص۔

"قواریر" شیشہ، بلورین۔

تمام بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ جب کوئی بادشاہ باہر سے آتا ہے تو اس دربار کے کارندے راہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ سلامت آپ اندر داخل ہو جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کارندوں نے اس طریقہ کار کے تحت ملکہ سباء سے کہا کہ آپ اس صحن میں داخل ہو جائیں۔ سامنے سلیمان علیہ السلام تخت پر موجود تھے۔ جیسے ہی ملکہ سباء نے صحن میں داخل ہونے کے لیے اندر قدم رکھا تو انہیں ایسا معلوم ہوا کہ سامنے صاف و شفاف پانی بھرا ہوا ہے اس لیے اس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑے کو اوپر اٹھا لیا تاکہ اس کے کپڑے گیلے نہ ہوں۔ جب بلقیس نے ایسا کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے آواز دی کہ تشریف لائیے، کپڑا نیچے کیجئے یہ پانی نہیں ہے بلکہ صاف و شفاف شیشے کا فرش ہے جو پانی لگ رہا ہے۔ ملکہ سباء نے جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی عظمت اور شان کا مشاہدہ کیا اور نبوت کے معجزات اور آیات کو بھی دیکھ لیا اور اس کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے مادی تحائف کو قبول نہیں کیا تھا تو اس کو یقین ہو گیا کہ یہ سب انسانی عقل و شعور کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی جانب سے ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ میں نے آج تک اپنے اوپر ظلم کیا ہے کہ میں نے شروع ہی سے معجزات کو دیکھنے کے باوجود اللہ کی پرستش کیوں نہ کی۔ اس کے بعد اس نے اسلام لانے کی گواہی دی، ایسی توحید جو

شرک سے پاک ہو۔ اور اس بات کا اعلان کیا کہ میں سلیمان کے ہمراہ رب العالمین کے حکم کے سامنے تسلیم ہوں۔ اس نے توحید ربوبی اور توحید عبادی کا اعتراف کیا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو، پھر وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔“

قوم ثمود کے پاس صالحؑ کی آمد

ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے بھائی جو ان کے ہم نسب تھے، صالح علیہ السلام کو بھیجا تاکہ وہ قوم ثمود کو اللہ کا پیغام پہنچا دیں اور ان کو بتائیں کہ اللہ پر ایمان لے آؤ اور اس کی عبادت کرو۔ انتظار کے برعکس وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، ایک مومن اور دوسرا کافر۔ یہ دو گروہ حق کے بارے جھگڑے میں پڑ گئے اور ہر گروہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ”کہا اے میری قوم بھلائی سے پہلے برائی کو کیوں جلدی مانگتے ہو، اللہ سے گناہ کیوں نہیں بخشواتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

قوم ثمود کی نافرمانی

جب قوم ثمود نے ناقہ صالح کو قتل کر دیا، صالح علیہ السلام کا مذاق اڑایا اور عذاب مانگنے میں جلدی کی تو صالح علیہ السلام نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ سے رحمت کی درخواست کرنے اور

ایمان لانے اور استغفار کرنے کی بجائے تم مجھ سے عذاب مانگ رہے ہو؟ پھر انہیں ایمان لانے اور توبہ کرنے کی تشویق کرتے ہوئے کہا کہ تم استغفار کیوں نہیں کرتے ہو؟ ہو سکتا ہے کہ رحمت کے سایہ میں آجاؤ اور تم سے عذاب اٹھالیا جائے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بہت کوشش کی کہ قوم ثمود عذاب الٰہی سے بچ جائے لیکن انہوں نے حضرت صالح کی بات نہ مانی اور آخر کار سخت عذاب ان پر آگیا۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝۴۷

ترجمہ: ''کہنے لگے ہمیں تو تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے نحوست معلوم ہوئی، کہا تمہاری نحوست اللہ کی طرف سے ہے، بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈالے گئے ہو۔''

قوم صالحؑ کا معاندانہ رویہ

صالح علیہ السلام نے قوم ثمود میں تبلیغ کی انہیں بہت سمجھایا، انہیں یہاں تک کہا کہ تم عذاب مانگنے کی بجائے توبہ واستغفار کرو شاید اللہ آپ پر رحمت کردے۔ قوم ثمود اس قدر منحرف ہو چکے تھے لہٰذا حضرت صالح علیہ السلام کی اس ہمدردی پر بھی انہوں نے بڑی ڈھٹائی سے کہا ہم تو آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو بدشگون سمجھتے ہیں اور ساری بدبختی آپ لوگوں کی وجہ سے ہے، تمہاری وجہ سے ہم مصائب اور مشکلات میں گرفتار ہوئے ہیں۔ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ صالح علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا تمہارا یہ بدفعل، بدشگونی اور نامہ اعمال اللہ کے پاس موجود ہے یعنی تمہارے اعمال اور تمہاری برائیاں اور تمہارے اعمال ہی ہیں جو تمہارے اوپر عذاب کا سبب ہیں۔ اللہ تعالیٰ شر اور خیر سے آزماتا ہے۔ مومن اور کافر کے

درمیان فرق کرنے کے لیے ایسا کیا ہے تاکہ اطاعت گذار اور معصیت کار الگ ہو جائیں۔

وَ كَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''اور اس شہر میں نو آدمی ایسے تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔''

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ''کہنے لگے آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خوں ماریں پھر اس کے وارث سے کہہ دیں کہ ہم تو اس کے کنبہ کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے اور بے شک ہم سچے ہیں۔''

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''اور انہوں نے ایک داؤ کیا اور ہم نے بھی ایسا داؤ کیا کہ انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔''

فسادیوں کے بارے بیان

رھط: دس سے کم تعداد کے رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ نو آدمی تھے جو ایسے کام انجام نہ دیتے تھے جن کی خاطر وہ خلق ہوئے تھے اور ایسی جہت کو اپناتے تھے جو اس کے مخالف تھی جس کے لیے انہیں خلق کیا گیا تھا۔ وہ اس طرح معاشرہ میں فساد پھیلاتے تھے۔ خلقت کے

مقصد سے منحرف تھے، قانون فطرت کی مخالفت کرتے تھے۔
"تقاسم" کسی کام کے سلسلہ میں باہمی قسم اٹھانے میں شریک ہونے کو کہتے ہیں۔
"تبییت" رات کے وقت کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنے کے معنی میں ہے۔ ان فسادیوں نے آپس میں قسم اٹھائی کہ ہم رات کے وقت اس کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے اور اگر ان کی خونخواہی کے لیے کوئی اٹھے اور ہمارا پیچھا کرے گا تو ہم کہہ دیں گے کہ ہم ان کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور ہم سچے ہیں کیونکہ ہماری یہ قسم ان کے گھر والوں کی ہلاکت سے متعلق ہے۔ ہم کہہ دیں گے کہ ہم تو ان کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے۔

صالحؑ اور ان کے گھر والوں کے قتل کا منصوبہ

صالح علیہ السلام کی قوم کے فسادیوں نے سازش کا منصوبہ اس طرح تیار کیا کہ وہ صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو رات کی تاریکی میں قتل کر دیں گے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ اس میں کامیاب ہوں گے۔ اس کام پر انہوں نے آپس میں قسمیں اٹھالیں اور قتل کرنے کے بعد اس قتل کے خون بہا سے بچنے کی بھی منصوبہ بندی کر لی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن اللہ کی اپنی تدبیر ہے اور اس نے ان کے متعلق جو کچھ فیصلہ کر رکھا تھا وہی ہوا اور فسادی بری طرح ناکام ہو گئے اور اپنی ہلاکت کو پہنچ گئے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: "پھر دیکھو ان کے داؤ کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے انہیں اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔"

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: ''سو یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کے سبب سے ویران پڑے ہیں، بے شک اس میں دانشمندوں کے لیے عبرت ہے۔''

وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ایمان اور تقوی والوں کو نجات دی۔''

قوم ثمود کی ہلاکت

اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کی سازش کو ناکام کیا اور انہیں ان کی ستم گری کی سزا دی۔ قوم ثمود کے فسادی اور دیگر افراد سب ہلاک ہو گئے۔ وہ جن گھروں میں آباد تھے اب وہ گھر خالی پڑے ہیں۔ اس واقعہ میں صاحبان علم کے لیے عبرت اور درس ہے۔ یہ بات جان لیں اللہ کا سب پر احاطہ ہے، اللہ کی قدرت سے کوئی باہر نہیں اور سب پر اللہ کا اختیار ہے۔ صاحبان ایمان اور اہل تقویٰ کے لیے نجات ہے۔ تقویٰ سپر اور ڈھال ہے جو ایمان کی حفاظت کرتا ہے اور ایمان کو نقصان نہیں پہنچنے دیتا۔ لہٰذا اللہ مومن کو اس کے تقویٰ کی بنیاد پر نجات دیتا ہے اور دشمنوں کے شر سے بچاتا ہے جس طرح حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو شر پسندوں کے شر سے نجات دی اور تمام فسادیوں کو ہلاک کر دیا۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾

ترجمہ: ''اور لوط کو، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کرتے ہو حالانکہ تم سمجھ دار ہو۔''

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر خواہش کرکے آتے ہو، بلکہ تم لوگ جاہل ہو۔''

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ''پھر اس کی قوم کا اور کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ یہ کہا لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پاک بنتے ہیں۔''

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے بچا لیا، ہم اس کو پیچھے رہنے والوں میں ٹھہرا چکے تھے۔''

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ان پر مینہ برسایا، پھر ڈرائے ہوؤں کا مینہ برا تھا۔''

قوم لوط کا انجام

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم میں تبلیغ کی۔ ان کی قوم والے لواطت کی گندی اور انتہائی بری عادت میں گرفتار تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم انتہائی برا عمل انجام دے رہے ہو۔ اس جگہ فاحشہ سے مراد لواطت ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے

ان کی قوم کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ وہ انہیں اس انتہائی گندی اور بری عادت سے منع کریں، انہیں اس برائی کے خطرناک نتائج سے آگاہ کریں۔ قوم لوط اس برائی کو کھلے عام انجام دیتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنی جنسی خواہش کو عورتوں کے پاس جا کر پورا نہیں کرتے بلکہ شہوت رانی کے لیے مردوں کے پاس جاتے ہو؟ یہ کتنا ہی برا عمل ہے جو تم انجام دے رہے ہو اور اس سے بڑھ کر جہالت اور کم عقلی اور کیا ہو گی؟ حضرت لوط علیہ السلام کی تمام تر تنبیہ، توجہ دلانا، ڈرانا، انہیں سمجھانے کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوا اور اس نافرمان اور وحشی قوم نے آپؑ کی خیر خواہانہ باتوں کا بالکل اثر نہ لیا۔ جاہل ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے فائدے کی بات نہیں سنتا۔

قوم لوط کا اعلان

لوط علیہ السلام کی قوم نے ان کی تبلیغات کے جواب میں لوط اور اس کے خاندان اور ماننے والوں کو اپنی بستی سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ قوم لوط نے حضرت لوط اور آپ کے ماننے والوں سے کہا تم لوگ بڑے پاک و صاف بنتے ہیں، ہمیں خوش گذارنی اور لذت بخش عمل سے روکتے ہو۔ قوم لوط اس عمل کو برا نہیں سمجھتے تھے، تمام فاسد اقوام کا رویہ ایسا ہی رہا کہ وہ خود کو حق پر قرار دیتے ہیں اور اپنے فاسد اعمال کو اچھا بنا کر پیش کرتے ہیں اور انبیاء کی دعوت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

قوم لوط پر عذاب

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط پر آگ کی بارش برسانے کا اعلان فرما دیا۔ حضرت لوط اور ان کے گھر والوں اور ماننے والوں کو اس عذاب سے نجات دی۔ فقط لوط کی ایک بیوی اس عذاب میں ہلاک ہوئیں جو حضرت لوطؑ کی نافرمان تھیں اور ان فسادیوں اور انتہائی فحش عمل کرنے والوں کی حمایت کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر زہریلے پتھروں کی بارش برسا دی جس سے وہ سب

ہلاک ہو گئے۔ ان پر اُتارا جانے والا عذاب بہت ہی برا عذاب تھا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ''کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے، اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔''

انبیاء کے واقعات کا نتیجہ

حضور پاک ﷺ کے لیے مختلف انبیاء کے واقعات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کس طرح ہر نبی نے اپنی قوم میں تبلیغ کی، انہیں نیکی کی دعوت دی، انہیں توحید پرستی کی تلقین کی، برائیوں سے روکا، انہیں خطرات سے آگاہ کیا، اللہ کے عذاب سے ڈرایا لیکن ان کی اقوام نے اپنے دور کے انبیاء کی تبلیغ کا اثر نہ لیا تو اے میرے پیارے محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کی حمد بجالاؤ کہ وہ ہی مرجع خلائق ہے اور حمد اسی کے لیے ہے۔ وہ ہر جمیل کام کو اپنی حکمت کے تحت انجام دیتا ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو، کیونکہ ان کے ہاں سوائے ہدایت الٰہی کے اور جمیل آثار کے کچھ بھی نہ تھا، یعنی اے میرے مصطفیٰ ﷺ اپنے آپ کو اس ہدایت کو وصول کرنے کے لیے آمادہ رکھو جو میرے برگزیدہ بندوں کے پاس تھی۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ'' (سورۃ الانعام، آیت: ۹۰)

''وہ ایسے تھے جو اللہ کی ہدایت پر تھے لہٰذا آپؐ ان کی ہدایت کی اقتداء کرو''۔ اس کے بعد استفہام انکاری کے تحت فرمایا کیا اللہ بہتر اور خیر ہے یا وہ جسے وہ اللہ کا شریک بناتے ہیں؟ یعنی جب ثناء اور ستائش سب اللہ سے خاص ہے۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے نیک بندوں کو چن لیا

ہے لہٰذا اللہ ہی ان معبودوں سے خیر و بہتر ہے جن کی مشرکین پرستش کرتے ہیں کیونکہ بت نہ تو مدبر ہیں نہ ہی اس قابل ہیں کہ ان کی ستائش و تعریف کی جائے۔ وہ تو کسی کو کچھ بھی خیر نہیں دے سکتے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ﴿۶۰﴾

ترجمہ: ''بھلا کس نے آسمان اور زمین بنائے اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس سے رونق والے باغ اگائے، تمہارا کام نہ تھا کہ ان کے درخت اگاتے، کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے، بلکہ یہ لوگ کج روی کر رہے ہیں۔''

آسمانوں اور زمین کا خالق

آسمانوں اور زمین کو اللہ نے خلق کیا ہے، بارش برسائی ہے، اس پانی سے زمین میں آبادی ہوئی ہے، نباتات، گھاس، باغات وغلات اُگائے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے اختیار سے ہو رہا ہے یا وہ معبود جو مشرکین نے بنا رکھے ہیں انہوں نے یہ کام انجام دیے ہیں اور ان چیزوں کو بنایا ہے؟ پھر اللہ کے ساتھ کسی اور کو کیوں معبود قرار دیتے ہو؟ یہ مشرکین ایسے ہیں جو حق سے باطل کی طرف چلے گئے ہیں اور اللہ سبحانہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی طرف چلے گئے۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ﴿۶۱﴾

ترجمہ: ''بھلا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ کس نے بنایا اور اس میں ندیاں جاری کیں اور زمین کے لنگر بنائے اور دو دریاؤں میں پردہ رکھا، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے، بلکہ اکثر ان میں بے سمجھ ہیں۔''

اللہ کی وحدانیت کے ثبوت

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو غفلت سے جگانے کے لیے کئی مثالیں دے کر ان کو سمجھایا ہے۔ ایک تو یہ کہ جس معبود کی تم عبادت کرتے ہو اسے تم نے خود بنایا ہے، یہ بت جن کے سامنے تم جھکتے ہو اور ان کو اپنا معبود اور الٰہ کہتے ہوان کو تم نے خود پتھروں اور لکڑیوں سے تراش کے بنایا ہے جو تمہیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے کچھ خلق کیا ہے، نہ خود کو بنایا ہے اور نہ ہی وہ کسی کو بنا سکتے ہیں۔ اب ذرا سوچو! ایک وہ ہیں جو تم نے خود سے بنا رکھے ہیں کیا وہ بہتر ہیں؟ یا وہ اللہ بہتر ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے۔ آسمان سے پانی اُتارا ہے اس سے لہلہاتے کھیت، درخت، باغات، گھاس، اناج سب کچھ اُگایا ہے۔ کیا دوسرے معبود اور الٰہ جنہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا ایسے اللہ کے برابر ہو سکتے ہیں؟

پھر فرمایا یہ مشرکین حق کو چھوڑ کر باطل کی جانب چلے گئے ہیں۔ اللہ سے عدول کرکے غیر اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ ذرا غور کرو ایک وہ ہیں جنہوں نے کچھ بھی نہیں کیا اور ایک وہ اللہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے آرام اور سکون کی جگہ قرار دیا ہے۔ زمین حرکت کے باوجود آرام فراہم کرتی ہے اور زمین پر اس نے پہاڑوں کی میخیں گاڑھ دی ہیں۔ یہ پہاڑ زمین پر ثابت اور قائم ہیں۔ پھر زمین پر ندی نالے بنا دیے ہیں۔ پہاڑ زمین کو لرزنے نہیں دیتے، اسی طرح زمین کو آرام و سکون کی جگہ بنا دی ہے۔ دو سمندر ہیں، ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا، ایک کا پانی کڑوا و کھارا ہے جبکہ دوسرے کا پانی میٹھا ہے۔ بتاؤ یہ اللہ بہتر ہے جس نے یہ سب

کچھ تمہارے لیے بنایا ہے یا وہ جن کو خود تم نے بنایا ہے؟ جنہوں نے تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کیا اور کر بھی نہیں کر سکتے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ”بھلا کون ہے جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے اور برائی کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں نائب بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے، تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔“

مضطر و پریشان کی دعا کو سننے والا

اللہ ہی ہے جو دعا کرنے والوں کی دعا کو سنتا ہے اور ان کی پکار کا جواب دیتا ہے، ان کی حاجات کو پورا کرتا ہے۔ دعا کرنے والے کے لیے اضطرار اور مشکل میں پھنسنے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ جب تک انسان پریشان نہ ہو کسی مشکل میں نہ پھنس جائے، اسے کوئی ضرورت پیش نہ آئے، جب تک ایسی صورتحال اس کے لیے نہ ہو جو ظاہری اسباب سے حل نہیں ہو سکے تو وہ اللہ کے حضور اپنی حاجت کو پیش نہیں کرتا۔ دعا پریشانی کے عالم میں ہی ہوتی ہے، یعنی جس وقت دعا مانگنے والا حقیقت میں اللہ کو بلا رہا ہو اور اس کے سامنے سچ مچ دل کی گہرائی سے اپنا مسئلہ پیش کر دے تو اس وقت اللہ اس کی آواز کو سنتا ہے اور اس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ سچی دعا خدا کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ اس صورت میں اللہ اس کی مشکل کو حل کر دیتا ہے۔ اصابت قبولیت مطلق ہے، اللہ چاہے تو حاجت پوری کرے، نہ چاہے تو نہ کرے۔ یہ اختیار اللہ کے پاس ہے لیکن اللہ ان مشرکین کو سمجھا رہا ہے کہ کون ہے جو پریشانیاں دُور کرتا ہے۔ جو

پریشان حال کی دعا سنتا ہے وہ تو اللہ ہے، تم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو کیسے الٰہ بناتے ہو؟ پھر فرمایا کہ اللہ نے ہی تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ زمین پر انسان کو حق تصرف دیا اور زمین پر رہنے والی دوسری مخلوقات کو انسان کے اختیار میں دیا ہے۔ وہ اس سے جیسے چاہے استفادہ کرے۔ یہ بھی پریشان کی پریشانی اور اس کی مشکل کو ٹالنے کے مصادیق میں سے ہے کیونکہ بدحالی کو دور کرنا، پریشانی کے خاتمہ کے بغیر خلافت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ جب زمین پر ٹھکانہ دیا جاتا ہے تو پھر زمین پر پیش آنے والی مشکلات کو حل بھی کر دیا ہے۔ لہٰذا کیا ایسے مہربان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو الٰہ و معبود بنانا صحیح ہے؟

آخر میں نافرمانوں کو ڈانٹا گیا ہے، تنبیہ کی گئی ہے کہ تم اس سب کو یاد کیوں نہیں کرتے؟ اور اس امر کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتے اگر یہ لوگ ان سب مہربانیوں کو یاد کر لیتے اور حقائق کو سمجھ لیتے تو پھر اللہ کے سوا کسی اور کو الٰہ (معبود) نہ بناتے۔

اَمَّنۡ یَّهۡدِیۡكُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ وَ مَنۡ یُّرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ''بھلا کون ہے جو تمہیں جنگل اور دریا کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے اور اپنی رحمت سے پہلے کون خوشخبری کی ہوائیں چلاتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے، اللہ ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔''

اللہ کی وحدانیت کے ثبوت

اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خشکی میں تاریکیوں سے نکالنے کے لیے تمہاری راہنمائی کرتا ہے، سمندروں کی تاریکی میں بھی راہنمائی فراہم کرتا ہے''۔ اللہ ہی ہے جو بارش سے پہلے ہوائیں بشارت دینے کے لیے بھیجتا ہے تو پھر ان خیالی معبودوں کی

کیا حیثیت ہے جنہیں مشرکین نے اپنا معبود بنالیا ہے، ان میں کیا خوبی ہے؟ اللہ کی ذات پاک ومنزہ ہے ان سے جو وہ خیال کرتے ہیں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ ہی پورے عالم کا مدبر ومدبر ہے۔ کائنات کے تمام امور اسی کے فرمان کے تحت جاری و ساری ہیں، کسی اور کا اس میں دخل نہیں ہے۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ”بھلا کون ہے جو از سرِ نو خلقت کو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور کون ہے وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے، کہہ دے اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔“

اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں

عالَم وجود میں عدم کی جگہ نہیں ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے سب سے پہلے وجود کو حقیقت دی، ہستی وجود کو ایجاد کرنے والا، عدم سے وجود میں لانے والا اللہ ہے پھر وہی انہیں واپس (عدم) کی جانب لے جائے گا۔ اللہ ہی ہے جو تمام موجودات کے امور کو آغاز خلقت سے خلقت کی واپسی تک انجام دیتا ہے اور سب کے لیے روزی کا انتظام بھی فرماتا ہے۔ لہٰذا کیا ایسے اللہ کے ہوتے ہوئے کسی اور کو اپنے لیے الٰہ قرار دینا صحیح ہے؟ ہر گز نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے علاوہ جسے بھی الٰہ بناؤ وہ باطل ہے۔ پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ان مشرکین سے کہو کہ تم اپنے اس شرک پر دلیل لاؤ۔ مشرکین کے پاس اپنے ان خیالی معبودوں کے بارے کوئی دلیل و برہان نہیں ہے کیونکہ پورے عالَم کی خلقت اور اس کی تدبیر ایسا امر ہے جو ایک ہے۔ اللہ کی ذات سے قائم ہے ان تمام موجودات کا اللہ یکتا رب ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں، کوئی الٰہ

نہیں۔ سب موجودات کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: ''کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا، اور انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

اللہ کی الوہیت پر ایک اور برہان

اس عبارت میں مشرکین کے معبودوں کے خلاف ایک اور دلیل پیش کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا غیب کا علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ فقط اللہ ہی غیب سے آگاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ مرنے کے بعد انہیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا۔ ایک معبود کو تو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ظاہر و باطن، آشکار و پنہاں سب سے واقف ہو تاکہ اپنے بندوں کے لیے جزاو سزا کی تدبیر کر سکے، اسے پتہ ہو کہ اس کے بندوں کو کب اٹھایا جانا ہے، جن کے پاس یہ صلاحیت نہیں وہ تو اپنے بارے آگاہ نہیں، دوسروں کے بارے کیا آگاہ ہوں گے، انہیں تو یہ خبر نہیں کہ مرنے کے بعد انہیں کب اٹھایا جائے گا۔ تو ایسا کیسے معبود ہو سکتا ہے؟ معبود فقط وہی ہے جو عالم الغیب ہے جو بعث اور دوبارہ اٹھائے جانے کے دن سے آگاہ ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ع ﴿۶۶﴾

ترجمہ: ''بلکہ آخرت کے معاملے میں تو ان کی سمجھ گئی گزری ہے، بلکہ وہ اس سے

شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہی ہیں۔"

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: "اور کافر کہتے ہیں کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو گئے کیا ہم زمین سے نکالے جائیں گے۔"

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: " اس کا تو ہم سے اور ہمارے پہلے باپ دادا سے وعدہ ہوتا آیا ہے، یہ تو صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں۔"

منکرین معاد کے دلائل

مشرکین معاد، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے انکاری تھے، اس لیے انہوں نے ساری گفتگو سننے کے بعد معاد کی نفی پر دو دلیلیں پیش کر دیں:

ا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب ہم اور ہمارے آباء واجداد مر جائیں اور مٹی میں دفن ہو جائیں اور خاک ہو ئیں، بھلا ہم خاک سے دوبارہ کس طرح تام الخلقۃ پورے جسم و جان کے ساتھ زندہ ہو جائیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی ایک دفعہ خاک ہونے کے بعد یہ خاک کے ذرات انسان کیسے بن سکتے ہیں؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی ہمیں یہی کچھ بتایا گیا ہے اور ہمارے آباء واجداد سے بھی یہی کیا گیا تھا کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے لیکن ایسا ہوا نہیں! سب افسانے ہیں یہ ماضی کی خرافات ہیں، اگر یہ سچ ہوتا تو آج تک ایسا ہو چکا ہوتا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو یہ سب جھوٹ ہے۔

قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝۶۹

ترجمہ: ''کہہ دے تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ گناہگاروں کا کیا انجام ہوا۔''

مشرکین کو جواب

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ ان سے کہو کہ اس جگہ بیٹھ کر باتیں نہ کرو، پوری زمین کی سیر کرو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ماضی کے جرائم پیشہ افراد اور منکروں کا کیا حشر ہوا۔ کیونکہ ان کا انجام سب کے لیے عبرت ہے۔[1]

وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُنۡ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ۝۷۰

ترجمہ: ''اور ان پر غم نہ کر اور ان کے فریب کرنے سے تنگ دل نہ ہو۔''

پیغمبر اکرمؐ کو تسلی

یہ آیت مشرکوں کے رویہ پر پیغمبر اکرمؐ کے افسوس اور ان کی سازشوں پر آپؐ کے دلی دکھ کے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپؐ مشرکوں کے بارے بالکل غم نہ کھائیں اور نہ ہی ان کے حوالے سے پریشان ہوں۔ ان کی سازشوں کا توڑ ہم نے کرنا ہے، ان کی سازشوں سے آپؐ کے دل میں گھبراہٹ نہیں آنا چاہیے کیونکہ وہ جو بھی سازش کریں گے وہ اللہ کے علم میں

---

[1]۔ ممکن ہے یہ آیت معاد کو ثابت کرنے کی دلیل ہو کیونکہ جس طرح گزشتہ زمانے کی جو قومیں معاد کی منکر تھیں وہ سب ہلاک ہو گئیں اور ان کا نام و نشان تک نہ رہا اور یہ ان کے عمل کی سزا تھی جو انہیں ملی اسی طرح ہر شخص اپنے عمل کی سزا پائے گا۔ اگر سارے۔ برے اعمال کی سزا اس دُنیا میں نہیں دی جاتی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور جہان ہے جس میں تمام برے اعمال کی سزا دی جائے گی اور نیک اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ ماضی کی اقوام کے حالات کا مطالعہ سبب بنے گا کہ صاحبان عقل، معاد کے بارے اپنی رائے تبدیل کر لیں۔

ہے، اللہ کی مشیت کے دائرہ میں آتی ہے، وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی اللہ کے فیصلوں کے سامنے کوئی رکاوٹ کھڑی کر سکتے ہیں۔ بہت جلد یہ لوگ اپنے ان برے اعمال کی سزا پائیں گے اور قیامت کے دن اپنے کیے پر نادم و پشیمان ہوں گے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: ”اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔“

قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ”کہہ دے شاید بعض وہ چیزیں جن کی تم جلدی کرتے ہو تمہاری پیٹھ کے پیچھے آ لگی ہوں۔“

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ”اور بے شک تیرا رب تو لوگوں پر فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔“

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ”اور بے شک تیرا رب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔“

وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: ”اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ بات نہیں جو روشن کتاب میں نہ ہو۔“

مشرکین کا اعتراض

مشرکین کہتے تھے دُنیا و آخرت کے بارے دیئے گئے وعدے کب پورے ہوں گے؟ ان باتوں سے وہ مومنین کا استہزاء کرتے اور کہتے تھے کہ تم عاجز ہو، ایسا کچھ نہیں ہے، جس عذاب کی بات کرتے ہو اس عذاب نے کب آنا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ جو عذاب کے وقوع بارے سوال کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ عذاب کے بارے جو وعدے دیئے گئے ہیں ان میں سے بعض وعدوں کو دنیا ہی میں دیکھ لیں گے۔ اور ان کو اُخروی عذاب تو آخرت ہی میں دیں گے۔

عذاب کی تاخیر کا سبب

تہدید و انذار کے سیاق میں اللہ نے فرمایا اگر اللہ نے ان کے عذاب میں تاخیر کی ہے جبکہ وہ عذاب کے مستحق ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ فضل و کرم والا، مہربان ہے، وہ اپنے کرم کے تقاضا کے تحت اقدام کرتا ہے، ان مجرموں کو چاہیے کہ وہ اللہ کے اس فضل و کرم پر شکر بجا لائیں لیکن انسانوں کی اکثریت شکرگذار نہیں ہے۔ عذاب کی تاخیر کا سبب یہ نہیں کہ اللہ کو ان کے جرائم کا علم نہیں۔ اور نہ ہی اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ انہیں جلد عذاب دینے پر قادر نہیں۔ اللہ ان کے حالات سے آگاہ ہے، ان کا کفر اللہ کے علم میں ہے، اللہ ان کے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے اگر اللہ نے عذاب میں تاخیر کی ہے تو یہ حکمت و مصلحت کے تحت ہے۔

آخری آیت پہلی آیت کی تاکید میں ہے اور اس میں علم الٰہی کا مطلق احاطہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس جگہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے، جسے کتاب مکنون بھی کہا گیا ہے۔ جو کچھ ہونا ہے یا جو کچھ ہو چکا ہے جو آشکار ہے اور جو پنہاں ہے سب اس میں درج ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: ''بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔''

وَ اِنَّهٗ لَهُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: ''اور بے شک وہ ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: ''بے شک تیرا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا، اور وہ غالب علم والا ہے۔''

قرآن میں حقائق کا بیان

ان آیات میں قرآن مجید نے انبیاء کے بارے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی داستان میں جو حقائق تھے انہیں واضح بیان کیا ہے جس کے بارے بنی اسرائیل میں اختلاف تھا۔ جن معارف و احکام کے متعلق بنی اسرائیل میں اختلاف تھا اسے بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم بنی اسرائیل سے متعلق ان داستانوں اور حکایات کے ذریعے مومنوں کو حق کی ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اور ان داستانوں سے ان کے دلوں کو تسکین ملتی ہے۔ اس طرح ان داستانوں سے ان کا ایمان دلوں میں استوار اور محکم ہوتا ہے۔ آخر میں بیان کیا ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے، جو کہ عزیز اور غالب ہے وہ مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اللہ علیم بھی ہے اس کے حکم میں جہل اور خطاء نہیں ہے،

اللہ کے اس حکم سے رسول اللہ ﷺ کو راضی ہونا چاہیے، اس غالب و علیم خدا کے حکم پر راضی ہونا چاہیے اور امر کو اس کے حوالے کر دینا چاہیے، آپؐ ان مشرکوں کے کفر اور شرک سے اندوھناک اور غمزدہ نہ ہوں۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝۷۹

ترجمہ: ''سو اللہ پر بھروسہ کر، بے شک تو صریح حق پر ہے۔''

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۸۰

ترجمہ: ''البتہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر لوٹیں۔''

وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۸۱

ترجمہ: ''اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی دور کرکے ہدایت دے سکتا ہے، تو ان ہی کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں سو وہی مان بھی لیتے ہیں۔''

رسول اللہؐ کے سابقہ بیانات کا نتیجہ

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ بیانات کی روشنی میں چند باتیں بیان کی ہیں:

۱۔ اللہ پر توکل کرو اور سب کچھ اسی پر چھوڑ دو۔

۲۔ آپؐ واضح و آشکار حق پر ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔

۳۔ مُردوں کو آپؐ کچھ نہیں سنا سکتے۔

۴۔ بہروں کو بھی نہیں سنا سکتے۔

جب ان سے کچھ بولو گے تو وہ آپؑ سے دُور بھاگیں گے، یہ جو آپؑ کے سامنے موجود ہیں یہ چلتی پھرتی لاشیں ہیں، ان کی نشانی مردوں جیسی ہے، ان کے کان تو ہیں لیکن سنتے نہیں ہیں، وہ بہروں کی مانند ہیں۔ لوگوں کا کفر اور ان کی ہدایت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

آپؑ کا کام ان تک ہمارا پیغام پہنچانا ہے۔ انہیں حق بتادو لیکن جو دل کے اندھے ہیں وہ حقیقت کو نہیں سن سکتے۔ جو بہرے، اندھے اور گونگے ہیں جو گمراہ ہیں وہ تو اپنی بات نہیں پہچان سکتے وہ تیری بات کو نہ سنتے ہیں اور نہ ہی سن کر اس کا اثر لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دل کی آنکھوں کو بند کر رکھا ہے۔ ہماری آیات واضح ہیں، انہیں ایمان لانے والوں تک پہنچاؤ کیونکہ مومنین ان دلائل پر ایمان لاچکے ہیں اور حق کے سامنے تسلیم ہیں اور آپؑ کی دعوت کی تصدیق کرتے ہیں آپؑ کی دعوت کا فائدہ یہی اٹھا سکتے ہیں۔

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: ''اور جب ان پر وعدہ پورا ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔''

قیامت کے دن کا منظر

جب یہ لوگ ہماری آفاقی اور انفسی (جو نشانیاں ان کے اپنے وجود و جسم و جان سے متعلق ہیں) آیات کو قبول نہیں کریں گے اور ان کے اندر ایمان لانے کی صلاحیت ہی معدوم ہو جائے گی، ان میں تعقل اور سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کی گنجائش نہ بچے گی تو اس وقت ہم اپنی اس نشانی کو انہیں دکھلائیں گے جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ وہ غیر معمولی نشانی ہو گی،

ہماری یہ نشانی اس انداز سے ہماری ان آیات کو بیان کر دے گی کہ ان کے لیے اعتراف کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا۔ ہم اس وقت زمین سے اس بڑی آیت کو نکالیں گے (یہ ایسی نشانی ہے جو زمین پر راہ چلتی ہے) وہ زمین سے نکل کر ان منکروں کے ساتھ بات کرے گی اور اس وقت یہ لوگ اضطراری حالت میں ہماری آیات پر ایمان لائیں گے۔ ہماری آسمانی، زمینی اور تمام آیات کو تسلیم کرلیں گے۔[1]

وَ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: ''اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی جماعت بندی ہوگی۔''

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِیْ وَ لَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: ''یہاں تک کہ جب سب حاضر ہوں گے کہے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم انہیں سمجھے بھی نہ تھے، یا تم کیا کرتے رہے ہو۔''

[1] ۔ دابۃ الارض سے مراد کیا ہے اور وہ کونسی ذات ہے جسے اللہ زمین سے نکالے گا اور وہ منکرین سے بات کرے گی۔ اس بارے بہت ساری روایات میں آیا ہے کہ اس سے حضرت علی علیہ السلام یا حضرت امام مہدی علیہ السلام مراد ہیں۔ البتہ یہ معنی اس آیت کی تاویل و باطن کی تفسیر ہے) ظاہر یہ ہے کہ کوئی انسان ہوگا جو اللہ کے حکم سے زمین سے باہر آئے گا اور منکرین معاد اور جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تھا ان سب سے بات کرے گا۔ (واللہ اعلم کہ وہ کون ہوگا لیکن ایسا ضرور ہوگا)۔

اللہ کی آیات کو جھٹلانے والے

اس دن کو یاد کرو جس دن ہر قوم سے اس جماعت کو علیحدہ کرکے میدان محشر میں لایا جائے گا جو ہماری ان آیات کا انکار کرتے تھے، جو مبدء و معاد یعنی خلقت کے آغاز اور انجام، اسی طرح انبیاء، ائمہ اور آسمانی کتابوں کو بیان کرتی تھیں۔ موت کے بعد یہ سب محشور ہوں گے تو ان کو روک لیا جائے گا۔ میدان محشر میں فقط وہ لوگ نہیں ہوں گے جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تھا بلکہ اس میں نیک و بد سب ہوں گے اور تمام اُمتوں کے لوگ ہوں گے۔ اس جگہ جس حشر کی بات کی جارہی ہے بظاہر یہ قیامت کے دن سے پہلے کا حشر ہے کیونکہ قیامت میں تو ایک گروہ کی بات نہیں ہونی، سب کے بارے بات ہوگی، سب کا حساب ہوگا اور پھر جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں کسی انسان کے زمین سے باہر آکر منکرین سے بات کرنے کی بات ہوئی ہے تو یہ بھی قیامت سے پہلے ہی ہوگا کیونکہ قیامت میں تو انبیاء ہوں یا غیر انبیاء، منکرین ہوں یا ایمان والے سب ہی زمین سے نکل چکے ہوں گے۔ اس وقت زمین موجود نہیں رہے گی کچھ اور ہی ہوگا اسی وجہ سے یہاں احتمال دیا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت امام مہدیؑ کا زمانہ ہے کہ آپؑ کے زمانہ میں منکرین کو اٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ان کے سامنے بیان کی جائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا کہ تم نے ہماری ان آیات کو جھٹلایا جو برحق تھیں جبکہ تمہارے پاس کچھ علم نہ تھا اور تم نے بغیر کسی علمی حوالے کے ان کا انکار کر دیا۔ جس کو تم جانتے بھی نہیں تھے تم نے انہیں جھوٹ کیوں قرار دیا؟ آیات کو جھٹلانے کے علاوہ بھی تم نے کس قسم کے اعمال انجام دیئے ہیں؟ اس سوال سے ان کی سرزنش کی جائے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بغیر کسی علمی تحقیق کے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اس کے علاوہ جو تم نے بداعمالیاں کیں وہ سب بھی ہمارے سامنے ہیں۔

وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: ''اور ان کے ظلم سے ان پر الزام قائم ہو جائے گا پھر وہ بول بھی نہ سکیں گے۔''

جھٹلانے والوں کی خاموشی

جب ان منکروں اور جھٹلانے والوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ دنیا میں ظالمانہ اقدامات کیوں کیے؟ اس کی بابت سوال ہو گا تو ان کے پاس کوئی جواب نہ ہو گا۔ ان کے اعمال و بیانات اور تکذیب کی بنیاد پر ان پر عذاب اُتارا جائے گا۔ ان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کچھ بھی کہنے کے لیے نہ ہو گا اور وہ بات تک نہ کر سکیں گے۔

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: ''کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رات بنائی تاکہ اس میں چین حاصل کریں اور دیکھنے کو دن بنایا، البتہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔''

دن اور رات میں اللہ کی نشانیاں

اس آیت میں کافروں اور منکروں کی ملامت اور سرزنش کی گئی ہے کہ نہ فقط یہ کہ ان کے پاس ہماری آیات کو جھٹلانے پر کوئی علمی دلیل موجود نہ تھی بلکہ ہماری آیات کی حقانیت پر واضح علمی اور مشاہداتی دلیل موجود تھی کہ وہ اسے دیکھ کر ایمان لے آتے کیونکہ انہوں نے رات کو تو دیکھا ہوا تھا اور اس میں آرام کرتے تھے، دن کو بھی دیکھا تھا جس میں کام کاج کرتے تھے، زمین اور آسمان میں موجود آیات کا مشاہدہ کرتے تھے پھر کیا وجہ تھی کہ انہوں نے ان آیات سے بصیرت نہیں لی؟ آیات سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو توحید پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے رات کو آرام و استراحت کے لیے قرار دیا ہے اور دن کو زمینی اور آسمانی آیات کو دیکھنے کے

لیے قرار دیا ہے۔ رات اور دن بھی ان آیات میں سے ہیں کہ لوگ ان میں غور کرکے ایمان لاسکتے ہیں۔ اس کلام میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ جب جہالت اور تاریکی کا پردہ اس کی نظروں سے ہٹ جائے اور آرام اور اطمینان کی کیفیت اس کے لیے حاصل ہو تو اس وقت جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس کے بارے نہ انکار کرے اور نہ ہی اس کی تصدیق کرے۔[1] اس لیے کہ ہو سکتا ہے ایسا ہو اور ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو۔ اس کے مدمقابل جب کسی امر پر واضح اور روشن دلائل موجود ہوں اور روز روشن کی طرح حقیقت واضح ہو تو اس پر ایمان لے آئیں اور انکار نہ کریں۔

وَ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: "اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے سب ہی گھبرائیں گے مگر جسے اللہ چاہے، اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے۔"

صُور پھونکا جانا

"نفخ" صُور کا معنی ہے سیٹی میں پھونک مارنا۔ اس سے مراد زمین و آسمان کے درمیان ایک خاص قسم کی زوردار آواز کا گونجنا ہے جس کے نتیجہ میں تمام موجودات جزع و فزع اور حیرت و وحشت اور پریشانی و ہیجان میں آجائیں گے (چاہے پہلا صور کہ جس سے سب مر جائیں گے یا

[1]۔ جیسا کہ مشہور دانشور جناب بو علی سینا کا قول ہے کہ جب کوئی عجیب اور حیرت انگیز امر کے بارے سنو تو اس کا فوراً انکار نہ کرو جب تک اس کے صحیح ہونے یا صحیح نہ ہونے پر کوئی برہان و دلیل قائم نہ ہو۔ (مترجم)۔

دوسرا صور کہ جب جسموں میں ارواح کو ڈال دیا جائے گا اور سب مبعوث (اٹھائے جائیں گے) ہوں گے۔ ان میں کچھ وہ ہوں گے جو اللہ کی مشیت کے تحت اس ہولناکی سے امن وامان میں ہوں گے۔ یہ صالحین، نیک لوگ اور اللہ کے خالص بندے ہوں گے۔ اس صور کو جب پھونکا جائے گا تو تمام عاقل موجودات ذلت و خوارگی سے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔ بندگی کی اعلیٰ مثال نظر آرہی ہو گی کیونکہ ہر بندہ جب اپنے مولا کے سامنے آئے گا تو انتہائی ذلت و فقر اور افلاس و احتیاج کا نمونہ ہوتا ہے۔

وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: ''اور تو ں جو پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھ رہا ہے یہ تو بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے، اس اللہ کی کاریگری سے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے، اسے خبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

قیامت کے دن کا ایک منظر

یہ آیت سابقہ آیت کے سیاق میں آئی ہے اور اس میں قیامت کے دن کی کیفیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا جا رہا ہے کہ تم ان پہاڑوں کو دیکھتے ہو کہ یہ بے حرکت اور جامد معلوم ہوتے ہیں ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ بادل کی مانند حرکت کریں گے۔ یہ اللہ کی آفرینش و خلقت ہے اس نے ہر چیز کو محکم و مضبوط بنایا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے آگاہ ہے وہ انہیں ان کے اعمال کی پوری جزا دے گا۔[1]

[1] ۔ لہٰذا وہ اللہ جس نے اپنی خلقت کو مضبوط و محکم بنایا ہے اگر وہ آخر میں اسے ویران اور منہدم کر دے گا، مار دیتا ہے تو یہ اسے فاسد کرنا نہیں بلکہ دُنیا کی ویرانی، آخرت کی تعمیر و آبادی کا مقدمہ ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن سب ذلت و

کچھ لوگوں نے پہاڑوں کی حرکت کو حرکت جوھری سے تعبیر کیا ہے یعنی یہ سارے پہاڑ باقی موجودات کی مانند اپنی ذات کی جوہریت اور حقیقت کے تحت اپنے وجود کی غرض وغایت کی جانب رواں دواں ہیں۔ یہ اللہ کی طرف رجوع اور حشر کا معنی ہے یعنی ہر شئی نے اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ جبکہ بعض نے پہاڑوں کی حرکت کو زمین کی انتقالی حرکت سے تفسیر کیا ہے۔ دونوں تفسیریں صحیح ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کا جواز موجود ہے۔ لیکن ان دو تفسیروں کی بناپر اس آیت کا تعلق قیامت کے دن سے نہیں بنتا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ هُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: ''جو نیکی لائے گا سو اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں ہوں گے۔''

وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: ''اور جو برائی لائے گا سو ان کے منہ آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے،

خواری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اور کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے آگاہ ہے اس لیے ان کے اعمال اور اپنی عدالت کے مطابق ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

تمہیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم کرتے تھے۔"

نیک اور بد عمل کا انجام

جو نیک عمل کرتا ہے اس کو نہ صرف اس کا بدلہ ملے گا بلکہ اس سے زیادہ ملے گا۔ کیونکہ تمام اعمال جزاء اور اثر کا مقدمہ ہیں۔ ہر عمل کی غرض و غایت اس کے مقدمہ سے بہتر ہوتی ہے۔ آیت میں جس فزع اور وحشت کی بات ہوئی ہے اس سے مراد دوسرا صور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے صور کے بعد جب سب لوگ قبروں سے باہر نکلیں گے تو نیک عمل کرنے والے اس وحشت سے امن وامان میں ہوں گے۔[1]

دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے برے اعمال انجام دیئے تھے تو انہیں اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ آخر میں استفہام انکاری کے طور پر کہا گیا ہے کہ جس نے جو عمل کیا ہے اسے اس عمل کے سوا کچھ اور جزاء ملے گی؟ نہیں ایسا نہیں ہے، انہیں وہ ملے گا جو انہوں نے انجام دیا ہے۔ ہر ایک کے سامنے اس کا اپنا ہی عمل مجسم ہو کر آکھڑا ہوگا اور اس کے گریبان کو پکڑے گا۔ پس جزاء اور فیصلہ دینے میں کچھ ظلم نہ ہوگا۔ ہر کسی کو اس کے عمل کا نتیجہ ملے گا۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ﴿۹۱﴾

ترجمہ: "مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے مالک کی بندگی کروں جس نے اسے

---

[1] ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ (سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۳) "اور انہیں بڑا بھاری خوف بھی پریشان نہیں کرے گا اور ان سے فرشتے آملیں گے، یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا"۔

عزت دی ہے اور ہر ایک چیز اسی کی ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔"

وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: "اور یہ بھی کہ قرآن سنا دوں، پھر جو کوئی راہ پر آ گیا تو وہ اپنے بھلے کو راہ پر آتا ہے، اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔"

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: "اور کہہ دو سب تعریف اللہ کے لیے ہے تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھا دے گا، پھر تم انہیں پہچان لو گے اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔"

رسول اللہؐ کا کام

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ حق کی طرف دعوت دینا، بشارت اور انذار سے عبارت ہے تاکہ اس طرح حجت تمام ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے کاموں کے ذمہ دار نہیں، لوگ اپنے عمل اور کام کے خود ذمہ دار ہیں۔ اے رسول! آپؐ کی ذمہ داری ان لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور دعوت حق کو قبول نہ کرنے پر سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپؐ کا کام حق بات کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے لیکن سب امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ بہت جلد انہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا اور وہ ان

کو پہچان لیں گے۔ اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

"**هٰذِهِ الْبَلْدَةِ**" سے مکہ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شہر حرام قرار دیا ہے یعنی اس کی خاص حرمت ہے جس کا لحاظ کرنا ہوتا ہے۔ سب لوگوں پر مکہ کا احترام کرنا واجب ہے لیکن مکہ والوں نے اس بڑی نعمت کا کفران کیا اور اللہ کی عبادت کی بجائے بت پرستی شروع کر دی۔[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہہ دو کہ میں تو اللہ کی طرف سے مامور ہوں کہ اس محترم و معظم شہر میں اللہ کی عبادت کروں کیونکہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مالکیت ہیں اور اس کی مالکیت اس شہر سے مخصوص نہیں ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے ہو جاؤں جو اللہ کے ارادہ کے سامنے تسلیم ہیں اور اللہ کا ارادہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ لوگ ہدایت پا جائیں، صحیح راستہ پر آجائیں، وہ دین فطری کی طرف دعوت دیتا ہے اور فطری دین، ابراہیم خلیل اللہؑ کا دین ہے جس میں بت پرستی اور شرک نہیں بلکہ توحید اور یکتا پرستی ہے۔[2] آخر میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ اے محمد ﷺ! لوگوں سے کہہ دو کہ ہر طرح کی حمد و ثناء بس اللہ کے لیے ہے، وہی لائق حمد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور سعادت کی طرف دعوت دی ہے۔ مومنین اس کے سامنے تسلیم ہوئے اور سعادت مند ہو گئے۔ بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ تیرا رب بہت جلد اپنی آیات تمہیں دکھائے گا۔ آپ ان نشانیوں

---

[1] ۔ اسلام سے پہلے بت پرست تھے اور جب اسلام لے آئے تو وہ منافق ہو گئے۔ حق کے نمائندے سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ ہجرت پر مجبور ہو گئے، ان کے وصال کے بعد اس کے بیان کیے ہوئے احکام کو تبدیل کر کے اسلام کا ملعوبہ بنا دیا اور گمان کرنے لگے کہ وہ قرآن کے متن کے مطابق عمل کر رہے ہیں جبکہ ان کے اعمال اسلام کی بنیاد سے متصادم تھے۔ (مصحح)

[2] ۔ ''فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا‌ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا'' (سورۂ روم آیت: ۳۰) "سو تو ایک طرف کا ہو کر دین پر سیدھا منہ کیے چلا جا، اللہ کی دی ہوئی قابلیت پر جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے"۔

کو پہچانتے ہو کہ تم اس پر ایمان لانے پر مجبور ہو گئے۔ ان آیات سے مراد دابۃ الارض کا زمین سے باہر نکل کر اللہ کی آیات بارے بیان دینا ہے جس کے متعلق آیت ۸۲ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا ہے کہ تیرا رب اپنے بندوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ لہٰذا تمہارے اعمال کے متعلق جو حکمت و دانائی ہے وہ اسی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اگر حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ اللہ کسی کو ہدایت دے تو وہ اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور اگر حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ کسی کو آیات الٰہی دکھائی جائے تو وہ ان کو اپنی آیات دکھاتا ہے۔ اگر وہ نیکوکاروں کو اجر اور بدکاروں کو سزا دیتا ہے تو یہ سب کچھ حکمت کے تحت انجام پاتا ہے۔ اس ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا ہدایت کے لیے آیات دکھانا، تبلیغ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنا، ہدایت کا انتظام کرنا اور پھر گمراہی کے اسباب، یہ سب ایک نظام کے تحت ہیں اور اعمال کا اجر اور بداعمالیوں کی سزا بھی اسی کامل نظام کا حصہ ہے۔

سورۃ القصص

(مکی۔آیات ۸۸)

اس سورت کے مطالب

مومنوں کے لیے نیک جزاء کا وعدہ۔ ہجرت سے قبل کے واقعات، قوم موسیٰ کے حالات اور ان کی نجات کا تذکرہ، سختیوں اور مشکلات کے بعد آسانیاں، کتب آسمانی اتارنے کا مقصد، اللہ کی وحدانیت اور قدرت کا بیان، روز قیامت و معاد کے متعلق تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾

ترجمہ: ''طاء۔ سین، میم''

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حروف مقطعات، الٰہی اسرار و رموز ہیں جن کی حقیقت کا علم اللہ کے پاس ہے یا پھر اللہ کے رسول اور ان کے اوصیاء اس سے آگاہ ہیں۔ یہ حروف اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے درمیان اشاراتی زبان ہے، اس کے بارے میں چند احتمال ہیں یا تو یہ مکمل اللہ کا نام ہیں یا پھر ہر حرف اللہ کے ایک اسم کی جانب اشارہ ہے۔ طاء سے طالب، شین سے سمیع، میم سے مبدیٔ اور معید کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾

ترجمہ: ''یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔''

(قرآن جو کہ ایک واضح اور روشن کتاب ہے یہ اس کی آیات ہیں)

'' تِلۡکَ '' اسم اشارہ ہے جو دور کے اشارہ کے لیے ہوتا ہے اس جگہ عظمت اور بلند شان کی

طرف اشارہ ہے۔ قرآن بلند شان والی کتاب ہے، قرآن میں واضح مضامین پر مشتمل آیات ہیں، یہ بیان کرنے والی اور وضاحت دینے والی کتاب ہے۔

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳

ترجمہ: ''ہم تجھے ایمان داروں کے فائدے کے لیے موسٰی اور فرعون کا کچھ صحیح حال سناتے ہیں۔''

موسیٰؑ اور فرعون کے واقعات

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام سے متعلق صحیح واقعات بیان کیے ہیں۔ ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صاحبان ایمان ان کے متعلق غور کریں۔ ان کو معلوم ہو جائے کہ ماضی میں بھی ایمان لانے والوں کو بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح موسیٰ علیہ السلام کو احیاء حق اور بنی اسرائیل کو عزت واحترام دینے کے لیے ان کی مدد فرمائی، انہیں ذلت ورسوائی سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بنی اسرائیل کے لیے کیا وہی کچھ تمہارے لیے بھی ہو گا۔ لہٰذا جس حالت سے گزر رہے ہیں اس سے پریشان نہ ہوں۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴

ترجمہ: ''بے شک فرعون زمین پر سرکش ہو گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر دیے تھے ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا

اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا، بے شک وہ مفسدوں میں سے تھا۔"

فرعون کے فسادات

ان آیات میں فرعون کے بارے چند باتیں بتائی گئی ہیں:

پہلی بات یہ تھی کہ وہ متکبر تھا، بلند پروازوں پر تھا، خود کو سب سے بڑا قرار دیتا تھا۔

دوسری بات اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے عوام میں اختلافات ایجاد کرتا تھا۔

تیسری بات لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کرکے انہیں ایک دوسرے کے خلاف ابھارتا اور ان کے درمیان لڑائی کرواتا تھا۔

چوتھی بات ایک قوم کو کمزور بنا کر رکھا تھا (اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں) ان پر مظالم ڈھاتا تھا ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا، ان کی خواتین کی آبروریزی کرتا، انہیں معاشی طور پر کمزور رکھتا، انہیں اپنی غلامی کے لیے رکھا ہوا تھا اور ان سے پست اور گھٹیا کام لیتا تھا۔ وہ اس طرح بنی اسرائیل کی نسل کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ ان اعمال کے ساتھ فرعون اللہ کی زمین پر فساد پھیلا رہا تھا۔ جو رویہ فرعون کا تھا یہ ہر زمانہ کے جابر و ظالم حکمرانوں کا ہوتا ہے۔ اپنی سلطنت اور اقتدار کی حفاظت کے لیے وہ اسی طرح کے کام کرتے ہیں جو فرعون کرتا تھا۔ جو بھی فرعون کے خلاف بولتا تھا اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا تھا۔ فرعون کسی کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ اس کے خلاف کوئی رائے پیش کرے۔

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾

ترجمہ: "اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کیے گئے تھے اور انہیں سردار بنادیں اور انہیں وارث کریں۔"

اللہ کا محروم طبقات پر احسان کا اعلان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے محروم طبقات کے لیے ایک نوید دی ہے اور اور فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے فرعون کو اوج قدرت سے ذلت و رسوائی میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا اور ان لوگوں کو اپنی زمین کا اقتدار عطا کیا جن پر فرعوں ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتا تھا اور انہیں محرومیت سے نکالا اور انہیں ظالموں کی جائیدادوں کا وارث بنایا جنہوں نے لمبا عرصہ تک ظالموں کے ماتحت زندگی گزاری تھی اسی طرح ہم آپ کی امت کے مستضعفین کو بھی اپنی زمیں کی قیادت اور سرداری عطا کریں گے۔[1]

وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

ترجمہ: ”اور انہیں ملک پر قابض کریں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس کا وہ خطرہ محسوس کرتے تھے۔“

فرعونیوں کا انجام

اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کو غرق کرنے اور محروم طبقات کو نجات اور بنی اسرائیل

[1]۔ اس آیت کے ضمن میں منقول روایات بیان کرتی ہیں کہ قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر اپنے آخری خلیفہ حضرت امام مھدی عج کے ذریعہ ظالموں، مستکبروں اور فسادیوں کی جگہ محروم طبقات کی حکومت قائم کرے گا۔ اس آیت کا اصلی مصداق امام مہدی عج کی قیادت میں اللہ کی زمین پر اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ ویسے ہر دور میں ظالموں کا خاتمہ ہوتا رہا اور ان کی جگہ محروم طبقات کی حکومتیں بنتی رہیں اور پھر گرتی رہیں لیکن جو آخری زمانہ آئے گا تو پھر فقط الٰہی حکومت ہی قائم ہو گی، ظالموں کا مکمل طور پر خاتمہ ہو گا (اردو مترجم)۔

کو فرعونیوں کی جگہ اقتدار دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ یہ وہی حتمی فیصلہ تھا جو فرعون اور اس کے وزیر ہامان کے لیے لکھ دیا گیا تھا۔[1] فرعون کا وزیر ہامان اور ان کی افواج کو جس چیز کا خوف اور ڈر تھا اور جس سے خود کو بچاتے پھرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ان کو کچھ نہیں ہو گا، اللہ تعالیٰ نے انہیں غرق کیا اور بنی اسرائیل کو ان سے نجات دی، فرعون اور فرعونیوں کی مملکت پر ان کا جاہ و حشم سب کا خاتمہ ہوا۔ یہ تو ظاہری امر ہے، باطن میں امر اللہ تعالیٰ کا اس سے تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے جبر و استبداد سے نجات دی اور انہیں زمین کا اقتدار دے دیا اور فرعون اور فرعونیوں کو غرق کر دیا۔

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡهِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَیۡهِ فَاَلۡقِیۡهِ فِی الۡیَمِّ وَ لَا تَخَافِیۡ وَ لَا تَحۡزَنِیۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡهُ اِلَیۡكِ وَ جَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۷﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تجھے اس کا خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور کچھ خوف اور غم نہ کر، بے شک ہم اسے

---

[1] ۔ تفسیر اطیب البیان میں رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث ہے: سابقہ اقوام اور ملکوں میں جو کچھ ہوا وہ اس اُمت میں بھی بعینہٖ واقع ہو گا۔ اس حوالے سے ان دو آیات کو آئمہ علیہم السلام کی رجعت (مرنے کے بعد دنیا میں واپسی) پر تطبیق کیا گیا ہے کہ وہ زمین پر آکر حکومت کریں گے اور دشمنوں سے انتقام لیں گے۔ اسی مضمون کے مشابہ مطلب حضرت امام صادق علیہ السلام سے معانی الاخبار میں بیان ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے فرمایا آپ وہ ہیں جنہیں کمزور بنا دیا گیا لیکن قیامت تک کے لیے آپ کا اقتدار اور رہبریت ہونا حتمی ہے۔ اس سے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ایک تفصیلی موضوع ہے جس کو یہاں پر بیان نہیں کیا جا سکتا، فقط اشارہ پر اکتفاء کیا ہے۔ اس کے متعلق مہدویت اور رجعت کے موضوع پر لکھی گئی کتب کی طرف رجوع کیا جائے)۔ (مترجم)

تیرے پاس واپس پہنچادیں گے اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔"

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕیْنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: "پھر اسے فرعون کے گھر والوں نے اٹھالیا تاکہ بالآخر وہ ان کا دشمن اور غم کا باعث بنے، بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔"

وَ قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَ لَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: "اور فرعون کی عورت نے کہا یہ تو میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، شاید ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنالیں، اور انہیں کچھ خبر نہ تھی۔"

موسیٰؑ کی نجات کا انتظام

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو وحی کے ذریعہ بتادیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائے اور اسے ایک کشتی نما گہوارہ میں رکھے اور دریائے نیل میں پھینک دے اور اس کے بارے وہ خوف مت کھائے، ہم اسے اس کے پاس واپس لوٹا دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اسی طرح کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ نما کشتی میں ڈال کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ فرعون کا محل دریائے نیل کے کنارے پر واقع تھا، یہ کشتی محل کے ساتھ آکر رک گئی، اوپر سے فرعون کی بیوی نے اس میں ایک خوبصورت بچے کو دیکھا اور ان کے دل میں اس بچے کی محبت آگئی، اس نے کنیز کو بھیجا اور بچے کو محل میں لے آئے۔ فرعون نے جب

دیکھا کہ وہ پہلے سے بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کر رہا تھا اس نے اس کے بارے بھی اسی بات کا اظہار کیا تو فرعون کی بیوی نے اسے سمجھایا کہ یہ ایک خوبصورت بچہ ہے، یہ میرے اور آپ کے لیے نور چشم بنے گا، اسے قتل مت کرو، ہو سکتا ہے یہ ہمارے فائدے میں ہو۔ پھر یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اسے اپنا بیٹا کیوں نہ بنا لیں کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہ تھی۔ اس طرح فرعون کے محل میں فیصلہ ہو جاتا ہے کہ اس بچہ کو فرعون کی بیوی گود لے لے۔ لیکن نہ تو فرعون کی بیوی اور نہ ہی فرعون اور نہ ہی وہاں موجود دوسرے افراد اس بات سے آگاہ تھے کہ اس کے پیچھے کیا حکمت ہے اور اس عمل کا انجام کیا ہو گا؟

وَ اَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا ؕ اِنۡ کَادَتۡ لَتُبۡدِیۡ بِہٖ لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰی قَلۡبِہَا لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ”اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا، قریب تھی کہ بے قراری ظاہر کر دے اگر ہم اس کے دل کو صبر نہ دیتے تاکہ اسے ہمارے وعدے کا یقین رہے۔“

وَ قَالَتۡ لِاُخۡتِہٖ قُصِّیۡہِ ۫ فَبَصُرَتۡ بِہٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿ۙ۱۱﴾

ترجمہ: ”اور اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے چلی جا، پھر اسے اجنبی ہو کر دیکھتی رہی اور انہیں خبر نہ ہوئی۔“

وَ حَرَّمۡنَا عَلَیۡہِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰۤی اَہۡلِ بَیۡتٍ یَّکۡفُلُوۡنَہٗ لَکُمۡ وَ ہُمۡ لَہٗ نٰصِحُوۡنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے پہلے سے اس پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا، پھر بولی میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں جو اس کی تمہارے لیے پرورش کریں اور وہ اس کے خیر

خواہ ہوں۔"

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: "پھر ہم نے اسے اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہو اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے۔"

موسیٰؑ کی اپنی ماں کے پاس واپسی

موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے مریم نامی موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو حکم دیا کہ اس صندوق (کشتی نما گہوارہ) کے پیچھے پیچھے چلی جائے اور دیکھے کہ یہ پانی اس صندوق کو کہاں لے جاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور سے اس صندوق کے پیچھے چل رہی تھی، اس نے یہ دیکھ لیا کہ فرعون کے نوکر اسے پانی سے اٹھا کر لے گئے لیکن وہ اس سے آگاہ نہ ہوئے کہ انہیں کوئی دیکھ رہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس نوزائیدہ بچے کو جب فرعون کے گھر لایا گیا تو فرعون نے انہیں قتل کرنے کے بجائے اپنا بیٹا بنا لینے کا فیصلہ کیا۔ اب بچے کو بھوک لگتی ہے، اس بچے کو دودھ کی ضرورت تھی، مصر کی عورتوں کو لایا گیا جن کے پستانوں میں دودھ تھا، وہ دودھ دے سکتی تھیں لیکن موسیٰ علیہ السلام نے کسی عورت کے پستان کو منہ میں نہ لیا اور یہ اللہ کا فیصلہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پر تمام عورتوں کے دودھ کو حرام کر دیا تھا۔ اس لیے کسی کا دودھ نہ پیا۔ اس سے فرعون کی بیوی پریشان تھی کہ کوئی ایسی عورت ملے جو اس بچے کی سرپرستی کرے اور اسے دودھ بھی پلا دے۔ ان خواتین کے ہمراہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی فرعون کے گھر آئی

ہوئی تھی، انہوں نے موقع مناسب جانا اور ایک تجویز دے دی کہ میں ایک خاتون کو جانتی ہوں، اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے لے آؤں، شاید یہ بچہ اس سے مانوس ہو اور اس کا دودھ پی لے۔ وہ اس بچے کی اچھی طرح سرپرستی کرے اور آپ کے لیے خیر خواہ ہو۔

فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی تجویز کو قبول کرلیا کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا کیونکہ موسیٰ علیہ اسلام کسی بھی عورت کا دودھ نہیں پی رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن فرعونیوں کو ان کی ماں کا پتہ بتادیا اور انہوں نے کہا ٹھیک ہے اسے لے کر آؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ماں کو فرعون کے گھر لے آئیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان کا دودھ پینا شروع کر دیا، اس طرح فرعونیوں کی پریشانی دور ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام کو ماں کے سپرد کر دیا گیا کہ وہ ان کی دیکھ بھال کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اپنی ماں کے پاس واپس پلٹا دیا۔ یہ سارا منصوبہ اللہ کا تیار کردہ تھا اور اسی طرح ہوا جیسے خدا نے چاہا تھا۔ اس طرح اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی آنکھ روشن ہو گئی، انہیں تسکین ہوئی اور وہ غمزدہ نہ ہوئیں اور یقین کی منزل پر فائز ہوئیں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اللہ کے وعدہ کی تکمیل میں کسی قسم کا شک و تردید نہیں ہے اور جو اللہ کے وعدوں کے بارے شک و تردید کرتے ہیں ان کے دل مطمئن نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اللہ کی قدرت مطلقہ کا ادراک نہیں ہے۔

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اور جب اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا توانا ہوا تو ہم نے اسے حکمت اور علم دیا، اور ہم نیکوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

موسیٰؑ کے لیے اللہ کا انعام

"بلوغ اشد" بچے کا قوت اور طاقت کے ایسے مرحلہ پر پہنچ جانے کو کہتے ہیں کہ اس کے جسم کے اعضاء مضبوط ہو جائیں لہٰذا اعضاء کا مضبوط ہونا بلوغ اشد کہلاتا ہے۔

" استواء" معتدل اور برابر حد پر ہونا۔ زندگی کا ایسا مرحلہ جس میں ٹھہراؤ آجائے، انسان کے جسمانی اعضاء اپنی پوری حد کو پہنچ جائیں اور ان میں بڑھنے کا عمل ختم ہو جائے۔ استواء سے جوانی مراد لی گئی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جسمانی طور پر مضبوط ہو گئے اور پوری جوانی میں داخل ہو گئے تو ہم نے اسے علم لدنی عطا کر دیا۔ حکم سے صحیح رائے کا مالک ہونا، دانائی اور سمجھ صحیح فیصلہ کی قوت حاصل ہونا مراد لی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام جسمانی طور پر مضبوط اور پورے جوان ہو گئے تو ہم نے اسے حکمت اور دانائی عطا کر دی اور اپنی جناب سے اسے علم سے نواز دیا۔

"احسان" احسان نیکی کرنا اور نیکی کرنے والے کو محسن کہتے ہیں۔ محسن وہ ہیں جو عقیدہ اور عمل دونوں میں صحیح راستہ پر ہوں۔ ایسے ہی افراد کے لیے اللہ کا انعام ہوتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام محسنین سے ہیں۔

وَ دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ﱪ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ ﱪ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: " اور شہر میں لوگوں کی بے خبری کے وقت داخل ہوا پھر وہاں دو شخصوں کو

لڑتے ہوئے پایا، یہ ایک اس کی جماعت کا تھا اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا، پھر اس نے جو اس کی جماعت کا تھا اپنے دشمن پر اس سے مدد چاہی، تب موسیٰ نے اس پر مکا مارا پس اس کا کام تمام کر دیا، کہا یہ تو شیطانی حرکت ہے، بے شک وہ کھلا دشمن اور گمراہ کرنے والا ہے۔"

موسیٰؑ کا فرعون کے محل سے باہر نکلنا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام، فرعون کے محل سے باہر نہیں نکلے تھے۔ ایک دن حضرت موسیٰ ایسے وقت شہر میں آئے جب لوگ اپنی دکانیں اور کاروباری مراکز بند کر کے گھروں کو جا رہے تھے۔ (احتمال ہے کہ یا ظہر کے بعد کا وقت ہو گا یا شام کا وقت ہو گا جب لوگ اپنا اپنا کاروبار بند کر کے گھروں کو جاتے ہیں) موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے ہیں، ایک بنی اسرائیل سے ہے اور دوسرا قطبیوں سے ہے۔ بنی اسرائیل والے ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کے دین پر تھے اس لیے انہیں موسیٰ کا شیعہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ حضرت موسیٰ کے مسلک کا اور ان کی جماعت اور ان کی قوم سے تھا۔ اگرچہ اس زمانہ میں توحیدی دین کا فقط نام ہی باقی تھا۔ بنی اسرائیل ظاہری طور پر فرعون کی عبادت کرتے تھے اس کے احکام کے پیرو تھے اور فرعونیوں کے زیر دست تھے۔ بنی اسرائیل کے جوان نے جب اپنے قریب موسیٰ کو دیکھا (کیونکہ ان کی شکل و شباہت بنی اسرائیل جیسی تھی اس لیے اس نے موسیٰ کا رخ کیا) اور اس قبطی کے خلاف مدد طلب کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی نہ آؤ دیکھا اور نہ تاؤ، فوراً قبطی کے سینے پر زوردار مکہ رسید کیا تاکہ اسے بنی اسرائیل کے آدمی سے دور کر دے۔ ایسا زوردار مکہ تھا کہ قبطی زمین پر ڈھیر ہو گیا یعنی موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ اسے قتل کرنا نہ تھا وہ فقط اسے بنی اسرائیل کے آدمی سے دور ہٹانا چاہتے تھے۔ قبطی حضرت موسیٰ کے ہاتھ کی ضرب برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو اس پر افسوس ہوا اور اپنے آپ سے کہا کہ یہ جو جھگڑا ہو رہا تھا اور انہوں نے بنی اسرائیل کے آدمی کو بچانے کے لیے جو کچھ کیا یہ شیطانی وسوسوں سے پیدا ہوا کہ وہ ایک دوسرے کے درمیان دشمنی وافتراق ڈالتا ہے۔ اس نے بنی اسرائیل کے آدمی اور قبطی کے درمیان دشمنی ایجاد کی اور پھر اس جھگڑے کی وجہ سے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ میں ان کے درمیان مداخلت کروں۔ شیطان تو گمراہ کرنے والا انسان کا کھلا دشمن ہے۔ آپ نے اس عمل کو شیطان کی طرف سے گمراہی قرار دیا۔ یہ اس لیے تھا اگرچہ یہ عمل ایسی معصیت وجرم نہ تھا کہ اس کی پکڑ و گرفت ہو۔ یہ فقط ایک اشتباہ اور خطاء تھی، اس میں ایک کافر و ظالم شخص کے مقابلے میں بنی اسرائیلی کے دفاع کا پہلو موجود تھا۔ بہر حال یہ اللہ کے فرمان کی مخالفت نہ تھی۔ آپؑ نے اس خطاء کی شیطان کی طرف نسبت اس لیے دی کیونکہ واقعہ اشتباہ اور بد تدبیری تھی کیونکہ یہ واقعہ بہت جلد فرعون اور قبطیوں کے بڑوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کا سبب بن سکتا تھا اور شیطان اسی بات کا خواہاں تھا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو مجھے بخش دے پھر اسے بخش دیا، یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''کہا اے میرے رب! جیسا تو نے مجھ پر فضل کیا ہے پھر میں گناہگاروں کا کبھی مددگار نہیں ہوں گا۔''

موسیٰؑ کی اللہ سے التجاء

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے درخواست کی اور اقرار کیا کہ میں نے یہ عمل انجام دے کر اپنے نفس پر ستم کیا ہے اور اپنے لیے خطرہ مول لیا ہے۔ اللہ سے التجاء کی کہ اس عمل کے اثر کو زائل کر دے اور اس کے برے انجام سے چھٹکارا دے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول کرلیا اور انہیں فرعونیوں کے شر سے بچالیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے عہد و پیمان باندھ لیا کہ اللہ یہ جو تو نے مجھے نعمت عطا فرمائی ہے تو میں کبھی بھی مجرموں کا سہارا نہیں بنوں گا، کسی مجرم کو اس کے جرم میں مدد فراہم نہیں کروں گا تاکہ اس طرح اس نعمت کا شکر بجالاؤں۔ نعمت سے مراد ولایت الٰہی ہے جسے اللہ صراط مستقیم پر چلنے والوں کے لیے مختص کر رکھی ہے۔[1] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں سے مراد فرعون اور اس کے درباری ہیں۔ اس سے مراد بنی اسرائیلی آدمی نہیں ہے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے مدد کی اور اسے ظالم قبطی سے نجات دلائی تھی کیونکہ اس کی مدد کرنا جرم نہیں تھا اور نہ ہی قبطی کو مکا رسید کرنا جرم تھا۔ کیسے ممکن ہے کہ جو صاحب ولایت الٰہی اور اہل صراط مستقیم ہے وہ کسی جرم و معصیت کا ارتکاب کرے جبکہ قرآن گواہی دے رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکمت تھی اور اللہ کی طرف سے انہیں علم عطا ہو چکا تھا۔

فَاَصۡبَحَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِى اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ يَسۡتَصۡرِخُهٗ‌ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيۡنٌ ۱۸

[1] ۔ جس میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین شامل ہیں۔ سورہ نساء، آیت ۶۹)۔

ترجمہ: ''پھر شہر میں ڈرتا انتظار کرتا ہوا صبح کو گیا پھر وہی شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی اسے پکار رہا ہے، موسیٰ نے اس سے کہا کہ بے شک تو صریح گمراہ ہے۔''

موسیٰ علیہ السلام کی پریشانی

بظاہر اس واقعہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام واپس فرعون کے محل میں نہیں گئے۔ خوف کے عالم میں رات شہر میں ہی گذار دی اور اگلے دن آپ پریشانی اور خوف کی حالت میں تھے کہ اسی بنی اسرائیلی نے جس کی آپ نے مدد کی تھی آپ کو دیکھ کر پھر مدد کے لیے پکارا کہ مجھے قبطی کی گرفت سے آزاد کرواؤ، موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈانٹ دیا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم تو کھلے گمراہ اور غلط آدمی ہو۔ راہ رشد اور صحیح راستہ نہیں اپناتے، کیونکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک جھگڑالو آدمی ہے، روزانہ کسی نہ کسی سے جھگڑا کرتا ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''پھر جب ارادہ کیا کہ اس پر ہاتھ ڈالے جو ان دونوں کا دشمن تھا، کہا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے مار ڈالے جیسا تو نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا ہے، تو یہی چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔''

بنی اسرائیلی کی موسیٰؑ کے خلاف گواہی

جیسے ہی حضرت موسیٰؑ نے قبطی کا رُخ کیا تاکہ اسے تنبیہ کرے اور بنی اسرائیلی کو اس سے رہائی دلائے تو اس موقع پر بنی اسرائیلی نے خیال کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اسے مارنا چاہتے ہیں وہ موسیٰ علیہ السلام کے غصہ سے ڈر گیا اور فوراً کہا کہ اے موسیٰ کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ جس طرح کل آپ نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا؟ اس بات سے قبطی یہ جان گیا کہ کل جس نے قبطی کو قتل کیا تھا وہ موسیٰ ہی تھا لہٰذا وہ فوراً فرعون کے دربار میں گیا اور وہاں پر اطلاع دی کہ کل قبطی کو موسیٰؑ نے قتل کیا تھا اور پورا واقعہ سنایا۔

وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۫ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝۲۰

ترجمہ: ''اور شہر کے پرلے سرے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، کہا اے موسٰی! دریا والے تیرے متعلق مشورہ کرتے ہیں کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل بے شک میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں۔''

دربار فرعون کا فیصلہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کا محل شہر سے باہر تھا۔ موسیٰ کے چاہنے والوں میں سے ایک شخص فرعون کے دربار میں موجود تھا۔ جس اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ موسیٰ کو گرفتار کر لیا جائے اور اسے قبطی کے قتل کے جرم میں قتل کر دیا جائے تو یہ شخص اس محل سے فوراً باہر نکلا اور سیدھا شہر پہنچا جہاں پر موسیٰ علیہ السلام موجود تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس فیصلہ کی اطلاع دی اور کہا کہ آپ فوراً اس شہر سے فرار کر جائیں قبل اس کے کہ فرعونی کارندے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے آئیں۔ اپنی بات کی تاکید میں کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میں جو کہہ

رہا ہوں آپ کی خیر خواہی میں ہی کہہ رہا ہوں یعنی میں جھوٹ نہیں بول رہا اور نہ ہی آپ کے بارے کوئی خیانت کر رہا ہوں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”پھر وہاں سے ڈرتا انتظار کرتا ہوا نکلا، کہا اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے بچالے۔“

موسیٰؑ کا مصر سے فرار

موسیٰ علیہ السلام نے اس خیر خواہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے فوراً شہر چھوڑ دیا۔ کیونکہ آپ کو اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں فرعون کے فوجی انہیں گرفتار نہ کرلیں۔ بڑی تیزی سے مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اللہ کی پناہ میں آئے اور اللہ ہی سے درخواست کر دی کہ اے میرے رب تو ہی مجھے ان کے شر سے بچالے، یہ تو بہت ظالم ہیں، ان ظالموں سے تو ہی مجھے نجات دے سکتا ہے۔ یہ جملہ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبطی آدمی کے قتل کو جرم نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اسے ظالم سمجھتے تھے۔

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىْۤ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہا امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ بتادے گا۔“

موسیٰؑ مدین شہر میں

مدین شہر شعیب علیہ السلام کی قوم کا شہر تھا۔ یہ شہر مصر سے آٹھ منازل کے فاصلہ پر تبوک

کے سامنے موجود تھا۔ بہر حال مصر سے نکل کر موسیٰ علیہ السلام مدین شہر کی جانب آگئے، اس موقع پر آپ نے اپنے رب سے درخواست کی کہ میں اپنے رب سے اُمید لگائے ہوں کہ وہ مجھے صحیح راستہ کی ہدایت فرمادے گا اور مجھے اس مشکل سے نکال دے گا، صراط مستقیم کی ہدایت کی دعا کی، ایسا راستہ جس میں افراط اور تفریط نہ ہو۔ بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین شہر کا راستہ معلوم نہ تھا لیکن کیونکہ انہوں نے چھپ جانے کا ارادہ کیا تھا اس لیے اللہ سے مدد مانگی کہ اسے اس شہر تک پہنچادے۔

وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ”اور جب مدین کے پانی پر پہنچا وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو پانی پلاتے ہوئے پایا، اور ان سے دور دو عورتوں کو پایا جو اپنے جانور روکے ہوئے کھڑی تھیں، کہا تمہارا کیا حال ہے، بولیں جب تک چرواہے نہیں ہٹ جاتے ہم نہیں پلاتیں، اور ہمارا باپ بوڑھا بڑی عمر کا ہے۔“

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ”پھر ان کے جانوروں کو پانی پلادیا پھر سایہ کی طرف ہٹ کر آیا پھر کہا کہ اے میرے رب تو میری طرف جو اچھی چیز اتارے میں اس کا محتاج ہوں۔“

موسیٰؑ کی شعیبؑ کی بیٹیوں کی مدد

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں مدین کے لوگ اپنی بھیڑوں کو پانی پلاتے اور اپنے لیے پانی لیتے تھے۔ بہت سارے لوگ اپنے ریوڑوں کو پانی پلانے کے لیے وہاں پر جمع تھے جبکہ دور فاصلے پر دو باحجاب لڑکیاں اپنا ریوڑ لے کر کھڑی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے قریب جا کر پوچھا کہ تم یہاں پر کیوں کھڑی ہو؟ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا باپ تو بہت بوڑھا ہے، ہم اپنا ریوڑ لے کر کھڑی انتظار کر رہی ہیں، جب یہ سب لوگ اپنے ریوڑ کو پانی پلالیں گے اور چلے جائیں گے تو پھر ہم اپنے ریوڑ کو پانی پلائیں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آگے بڑھے اور انہوں نے ان کے ریوڑ کو لیا اور ان کے لیے جگہ بنائی اور اس ریوڑ کو پانی سے سیراب کرا دیا۔ لگتا ہے گرمی کا موسم تھا جب ان لڑکیوں کے ریوڑ کو پانی پلا دیا اور ان کے لیے کنوئیں سے پانی نکال کر دیا تو سایہ تلے بیٹھ گئے۔ اللہ سے اپنی ضرورت اور احتیاج کا سوال کر ڈالا کہ میرے رب میں تو خیر کا محتاج ہوں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ خیر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست تھی کہ اے میرے رب! میں بھوکا ہوں میرے لیے کھانے کا انتظام کر دے۔ اس سے بہتر معنی یہ ہے آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ پروردگار! میری جسمانی قوت کا انتظام کر دے تاکہ میں تیری رضا کے مطابق اعمال انجام دے سکوں۔ جیسے بنی اسرائیلی کی مدد کی اور اب ان دو لڑکیوں کی مدد کی ہے۔ میرا جسم کمزور ہو گیا تو پھر کسی کی مدد نہ کر سکوں گا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دعا تمام نعمات کے بارے میں تھی۔ یعنی آپؑ نے کہا کہ میں تو تیرا فقیر ہوں، تیرے خیر کا محتاج ہوں۔ خیر کا لفظ عام ہے جس میں تمام مادی اور معنوی نعمات آجاتی ہیں اس میں جسمانی قوت، بہترین روزگار، نیک و صالح زوجہ، ہدایت، غرض تمام نعمات کا سوال کیا ہے اور اپنی احتیاج اللہ کے سامنے رکھ دی۔

فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰىهُمَا تَمۡشِىۡ عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ ۗ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ ۚ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''پھر ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس شرم سے چلتی ہوئی آئی، کہا میرے باپ نے تمہیں بلایا ہے کہ تمہیں پلائی کی اجرت دے، پھر جب اس کے پاس پہنچا اور اس کو تمام حال بیان کیا، کہا خوف نہ کر، توں اس بے انصاف قوم سے بچ آیا ہے۔''

موسیٰؑ، شعیبؑ کے پاس

جب یہ دونوں لڑکیاں وقت سے پہلے اپنے ریوڑ کو پانی پلا کر اور پانی لے کر واپس گھر آگئیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ آج وقت سے پہلے کیسے آگئیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ ایک جوان وہاں پر موجود تھا جس نے ہمیں جب انتظار کی حالت میں دیکھا تو ہم سے دریافت کیا کہ تم کیوں الگ تھلگ کھڑی ہو؟ تو ہم نے اسے بتایا کہ جب یہ سب لوگ اپنے ریوڑوں کو پانی پلالیں گے اور جگہ خالی کر دیں گے تو پھر ہم اپنے ریوڑ کے لیے پانی کھینچ لیں گے اور ان کو پانی پلائیں گی اور خود بھی پئیں گی تو انہوں نے ہماری مدد کی ہمارے لیے جگہ بنائی ہمارے ریوڑ کے لیے پانی نکالا، اس طرح ہم جلدی آگئی ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام یہ سن کر خوش ہوئے اور اپنی ایک بیٹی سے کہا تم جاؤ اور اس جوان کو میرے پاس بلا لاؤ تاکہ میں اسے اس خدمت کا بدلہ دُوں۔ چنانچہ ایک لڑکی جو شرم وحیاء کا مجسمہ تھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی اور انہیں اپنے باپ کا پیغام دیا۔ موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آگئے۔ جب حضرت موسیٰؑ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آئے تو اپنا پورا

واقعہ انہیں سنایا اور کہا کہ وہ کس طرح خوف کے عالم میں مصر سے فرار کر کے یہاں تک پہنچے ہیں۔ جب شعیب علیہ السلام نے ان کے حالات سنے تو انہیں تسلی دی کہ اب تم فکر مند نہ ہو۔ ظالموں سے نجات پا چکے ہو، اس علاقہ تک ان کی دسترس نہیں۔

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور جو بھی حاجات پیش کی تھیں ان میں پہلی حاجت یہ تھی کہ اے میرے رب مجھے ظالموں کے شر سے نجات دے۔ دوسری حاجت یہ تھی کہ مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت فرما چنانچہ مدین تک ان کی رسائی ہوئی اور ان کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ تیسری حاجت تھی کہ مجھے خیر اور رزق عطا فرما۔ اللہ نے ملاقات کی صورت میں ان کی روزی کا مسئلہ بھی حل کر دیا اور دس سال تک کا انتظام ہو گیا اور اس سے بڑھ کر انہیں ایسی شریک حیات مل گئی جو ان کے واسطے آرام و سکون اور اطمینان کا سبب بنی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ساری حاجات پوری کر دیں۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: ”ان دونوں میں سے ایک بولی اے باپ اسے نوکر رکھ لے، بے شک بہتر نوکر جسے تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور امانت دار ہو۔“

موسیٰؑ کو اُجرت پر لینے کا مسئلہ

حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک بیٹی نے اپنے بابا کی خدمت میں تجویز دی کہ بابا جان آپ اسے اپنے لیے اجرت پر رکھ لیں کیونکہ ایک تو وہ طاقتور اور مضبوط جوان ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ امانتدار ہے۔ بظاہر جو لڑکی انہیں بلانے گئی تھی اسی نے یہ تجویز اپنے باپ کو دی ہو گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت اور جوانمردی کا اندازہ تو اس سے ہو گیا تھا جب انہوں

نے ان کے لیے پانی بھرا تھا اور امانت اور پاکدامنی کا اندازہ اس سے لگایا جب موسیٰ علیہ السلام اس لڑکی کے ساتھ ان کے گھر آنے کے لیے تیار ہوئے تو انھوں نے اس لڑکی سے کہا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو میں آگے آگے چلوں گا، آپ مجھے راستہ بتاتی جانا اور میں اسی راستہ پر چلتا جاؤں گا۔[1] ظاہر ہے حضرت شعیب علیہ السلام بوڑھے تھے، ان کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی، یہی دو بیٹیاں تھیں، گھر سے باہر کام کاج کے لیے ایک اچھے مضبوط اور امین خدمت گار کی ضرورت تھی کیونکہ لڑکیوں کو اپنے ریوڑ کو چرانے اور پانی پلانے کے لیے باہر جانا پڑتا تھا اس میں ایک اشارہ یہ بھی مل گیا کہ جب بھی کسی کو خادم و نوکر رکھو تو اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھو:

ا۔ مضبوط، طاقتور اور کام کرنے پر قادر ہو۔ ۲۔ امین ہو۔

قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷

ترجمہ: ”کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا تجھ سے نکاح کر دوں اس شرط پر کہ تو آٹھ برس تک میری نوکری کرے، پھر اگر تو دس پورے کر دے تو تیری طرف سے احسان ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ تجھے تکلیف میں ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا تو مجھے نیک بختوں سے پائے گا۔“

[1]۔ مظبوط اور امین ہونے کے وصف کو حضرت شعیب کی بیٹیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کع دیا کیونکہ جب آپ حضرت شعیب کے گھر کی طرف جانے لگے گو اس لڑکی کو اپنے پیچھے چلنے کا کہا تاکہ ان کے اندام پر آپ کی نظر نہ پڑے۔ (مصحح)

موسیٰؑ کو شعیبؑ کی پیشکش

''حجج'' حجۃ کی جمع ہے جس کا معنی سال ہے کیونکہ ہر سال میں ایک مرتبہ بیت الاحرام کا حج کرنا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کی ادائیگی ابراہیمی شریعت میں موجود تھی اور اس دوران بھی حج کا عمل معمول تھا، اس لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی دو بیٹیوں کی موجودگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجویز دے دی کہ میں ۸ سال خدمت کے عوض ایک بیٹی تمہارے نکاح میں دیتا ہوں جبکہ اگر آپ دو سال اور خدمت کرو گے تو یہ آپ کے اختیار میں ہوگا گویا کہ یہ مدت بعنوان حق مہر قرار دی گئی اور باپ نے اپنا اختیار استعمال کیا اور جس لڑکی نے تجویز دی اس کی رضایت بھی معلوم تھی کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو اجیر بنانے کی تجویز اپنے باپ کو دی تھی۔ اس کے ساتھ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے رویہ کے بارے بتا دیا کہ جب تم ہمارے ساتھ رہائش رکھو گے اور ہمارے گھرانہ کا فرد بن جاؤ گے تو پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم اچھے لوگ ہیں، آپ کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''کہا میرے اور تیرے درمیان یہ وعدہ ہو چکا، ان دونوں مدتوں میں سے جونسی پوری کردوں تو مجھ پر زیادتی نہ ہو، اور اللہ ہمارے قول پر گواہ ہے۔''

موسیٰؑ کا شعیبؑ کی تجویز کو قبول کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تجویز کو قبول کرلیا اور فرمایا کہ یہ معاہدہ آپ کے اور میرے درمیان ہوگا البتہ ۸ سال پورے کروں یا ۱۰ سال تو یہ میرا اختیار ہو

گا اس میں آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا یعنی جب ۸ سال پورے کر لوں تو آپ مجھے دس سال پورے کرنے پر مجبور نہیں کریں گے اور اگر میں نے اس کے برعکس کیا اور دس سال پورے کیے تو اس پر آپ اعتراض نہیں کریں گے۔ ہمارے اس معاہدہ کا گواہ اور ضامن اللہ ہے۔[1]

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ”پھر جب موسیٰ وہ مدت پوری کر چکا اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلا تو کوہِ طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی، اپنے گھر والوں سے کہا ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم سینکو۔“

موسیٰؑ کی مدین سے روانگی

[1]۔ تفسیر الدر المنثور، ج ۵ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ۱۰ سال کو اختیار کیا کیونکہ انبیاء ہمیشہ فضیلت اور برتری والے پہلو کو اختیار کرتے ہیں یعنی دو میں سے جو زیادہ بہتر تھا وہ دس سال تھا لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے اسی کا انتخاب کیا۔

بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال شعیب علیہ السلام کے پاس پورے کر لیے اور پھر مدین سے مصر کا راستہ لیا، ان کے ساتھ کوئی راہنما بھی راستہ بتانے کے لیے موجود تھا، رات کا وقت تھا، ٹھنڈک تھی، ایسا لگتا ہے کہ راستہ بھٹک جاتے ہیں، دوسری طرف ٹھنڈ سے بے حال ہو رہے تھے کہ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روشنی دیکھی جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ وہ روشنی جو نظر آ رہی ہے وہاں پر آگ جل رہی ہے۔ یقیناً وہاں پر کوئی آدمی بھی موجود ہو گا، تم سب اسی جگہ بیٹھو میں وہاں پر جاتا ہوں تاکہ راستہ کے بارے ہمیں کچھ معلومات مل جائیں، اگر یہ نہ بھی معلوم ہوا تو آگ تو لے آؤں گا اور ہم یہاں پر اپنے لیے آگ جلا کر خود کو گرم کریں گے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو اسی جگہ پر بٹھا کر خود اس روشنی کی جانب روانہ ہو گئے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ”پھر جب اس کے پاس پہنچا تو میدان کے داہنے کنارے سے برکت والی جگہ میں ایک درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں اللہ جہان کا رب ہوں۔“

حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس روشنی کے قریب جانے کے لیے پہاڑ پر پہنچ گئے اور کوشش کر رہے تھے کہ اس روشنی تک پہنچ جائیں۔ لیکن جسے وہ آگ سمجھ رہے تھے کہ اچانک ان کے لیے ایک نئی صورتحال سامنے آئی۔

”شاطی“ شاطی وادی، کنارے یا سیلاب کے معنی میں ہے۔

”بقعة“ زمین کا ایک مخصوص ٹکڑا، حصہ جو اپنے اطراف والی زمین سے کچھ مختلف ہو۔ اس

جگہ کو برکت والی جگہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس جگہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا اور اسی جگہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا قرب ملا۔ درخت وہ مبدء اور شروع ہے جہاں سے آواز آرہی تھی، بظاہر اس خاص جگہ پر درخت موجود تھا اور یہ جگہ وادی کی دائیں جانب تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کی آواز تھی، آواز درخت سے نہیں آرہی تھی، درخت ایسی جگہ قرار پایا کہ جہاں پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی۔ درخت ایک حجاب تھا اللہ تعالیٰ اور موسیٰ کے درمیان و گرنہ کلام تو متکلم کی ذات سے قائم و ثابت تھی اور متکلم خود اللہ تھا تو اللہ ہی موجد کلام ہے اس میں کسی اور شئی کا کوئی دخل نہ تھا۔ البتہ یہ تکلم جس جگہ پر ہو رہا تھا وہ کوہ طور کی وادی تھی۔ اس میں ایک خاص جگہ تھی جہاں پر ایک درخت تھا جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو لایا گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ سے اس کی بات ہو گی۔ درخت کی جانب سے آواز آئی: اے موسیٰ میں رب العالمین ہوں۔ نیز یہ حجاب ایسا ہی ہے جو مقدس الٰہی کی ذات سے مناسبت رکھتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو جو کلام سنائی دی اس میں تین باتیں تھیں:۔

۱۔ توحید، اللہ کی وحدانیت۔

۲۔ رسالت و نبوت کا عنوان۔

۳۔ معاد کی جانب اشارہ۔

موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ جو تم سے ہم کلام ہو رہا ہے وہ رب العالمین ہے جو الوہیت اور ربوبیت میں یگانہ ہے۔ فقط وہی ذات لائق عبادت ہے، تمام عوالم اور سارے جہاں اس کی تربیت اور اس کے نظام کے تحت ہیں۔ اس وجہ سے کسی اور کی اطاعت و عبادت نہیں ہو سکتی کیونکہ پورے عوالم پر اسی کا قانون جاری ہے کسی اور کا نہیں ہے۔

وَ اَنۡ اَلۡقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدۡبِرًا وَّ

لَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓي اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱

ترجمہ: ''اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دے، پھر جب اسے دیکھا کہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو منہ پھیر کر الٹا بھاگا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، اے موسیٰ! سامنے آ اور ڈر نہیں، بے شک تو امن والوں سے ہے۔''

عصا کا سانپ بن جانا

موسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ رب العالمین کی طرف سے پہلا فرمان جاری ہوا کہ اے موسیٰ! یہ جو عصا تیرے ہاتھ میں ہے اسے زمین پر پھینک دو، موسیٰ علیہ السلام نے اسے جیسے ہی زمین پر پھینکا تو لکڑی کا عصا ایک چھوٹا تیز رفتار اور سخت جان سانپ بن گیا اور تیزی سے چلنا شروع کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اسے دیکھ کر گھبرا گئے اور جلدی سے پیچھے مڑے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے تیسری بار موسیٰ علیہ السلام سے تکلم فرمایا: اے موسیٰ واپس آجاؤ، ڈرو مت کیونکہ تم میرے رسول ہو اور رسول میرے قرب کے مقام پر فائز ہیں وہ ہر شر سے محفوظ ہیں، انہیں کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس کلام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرزنش نہیں کی جارہی اور نہ ہی ان پر عتاب ہے کیونکہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام سے سرزد ہوا وہ ایک طبیعی رد عمل تھا اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ دوسری بات یہ کہ انہیں تقرب الٰہی کا اعزاز مل رہا تھا یعنی ابھی تک وہ مقام قرب اور مقام امنیت سے مانوس نہیں تھے لہٰذا ان پر کوئی ملامت نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس کلام سے ان کی راہنمائی فرما دی۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا، اور رفع خوف کے لیے اپنا بازو اپنی طرف ملا، سو تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے یہ دو سندیں ہیں، بے شک وہ نافرمان لوگ ہیں۔''

موسیٰؑ کے دو معجزے

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے دیئے اور دونوں کا عملی مظاہرہ بھی ہو چکا۔ ان میں سے ایک عصا تھا، جب بھی حضرت موسیٰ عصا کو پھینکتے تو وہ سانپ بن جاتا اور جب دوبارہ اسے پکڑتے تو وہ عصا بن جاتا۔ دوسرا معجزہ یہ تھا کہ جب ہاتھ کو گریبان میں لے جاتے اور اسے نکال لیتے تو وہ سفید چمکتا دمکتا روشن چہرہ بن جاتا اور اس سے کچھ تکلیف بھی نہ ہوتی ۔ پھر جب اسے واپس گریبان میں لے جاتے تو پہلی شکل میں معمولی ہاتھ بن جاتا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اب تم فرعون اور فرعونیوں کے پاس جاؤ، جا کر ان کو میرا پیغام پہنچاؤ اور انہیں گناہ سے منع کرو۔ یہ دو معجزے تیری رسالت اور نبوت کے ثبوت ہیں۔ نیز حکم دیا کہ اپنے ہاتھ کو اپنے دل پر رکھو اور اس طرح تواضع اور انکساری کا اظہار کرو، خاضع و خاشع رہو، تکبر اور غرور کو اپنے سے دُور رکھو اور خود پسندی کو اپنے نزدیک آنے نہ دو۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نمائندگی دے کر فرعون اور فرعونیوں کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ اس حکم کے ملنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور کچھ درخواستیں پیش کر دی۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ٹھیک ہے میں یہ سارے کام انجام دیتا ہوں لیکن

اس بارے میری کچھ معروضات ہیں جو اس طرح ہیں:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ”کہا اے میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کیا ہے پس میں ڈرتا ہوں کہ مجھے مار ڈالیں گے۔“

وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ٘ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ”اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ روان ہے اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔“

موسیٰؑ کی اللہ سے درخواست

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سن کر عرض کیا:

ا۔ یا اللہ میں نے تو ان کا بندہ مارا ہوا ہے جب وہ مجھے دیکھیں گے تو وہ مجھے اس کے قتل کے بدلہ میں پکڑ کر مار دیں گے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرا بھائی بات کرنے میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے اور بہتر انداز سے بات کو سمجھا سکتا ہے اسے میرے ساتھ بھیج دو تاکہ وہ میری مضبوطی کا ذریعہ بنے اور جب وہ میری تکذیب کریں تو ہارون میری تصدیق کرے۔ کیونکہ نقل ہوا ہے کہ آپؑ کی زبان میں لکنت تھی خاص کر جب غصہ کی حالت میں بولتے تھے تو جملے پوری طرح ادا نہیں ہوتے اور سننے والے بات کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس درخواست سے غرض یہ تھی کہ میں اس پیغام کو پوری طرح پہنچا سکوں۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيۡكَ وَ نَجۡعَلُ لَـكُمَا سُلۡطٰنًا فَلَا يَصِلُوۡنَ اِلَيۡكُمَا ‌ۛۚ بِاٰيٰتِنَاۤ ‌ۛۚ اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ ۝۳۵

ترجمہ: ''فرمایا ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کردیں گے اور تمہیں غلبہ دیں گے پھر وہ تم تک پہنچ نہیں سکیں گے، ہماری نشانیوں کے سبب سے تم اور تمہارے تابعدار غالب رہیں گے۔''

موسیٰؑ کی درخواست قبولیت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست قبول کر لی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ ہم آپؑ کو آپ کے بھائی ہارون کے ذریعہ مضبوط بناتے ہیں وہ تمہارے طاقتور بازو ہوں گے۔ان کے ہوتے ہوئے وہ لوگ آپ کو قتل نہیں کر سکتے۔ ہماری دلیل آپ کے پاس ہے اور ہم تم دونوں کو ایسا رعب و طاقت اور بالادستی دیں گے کہ وہ تمہارا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔ اس کے ساتھ ایک اہم خبر یہ بھی دی کہ اے موسیٰ دیکھو ہم نے تم دونوں کو جو آیات و معجزات دیئے ہیں ان کی وجہ سے تم اور تمہاری پیروی کرنے والے ان پر غالب آئیں گے۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حوصلہ دیا کہ وہ اللہ کا پیغام لے کر فرعون اور فرعونیوں کے پاس جائیں۔ البتہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رسالت کا کام کرنے کے لیے اللہ سے درخواست کی تھی کے اے رب تعالیٰ ! میرے سینے کو کشادہ کر دے، میری زبان سے گرہ کو کھول دے اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر و مشیر اور جانشین و ہمکار بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ سب درخواستیں قبول کرلیں۔ اس آیت میں اسی تفصیل کا اجمال موجود ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو محض ایک بنایا ہوا جادو ہے اور ہم نے اسے اپنے پہلے باپ دادا سے سنا ہی نہیں ہے۔''

موسیٰؑ فرعون کے دربار میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں آئے اور دربار والوں کو اللہ کی جانب دعوت دی اور کہا کہ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آؤ اور مظلوموں کو آزاد کر دو۔ اپنے پیغام اور اپنی دعوت کی صداقت میں دونوں معجزات پیش کیے تو ان معجزات کو دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ یہ ایک تیار کردہ جادو ہے اور موسیٰؑ اللہ پر جھوٹ باندھ رہا ہے۔ ایسی دینی دعوت تو ہم نے ماضی میں اپنے بڑوں سے نہیں سنی اور کسی بھی زمانہ میں ایسے دین کی پیروی کی بات نہیں ملتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جو دین لے آیا ہے یہ نیا اور من گھڑت دین ہے اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''اور موسیٰ نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور جس کے لیے آخرت کا گھر ہے، بے شک ظالم نجات نہیں پائیں گے۔''

موسیٰؑ کا فرعونیوں کو جواب

موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں سے کہا کہ تم سے بہتر خود اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون اس کی طرف سے ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ آخرت کا گھر کس کے لیے ہو گا۔ اسی رب تعالیٰ نے مجھے توحیدی دین دے کر بھیجا ہے اور اللہ نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ جو توحیدی دین سے روگردانی کرے گا اس کا انجام برا ہو گا اور جس نے توحیدی دین کی پیروی کی تو وہ رستگار و کامیاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تو جس کو چاہتا ہے زمین کا اقتدار اور زمین کی دولت دیتا ہے۔ (سورہ اعراف، آیت ۱۲۸) آخر میں فرعونیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یاد رکھو جو ستمگار ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے زندگی کی روش کو ظلم پر قرار دیا ہے۔ ایسا نظام جس میں انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق عدالت کا نظام موجود نہ ہو ایسا نظام نابود ہو گا۔

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ”اور فرعون نے کہا اے سردارو! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا اور کوئی معبود ہے، پس اے ہامان! تو میرے لیے گارا پکوا پھر میرے لیے ایک بلند محل بنوا کہ میں موسیٰ کے خدا کو جھانکوں، اور بے شک میں اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔“

فرعون کا موسیؑ کی دعوت کو ٹھکرانا

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بات پر اس طرح بات کرنا شروع کیا کہ حضرت موسیؑ کی بات کا اثر ختم ہو جائے۔ اس لیے فرعون نے اپنی اشرافیہ اور وزراء و مقربین سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تو اپنے سوا کسی اور کو نہیں جانتا جو تمہارا معبود ہو اور تمہارے اوپر ان کی اطاعت

لازم ہو لہٰذا موسیٰ علیہ السلام جس رب العالمین کی بات کر رہا ہے تو یہ شخص جھوٹا ہے۔ اپنے وزیر خاص ہامان کو دستور دیا کہ تم پختہ اینٹوں سے ایک برج تیار کرو جو برج ہر جانب سے نمایاں ہو اور نظر آ رہا ہو۔ میں اس کے اوپر جا کر آسمانی طبقات کو دیکھتا ہوں یا ستاروں کا جائزہ لے کر معلوم کرتا ہوں کہ کیا موسیٰ کا رب حقیقت میں موجود ہے۔[1] اس کے بعد کہنے لگا کہ مجھے تو موسیٰ علیہ السلام کے رب کا علم نہیں ہے اور میرے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ بات کو آگے بڑھاتا ہے اور اس طرح اعلان کرتا ہے کہ مجھے تو یقین ہے کہ موسیٰؑ جھوٹ بول رہا ہے۔ کوہ طور پر ایسا کوئی الٰہ موجود نہیں جس کے بارے موسیٰ اعلان کر رہا ہے۔

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ”اور اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین پر ناحق تکبر کیا اور خیال کیا کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔“

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ”پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پھر انہیں دریا میں پھینک دیا سو دیکھ لو ظالموں کا کیا انجام ہوا۔“

---

[1]۔ اس آیت کا مشابہ مضمون سورہ مومن کی آیات ۳۶ اور ۳۷ میں بھی فرعون کی زبانی بیان ہوا ہے۔

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: "اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا وہ دوزخ کی طرف بلاتے تھے، اور قیامت کے دن انہیں مدد نہیں ملے گی۔"

وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: "اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی، اور وہ قیامت کے دن بھی بدحالوں میں ہوں گے۔"

فرعونیوں کا تکبر اور ان کا انجام

فرعونیوں نے متکبرانہ انداز اپنایا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرادیا۔ ان کی یہ حالت ہوئی تھی کہ اس حالت سے واپسی کا امکان معدوم ہو گیا تھا۔ انہوں نے ظلم و برتری طلبی میں دعوت حق کو ٹھکرادیا۔

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾

(سورۂ نمل، آیت ۱۴)

اور انہوں نے ان کا ظلم اور تکبر سے انکار کردیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے، پھر دیکھ مفسدوں کا انجام کیسا ہوا"۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس جرم کی سزا دی اور فرعون اور اس کی فوج کو سمندر میں غرق کردیا۔ اس طرح ذلت و خوارگی ان کا مقدر بنی اور یہ تھا ظلم و ستم کا انجام۔ فرعونیوں نے گمراہی میں دوسروں پر سبقت لے رکھی تھی اور دوسروں کو آتش جہنم جانے کا کہتے تھے جبکہ وہ خود گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہی کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہوں کا امام بنایا۔

ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی انہیں ایسا بنایا ہو بلکہ جب وہ گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو گمراہی کی دعوت دینا شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہوں کا امام قرار دے دیا اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قیامت کے دن آتش جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ یہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے سزا ہے کہ انہیں گمراہوں کا امام بنا دیا اور وہ اس عہدہ کے ساتھ قیامت میں حاضر ہوں گے۔ اس دُنیا میں وہ گمراہوں کے امام تھے، اس لیے لعنتی تھے اور جنہوں نے ان کی پیروی کی ان کا بوجھ بھی ان کی گردن پر ہو گا۔

"وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ" (عنکبوت، آیت ۱۳)

"اور البتہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ اور کتنے بوجھ اٹھائیں گے"۔

لہٰذا اللہ کی رحمت سے دُوری اور لعنت ان کا ہمیشہ مقدر ہے اور آخرت میں بھی ان کا کوئی یاور و مددگار نہ ہو گا۔ وہاں بھی برائی اور لعنت ان کا مقدر ہو گا، ان پر لعنت آخرت میں بھی برس رہی ہو گی۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: "اور ہم نے موسیٰ کو پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد کتاب دی تھی جو لوگوں کے لیے بینائی اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ سمجھیں۔"

موسیٰ علیہ السلام کے لیے کتاب

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ بیان فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے نافرمانی کی وجہ سے بہت ساری اقوام کو ہم نے ہلاک کر دیا اس کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا رسول بنایا اور انہیں

کتاب توریت دی جس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب لوگوں کو بصیرت و آگہی دینے والی ہے۔ اس کتاب میں ہدایت و راہنمائی ہے۔ یہ کتاب لوگوں کے لیے رحمت ہے۔ لوگوں کو ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی تاکہ وہ اسے پڑھیں اور اس کے ذریعے ہدایت پائیں اور اپنے لیے اللہ کی رحمت حاصل کریں۔ اس کتاب کے ذریعہ حق و باطل میں امتیاز کریں اور جو قوانین اللہ نے زندگی گزارنے کے لیے قرار دیئے ہیں ان پر عمل کریں تاکہ اللہ کی رحمت لینے کے حقدار بن جائیں۔ اس کتاب کو نازل کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ لوگ متذکر ہوں، سابقہ بھولی ہوئی باتوں کو یاد کرلیں، اعمال اور عقائد جو ضروری ہیں ان کو جان سکیں، ان کو سمجھ آجائے کہ انہوں نے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ کون سے عقائد رکھنے چاہئیں تاکہ بصیرت پائیں اور کس طرح اللہ تعالیٰ طاغیوں اور باغیوں اور ظالموں کو ہلاک کرتا ہے ان کے جرائم کی وجہ سے اور ان کی جگہ مستضعفین کو مستکبرین کی جگہ اقتدار دیتا ہے۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ”اور تم غربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور نہ اس واقعہ کو دیکھنے والے تھے۔“

وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر مدت دراز گزاری، اور تو مدین والوں میں نہیں رہتا تھا کہ انہیں ہماری آیتیں سناتا، لیکن ہم رسول بھیجتے رہے۔“

محمد مصطفیؐ سے گفتگو

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا کہ اے میرے پیارے رسول! بات یہ ہے کہ جب ہم نے کوہ طور سینا کی مغربی جانب موسیٰ کو توریت جیسی کتاب دی اور ان کے لیے نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا تو آپؐ وہاں پر موجود نہ تھے اور نہ ہی آپ اس سارے واقعہ کے شاہد و گواہ ہیں۔ بات یہ ہے کہ توریت کے نزول کے بعد بہت ساری اقوام آئیں اور انہوں نے لمبی عمریں گزاریں۔ ہم نے آپ کے لیے موسیٰ اور ان کی قوم کے حالات کو بیان کیا ہے۔ آپؐ تو مدین اور قوم شعیبؑ کے درمیان موجود نہ تھے۔ ان پر جو کچھ گزرا اس کا مشاہدہ بھی نہیں کر رہے تھے۔ ہماری آیات ان کے حالات کو بیان کر رہی ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہ رہا ہے کہ جو کچھ سابقہ اُمتوں میں ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم، حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی اقوام، ان سب حالات کو جاننے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ آپ خود وہاں پر موجود ہوتے، آپ وہاں تو نہیں تھے لہٰذا ہم نے وہ سب کچھ آپ کے لیے بیان کر دیا ہے تاکہ آپ ان سابقہ اقوام اور ان کے انبیاء کے واقعات ان مشرکین اور اپنی اُمت کے واسطے سناؤ تاکہ یہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔

وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾

ترجمہ: ”اور توں طور کے کنارے پر نہ تھا جب ہم نے آواز دی لیکن تیرے رب کا یہ انعام ہے تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“

کوہ طور پر رسول اللہؐ کا موجود نہ ہونا

مزید تاکید کے لیے فرمایا کہ جب کوہ طور پر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا دی تھی تو اس وقت آپ اس جگہ موجود نہ تھے، آپ کو ہم نے ان لوگوں کے لیے نذیر بنایا ہے جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا کہ وہ آپ کی بات سن کر سمجھ جائیں۔ آپ کو یہ سب کچھ اس لیے بتایا جا رہا ہے کہ آپ جن لوگوں میں تبلیغ کرنے کے لیے مامور ہیں ان کو ان واقعات سے آگاہ کریں تاکہ وہ اس سے عبرت لیں۔ یہ ہماری رحمت کا تقاضا ہے کہ ہم ایسا کر رہے ہیں۔

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور پاک ﷺ کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں سابقہ انبیاء اور ان کی اقوام کے بارے جو کچھ نازل فرمایا اس کا ایک ہدف خود رسول اللہ ﷺ کو ان واقعات سے آگاہ کرنا تھا۔ آپ کو ان اقوام کے واقعات اس طرح بیان کیے جائیں جیسے آپ ان کے درمیان موجود تھے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے لوگوں کے سامنے ان واقعات کو بیان کریں تو وہ ان اقوام کے حالات کو سن کر ہدایت پائیں۔

وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ تُصِیۡبَہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ فَیَقُوۡلُوۡا رَبَّنَا لَوۡ لَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ وَ نَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اپنے ہی اعمال کے سبب سے ان پر مصیبت نازل ہو جائے پھر کہتے اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیرے حکموں کی تابعداری کرتے اور ایمان والوں میں ہوتے۔“

اتمام حجت کے لیے رسول بھیجنا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجنے کا ہدف بیان کیا ہے کہ اگر لوگوں کے پاس رسول نہ بھیجا جاتا اور پھر وہ لوگ جنہوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا اور ہماری اطاعت سے گریزاں ہوئے ،اس بناء پر انہیں ہلاک کر دیتے یا عذاب میں مبتلا کر دیتے تو وہ احتجاج کرتے کہ یا رب آپ نے

تو ہمارے پاس رسول نہیں بھیجا تاکہ ہم اس کی بات سنتے اور ہم بھی دوسروں کی طرح مومن ہوتے اور تیرے عذاب سے بچ جاتے لٰہذا بغیر رسول کے ہمیں عذاب دینا تو ٹھیک نہیں ہے۔ لٰہذا ہم نے ہر اُمت کی ہدایت کے لیے رسول بھیجا تاکہ ان پر اتمام حجت ہو جائے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۛ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے کیوں نہیں دیا گیا جیسا موسٰی کو دیا گیا تھا، کیا انہوں نے اس چیز کا انکار نہیں کیا تھا جو موسٰی کو اس سے پہلے دی گئی تھی، کہنے لگے دونوں جادوگر آپس میں موافق ہیں، اور کہا ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔''

مشرکین کی بہانے تراشیاں

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے انکاری تھے ان کے حوالے سے بیان کیا جا رہا ہے کہ ہم نے تو اتمام حجت کے لیے اور یہ کہ ان کے پاس کوئی بہانہ نہ ہو کہ ہمارے پاس تو رسول نہیں بھیجا؛ اگر رسول آتا تو ہم بھی مومن ہوتے، ان کے پاس رسول بھیجا اور آسمانی کتاب بھی نازل کی لیکن انہوں نے اس پر ایمان لانے کی بجائے بہانے بنانے شروع کر دیئے۔ جیسے ہی ان کے پاس ہماری جانب سے قرآن آگیا تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت جیسی کتاب کیوں نہیں دی گئی؟ یعنی قرآن کتاب توریت کی طرح ایک

ہی مرتبہ نازل کیوں نہیں ہوا؟ تھوڑا تھوڑا، آیت با آیت کیوں نازل ہوا؟[1]

تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کا جواب دیا ہے کہ کیا انہوں نے کتاب توریت کا انکار نہیں کیا؟ کیا انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ توریت اور قرآن دونوں ہی سحر ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں اس لیے ہم دونوں کو نہیں مانتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اصل ثبوت کے منکر ہیں، ان کی باتیں بہانے تراشیاں ہیں، عذر تراشتے رہتے ہیں۔ یہ تو پہلے توریت پر بھی ایمان نہیں لائے تھے۔

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۹

ترجمہ: ”کہہ دو پس اللہ کے ہاں سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بڑھ کر ہو کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو۔“

مشرکین کو جواب

اس آیت میں مشرکین کو جواب دیا گیا ہے کہ اب جب تم یہ کہہ رہے ہو کہ توریت اور قرآن دونوں سحر و جادو ہیں تو پھر ایسا کرو کہ تم اللہ کی جانب سے کتاب لے آؤ جو قرآن اور توریت سے بہتر ہو اور اس میں ان دونوں سے بہتر ہدایت و راہنمائی بیان کی گئی ہو۔ اگر تم ایسا کر لیتے

---

[1]۔ اس بارے سورۂ فرقان آیت ۳۲ میں آیا ہے کہ کفار کہتے تھے: ”وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً“ ”اور کفار کہتے ہیں: اس (شخص) پر قرآن یکبارگی نازل کیوں نہیں ہوا؟“

ہو تو اے میرے رسول ان سے کہہ دو پھر میں تمہاری پیروی کروں گا۔ یہ بات درحقیقت انہیں بتائی جا رہی ہے تم اس سے عاجز ہو کہ ایسا کر سکو۔ توریت اور قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب ہدایت کے لیے اللہ کی طرف سے موجود ہو جو ان دونوں سے بہتر ہو تو اسے پیش کر دو؛ معلوم ہے کہ کوئی ایسی کتاب موجود ہی نہیں جسے وہ پیش کر سکیں۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۟۵۰

ترجمہ: ''پھر اگر تمہارا کہنا نہ مانیں تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کے تابع ہیں، اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہشوں پر چلتا ہو، بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔''

مشرکین نفسانی خواہشات کے پیروکار

اس جگہ کافروں کی کمزوری کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ ایک بات کرتے ہیں لیکن قرآن اور توریت کے علاوہ کوئی اور کتاب پیش نہیں کر سکتے جو ان سے زیادہ کامل اور زیادہ ہدایت پر ہو جبکہ توریت اور قرآن کو سحر و جادو کہہ رہے ہیں اور اس وجہ سے ان پر ایمان نہیں لاتے۔ تو جان لیں کہ یہ لوگ حق و حقیقت کے خواہاں نہیں ہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور بنیادی طور پر یہ اصل نبوت کے قائل ہی نہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر گزاریں۔ آخر میں استفہام انکاری کے ذریعے اس گفتگو و بیان کا نتیجہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ان سے زیادہ گمراہ اور کون ہے جو اللہ سے ہدایت لینے کی بجائے نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ یقینی امر ہے کہ ہوا و ہوس کی پیروی اور حق سے رُخ موڑ لینا اور

ہدایت و رشد کے راستہ سے منحرف ہونا بالکل ظلم ہے اور اللہ ظالم کی ہدایت نہیں فرماتا لہٰذا ایسے افراد ہدایت یافتہ نہیں، یہ گمراہ ہیں۔

وَ لَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''اور البتہ ہم ان کے پاس ہدایت بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔''

وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ''اور جب ان پر پڑھا جاتا ہے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، ہمارے رب کی طرف سے یہ حق ہے، ہم تو اسے پہلے ہی مانتے تھے۔''

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دگنا بدلہ ملے گا اور بھلائی سے برائی کو دور کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

قرآن کا نزول

قرآن کے بارے میں بتایا کہ ہم نے قرآن کی آیات اور اس کے اجزا کو ایک دوسرے سے مربوط

اور متصل قرار دیا ہے۔ ایک آیت کے بعد دوسری آیت، ایک سورہ کے بعد دوسری سورہ، یہ سب ایک مربوط و متصل سلسلہ ہے۔ قرآن اُتارنے کی غرض یہ ہے کہ اس میں جو حکمتیں، مواعظ، قصص، احکام، اخلاق، نصائح، نیکیوں پر ثواب کی نوید اور دنیوی خلاف ورزیوں پر سزا کا تذکرہ، یہ سب کچھ سن کر لوگ حقیقت کو سمجھ لیں اور اس سے استفادہ کریں اور اس کے مطابق زندگی گزاریں۔

قرآن پر ایمان لانے والے

ان آیات میں اہل کتاب میں قرآن پر ایمان لانے والوں کی مدح کی گئی ہے۔ تمام اہل کتاب کی تعریف نہیں کی بلکہ فرمایا ہے کہ ان میں سے جو قرآن پر ایمان لائے، جنہوں نے یہ کہا کہ ہمارے پاس قرآن جیسی کتاب پہلے بھی آئی، وہ حق کے کلام کو پہچانتے ہیں اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اس لیے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ جب وہ قرآن کی تلاوت سنتے ہیں تو اس پر ایمان لے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو وہ ہی حق ہے جس کے بارے ہم پہلے سے آگاہ تھے اور اس کو جانتے تھے، اس کے آنے سے پہلے اس پر ہمیں یقین تھا اسے تسلیم کرتے تھے۔ یہ دین جس کی طرف قرآن دعوت دے رہا ہے اور اس دین کا نام اسلام قرار دیا ہے، اس پر ہمارا پہلے سے ایمان تھا۔

ایمان لانے والے اہل کتاب کا اجر

اہل کتاب کی ایک تعداد جو قرآن پر ایمان لائے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے، حق پر پردہ نہ ڈالا تو ان کے لیے اللہ کی طرف سے دو اجر ہیں۔ ایک اجر اس کا ہو گا کہ ان کا اپنی کتاب پر ایمان تھا اور ایک اجر اس حوالے سے ہو گا کہ وہ قرآن پر ایمان لے آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا دوسرا ایمان، پہلے ایمان کے بعد تھا۔ انہوں نے اپنی خواہشات کی مخالفت کی اور دونوں

اجر ایمان لانے میں نفسانی خواہشات کی مخالفت کو برداشت کیا، اسی طرح دوسرے منکرین کے طعنوں اور اعتراضات اور ان کی طرف سے ان پر وارد کی گئی سختیوں کو بھی برداشت کیا۔

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال تمہارے لیے تمہارے اعمال، تم پر سلام ہو، ہم بے سمجھوں کو نہیں چاہتے۔''

ایمان لانے والے اہل کتاب کی خصوصیات

''لغو'' بے ہودہ اور سخت قسم کی بات، تندی اور بے جہت بات کو کہتے ہیں۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ان کے مخالفین نے ان کے ساتھ سخت رویہ اپنایا اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے، ان کے بارے گھٹیا قسم کی باتیں کیں، آوازے کستے، لیکن وہ ان کی بے ہودہ اور کمینگی پر مبنی باتوں پر گھبرائے نہیں اور نہ ہی ان سے الجھے بلکہ ان سے رخ موڑ لیا اور ان سے آرام سے یہ کہا کہ بھائی تمہارا عمل تمہارے لیے اور ہمارا عمل ہمارے لیے، ہم تمہیں نقصان نہیں دیں گے، تم بھی ہمیں نقصان نہ دو، اور ساتھ کہہ دیا کہ تم پر سلام ہو۔ مقصد یہ تھا کہ ہر ایک اپنے اپنے عقیدہ پر رہے اور دوسرے کے عقیدے میں مداخلت نہ کرے۔ آرام و سکون سے رہیں، جھگڑے سے بچیں اور ساتھ واضح کر دیا کہ ہم تو جاہلوں کے ساتھ معاشرت ہی نہیں رکھنا چاہتے۔ ان کی کوشش ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے ان سے بات چیت بھی ختم ہو جائے وہ اپنے حال میں رہیں اور ہم اپنے حال میں رہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ”بے شک تو ں ہدایت نہیں کر سکتا جسے تو چاہے لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے، اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے۔“

اللہ کی ہدایت

اس آیت میں ہدایت سے مراد راہنمائی نہیں بلکہ اس سے ہدف تک پہنچانا مقصود ہے جس کی بازگشت قلب و دل میں ایمان کے اضافہ کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ ہدایت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری سے باہر ہے یہ تو فقط اللہ کا کام ہے۔ اس امر میں کسی اور کی شراکت نہیں ہے۔ اسی بات کے تسلسل میں فرمایا: اللہ ہی زیادہ دانا ہے کہ کون ہدایت کو قبول کرتا ہے، اے رسول آپ کا کام راہنمائی کرنا ہے جبکہ ہدایت اور مقصود تک پہنچانا اور کسی کے دل میں ہدایت ڈال دینے کو اللہ پر چھوڑ دو، یہ آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ لہٰذا رسول کے رشتہ دار اور قبیلہ والے ہدایت نہ پا سکے جب کہ رسول اللہؐ تو چاہتے تھے کہ وہ سب سے پہلے ہدایت پا جائیں۔ انہوں نے نفسانی خواہشات کی پیروی کی اور ہدایت سے محروم ہو گئے۔ پیغمبر جس قوم کو پسند کرے کہ وہ ہدایت پا جائیں تو وہ توفیق نہیں پا سکتے جبکہ اہل کتاب جو پیغمبر اکرمؐ کی قوم و قبیلہ سے نہیں تھے اپنی ذاتی آمادگی کی وجہ سے اللہ نے انہیں ہدایت دے دی ہے، ان کے دل پر ایمان کا فیضان کر دیا ہے لہٰذا ہدایت یعنی ایمان کا حصول، اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون ہدایت کو قبول کرتا ہے۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت پر چلیں تو اپنے ملک سے اچک لیے جائیں، کیا ہم نے انہیں حرم میں جگہ نہیں دی جو امن کا مقام ہے جہاں ہر قسم کے میووں کا رزق ہماری طرف سے پہنچایا جاتا ہے لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔''

کچھ مشرکین کا بہانہ

''تخطف'' تیز آلینا، اُچک لینا، قتل کرنا، قیدی بنانا، غارت کرنے کے معنی میں ہے۔ وہ مشرکین جو اصل نبوت کا تو اقرار کرتے تھے لیکن ایمان لانے کے لیے یہ عذر پیش کرتے تھے کہ اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور جو ہدایت آپ لائے ہیں اس کی پیروی کریں تو باقی عرب اقوام ہمیں مکہ کی سرزمین سے نکال دیں گی، ہمارے اوپر حملہ کر دیں گے، ہمارے مال و اہل کو ہلاک کر دیں گے کیونکہ سارے عرب مشرک ہیں۔ اگر ہم ایمان لائے تو وہ ہمارے مخالف ہو جائیں گے چنانچہ ہم اپنے اموال اور جانوں کی حفاظت کی خاطر ایمان نہیں لاتے۔

مشرکین کے بہانے کا جواب

اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی بہانہ تراشی کے جواب میں کہا کہ تم بھول گئے ہو کہ ہم نے تمہیں مکہ میں سکونت دی اور اسے شہر امن قرار دیا ہے۔ اس کے لیے کیا ہم نے حرمت و احترام کا

قانون وضع نہیں کیا کہ سارے عرب اس کا احترام کریں، اس کی تعظیم کریں! پھر ہم نے تمام جگہوں سے روزی کو اس شہر کی طرف پہنچانے کا انتظام کیا، یہ روزی ہماری طرف سے ہے۔ ہر جگہ سے میوہ جات اس شہر میں لائے جاتے ہیں لہٰذا تمہیں اس کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم ایمان لاتے ہو تو کوئی بھی مکہ پر حملہ نہیں کرے گا ایسا نہیں ہوگا کہ مکہ کی جانب کوئی کاروان نہ آئے اور نہ ہی روزی میں رکاوٹ آئے۔ یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ ہی مدبر ہے، تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی نے تمہیں پہلے وافر مقدار میں روزی دی ہے، ایمان لانے کے بعد بھی وہی روزی کا انتظام کرے گا۔ ان کا یہ خیال غلط ہے کہ مکہ کی حرمت کی پاسداری اور ان کی روزی کی ضمانت اس شرک کی وجہ سے ہے جو انہوں نے اپنا رکھا ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے، یہ سب اللہ کا اپنا انتظام ہے لہٰذا ان کا بہانہ بلاوجہ ہے بلکہ نفسانی خواہشات کی پیروی انہیں دعوت حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ ہے۔

وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸

ترجمہ: ”اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے، سو یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور ہم ہی وارث ہوئے۔“

مشرکین کو دوسرا جواب

یہ آیت سابقہ آیت میں بیان شدہ کفار کے اعتراض کا جواب ہے اور کہا گیا ہے کہ تمہارا شرک پر رہنا اور ایمان نہ لانا اس بات کا سبب نہیں ہوگا کہ تم اس جگہ رہائش پذیر رہو اور تم ان ساری

نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے رہے ہو، کیونکہ بہت سی آبادیاں تھیں جو بہت ہی خوشحال تھیں ہر طرف سے ان پر برکتیں آتی تھیں، انہوں نے سرکشی کی، مغرور ہو گئے تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اس طرح ہوا کہ ان کی آبادیاں خالی ہو گئیں، کوئی نہ بچا جو ان گھروں میں رہائش پذیر ہو۔ اس کے بعد وہاں کوئی ساکن نہ ہوا مگر تھوڑے عرصے بعد جب وہاں سے کوئی کاروان گزرا تو اس نے تھوڑی دیر وہاں پر قیام کیا، ان میں سے کوئی نہ بچا جو ان جگہوں کا مالک بنتا اسلیے ہم ان کے وارث ہیں کیونکہ ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ان کی رہائش گاہوں کا شروع دن سے ہی حقیقی مالک اللہ ہی تھا۔ اللہ نے انہیں مالک بننے کا اختیار دیا جب انہوں نے اللہ کی کھلی نافرمانی اور سرکشی کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس اختیار کو ان سے چھین لیا لہٰذا اگر تم ایمان نہ لاؤ گے اور خیال کرتے ہو کہ اسی شرک پر باقی رہو گے تو ان ساری نعمتوں سے بہرہ ور ہو گے تو سابقہ اقوام کے حالات کا جائزہ لو۔ یہ سب ہمارے اختیار میں ہے کہ کس کو کیا نعمت دینی ہے کس کو نہیں دینی۔

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹

ترجمہ: ”اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک ان کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے، اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں۔“

آبادیوں کی تباہی و ویرانی

ام القریٰ سے مراد شہر کا مرکز ہے۔ ایسی جگہ جس کی طرف سب لوگ رجوع کرتے ہیں، اسے مرکزی شہر بھی مراد ہوتا ہے۔ ایسا شہر جس کی طرف دوسری چھوٹی بڑی آبادیاں رجوع کرتی

ہیں اسی حوالے سے مکہ معظّمہ کو اُم القریٰ کہا گیا ہے کیونکہ یہ ایسا شہر ہے جس کی طرف پوری دُنیا میں رہنے والے رجوع کرتے ہیں۔ یہ تمام شہروں میں مرکزی شہر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ام القرایٰ کا یہ معنی بھی ہے کہ جو سب آبادیوں کی بنیاد اور اساس ہو اس معنی کی بنیاد پر زمین کا پہلا خلق ہونے والا حصہ مکہ مکرمہ ہے اس کے بعد دنیا کی باقی جگہیں بنیں۔

اللہ کا قانون

اللہ تعالیٰ کسی بھی آبادی پر اپنی حجت تمام کرنے سے پہلے اس کی آبادی کو ختم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اپنا رسول ان کے پاس بھیجتا ہے جو ان کے سامنے اللہ کی نشانیوں کو بیان کرتا ہے انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ جب وہ رسول کو جھٹلاتے ہیں، اللہ کی آیات کا انکار کر دیتے ہیں، سرکش ہو جاتے ہیں تو اس کے نتیجے میں اللہ انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔ اس بنا پر اس شہر کے لوگوں کا ستمگار ہونا ہی ان کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ اے مشرکین مکہ اگر تم آج اللہ کے رسول کا انکار کرو گے اور اللہ کی آیات کو جھٹلاؤ گے تو تمہارا حشر بھی سابقہ اقوام جیسا ہوگا جنہوں نے سرکشی کی تھی۔ یہ بیان پیغمبر اکرم ﷺ کی تسلی کے لیے ہے اور ان کی دلیل کو اور مضبوط کر دیا ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰

ترجمہ: ”اور جو چیز تمہیں دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے، جو چیز اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، کیا تم نہیں سمجھتے۔“

دُنیاوی نعمات کی بے ثباتی

دُنیا میں انسان کے لیے جتنی نعمات اور وسائل ہیں یہ سب اس جہاں میں زندہ رہنے کے لیے

ہیں اور یہاں پر ہی یہ نعمات انسان کی زینت ہیں، اس کی خوشحالی کے اسباب ہیں لیکن ان سب نے ختم ہو جانا ہے، ان کو بقاء نہیں ہے۔ اس دُنیا میں جو کام اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق انجام دیئے جائیں گے تو وہ آخرت کے لیے ذخیرہ ہوں گے۔ یہ ایمان اور خدا کے احکام کی پیروی کا ثمر ہے۔ لہٰذا اس پر توجہ دی جائے، اس پر غور کیا جائے، اسے سمجھا جائے۔ آخرت کی زندگی بہتر اور پائیدار ہے اسے دُنیاوی زندگی اور دُنیا کے مال و متاع پر ترجیح دی جائے جو فنا ہو جانا ہے۔ فرض کر لیں کہ باقی جگہوں کے عرب تمہیں اس جگہ سے نکال دیں گے تو آپ لوگ حملہ آور کی وجہ سے جو کچھ اپنے ہاتھ سے دوگے تو وہ دنیاوی متاع ہے۔ ایمان کے نتیجہ میں آخرت کی سعادت ہے جس کے لیے بقاء ہے۔ یہ مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: ”پھر کیا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو سو وہ اسے پانے والا بھی ہو اس کے برابر ہے جسے ہم نے دنیا کی زندگی کا فائدہ دیا پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آئے گا۔“

مشرکین کے لیے بیان شدہ مطالب کی مزید تشریح

ان آیات میں سابقہ آیات کی وضاحت بیان ہوئی ہے۔ ان آیات میں ہوا و ہوس اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں اور اللہ پر ایمان لانے والوں اور نفسانی خواہشات کی مخالفت کرنے والوں کے درمیان تقابل کیا گیا ہے۔ ایمان لانے والوں کو جنت الفردوس کا وعدہ دیا گیا ہے ان کے لیے اللہ کی مغفرت ہے اور یہ وعدہ پورا ہو گا کیونکہ اللہ کا وعدہ حق پر مبنی ہے۔ دوسرا گروہ جو دُنیاوی زندگی کا طالب ہے اور دُنیاوی معمولی فوائد پر دل لگا بیٹھا ہے، نفسانی

خواہشات کا پجاری ہے تو یہ گروہ اس اچھے وعدہ سے محروم ہو گا۔ انہیں قیامت کے دن عذاب دینے کے لیے حاضر کیا جائے گا۔ اس دن جھوٹے خدا ان کی بالکل مدد نہیں کریں گے۔ پھر استفہام انکاری کے تحت سوال کیا گیا ہے کہ کیا یہ دو گروہ برابر ہیں؟ ظاہر ہے برابر نہیں!

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ''اور جس دن انہیں پکارے گا پھر کہے گا میرے شریک کہاں ہیں جن کا تم دعوی کرتے تھے۔''

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: ''جن پر الزام قائم ہو گا وہ کہیں گے اے رب ہمارے! وہ یہی ہیں جنہیں ہم نے بہکایا تھا، انہیں ہم نے گمراہ کیا تھا جیسا کہ ہم گمراہ تھے، ہم تیرے روبرو بیزار ہوتے ہیں، یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے۔''

خودساختہ شرکاء کے بارے سوال

جب قیامت کا دن ہو گا، سب لوگ حساب دینے کے لیے حاضر ہوں گے، جو لوگ مشرک تھے اور انہوں نے اللہ کے شرکاء بنا رکھے تھے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم ان شرکاء کو بلا کر لے آؤ جن کی تم پرستش کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ دُنیا کے بعض امور کی تدبیر ان کے ہاتھ میں ہے۔ مشرکین اس دن دھتکارے ہوئے ہوں گے، ان کا کوئی یاور و مددگار نہ ہو گا۔ ان سے کہا جائے گا کہ وہ شرکاء اب کہاں ہیں؟ یہ سرگرداں ہوں گے کہ ان کو کہاں سے لے آئیں۔

خود ساختہ شرکاء کا بیان

اس دوران مشرکین کے خود ساختہ شرکاء جن کو انھوں نے اللہ کا شریک بنایا تھا خود بول اٹھیں گے اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے انہیں گمراہ نہیں کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے۔ یہ لوگ اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے، ہم نے انہیں اس پر مجبور نہیں کیا تھا، ہم ان سے ان کے اختیار کو چھین بھی نہیں سکتے تھے۔ ہم اپنے اختیار سے خود گمراہ ہوئے تھے، ہمیں بھی کسی نے مجبور نہیں کیا تھا۔ اے ہمارے رب! اب ہم ان مشرکین سے مکمل طور پر بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ انھوں نے شرک کا جرم کیا تو خود انھوں نے کیا، ہم نے انہیں اس جرم پر مجبور نہیں کیا، ان کی ہمارے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ قیامت کے دن کفر و گمراہی کے ائمہ و قائدین اپنے پیروکاروں سے واضح الفاظ میں مکمل طور پر بیزاری کا اعلان کریں گے۔

وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ”اور کہا جائے گا اپنے شریکوں کو پکارو پھر انہیں پکاریں گے تو وہ انہیں جواب نہ دیں گے اور عذاب دیکھیں گے، کاش یہ لوگ ہدایت پر ہوتے۔“

مشرکین کے نام آواز

قیامت کے دن مشرکین کو آواز دی جائے گی: اے مشرکو! غور سے سنو، اب تم ان کو اپنی مدد کے لیے بلاؤ جن کو تم نے دُنیا میں ہمارا شریک بنایا تھا۔ مشرکین ادھر ادھر دیکھیں گے، اپنے شرکاء کو آواز دیں گے لیکن کسی سے کوئی جواب نہ آئے گا اور ان معبودوں میں سے کوئی بھی ان کی مدد کرنے پر حاضر نہ ہوگا۔ یہ اس سے پریشان ہوں گے، سامنے عذاب نظر آرہا ہوگا تو اس وقت پکار اٹھیں گے کہ اے کاش! ہم نے ہدایت پائی ہوتی اور آج اس صورتحال سے

دوچار نہ ہوتے۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶۵

ترجمہ: ''اور جس دن انہیں پکارے گا پھر کہے گا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو کیا جواب دیا تھا۔''

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۶۶

ترجمہ: ''پھر اس دن انہیں کوئی بات نہیں سوجھے گی پھر وہ آپس میں بھی نہیں پوچھ سکیں گے۔''

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝۶۷

ترجمہ: ''پھر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے سو امید ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہوگا۔''

قیامت کے دن مشرکوں پر اعتراض

قیامت کے دن مشرکوں پر اعتراض کیا جائے گا کہ دُنیا میں تمہارے پاس رسول آئے، انہوں نے تمہیں ہماری آیات بیان کیں، ہماری طرف دعوت دی لیکن تم نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ دُنیا میں تم نے ایمان اور عمل صالح کی دعوت کو ٹھکرا دیا لیکن اب تم اس حالت میں آچکے ہو کہ نجات کا راستہ تمہارے لیے ہر طرف سے بند ہے اور سارے اسباب ختم ہو چکے ہیں۔ اب ان کی ایسی حالت ہو گی کہ وہ عذاب کی شدت کی وجہ سے کسی سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکیں گے کہ کیا ہو رہا ہے۔ ان کے لیے نجات کی کوئی بھی اُمید نہ بچی ہو گی۔ ان کے پاس

معذرت خواہی کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا ہوگا جس کے ذریعے وہ خود کو عذاب سے نجات دلا سکیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو بھی نہ کر سکیں گے تاکہ اس صورتحال سے نکلنے کے لیے باہمی مشورہ کر سکیں۔ ہر شخص اپنی ذات میں گم ہوگا کسی کو دوسرے کی خبر تک نہ ہو گی۔ یہ ان لوگوں کی صورتحال ہوگی جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا، دُنیا میں اللہ کی طرف رجوع نہ کیا۔ لیکن جو دُنیا میں اللہ کی طرف رجوع کرتے رہے، اللہ پر ایمان لے آئے، نیک اعمال انجام دئے تو ان کے لیے نجات کی اُمید ہے۔ ایسے لوگ کامیاب اور عذاب سے نجات کے اُمیدوار ہیں۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: ''اور تیرا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہے پسند کرے، انہیں کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔''

خلقت اللہ کے ہاتھ میں

ساری چیزوں کی ایجاد اور تمام اُمور کی خلقت کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ عالَمِ وجود میں اللہ کے سوا کوئی تاثیر گذار نہیں ہے اور کوئی اس پر اثر انداز بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے سامنے کوئی رکاوٹ بھی کھڑی نہیں کر سکتا۔ خلقت کا اختیار فقط اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ قانون سازی کا حق بھی اسی کا ہے۔ تکوین اور تشریع (قانون سازی) کا پورا نظام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ جو چاہے قانون بنائے، اسی کا اختیار ہے کسی اور کا اختیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح خلق فرمایا ہے کہ وہ شریعت میں بتائے گئے کاموں کو انجام دے کر اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان کو ترک کرکے کمال اور سعادت تک پہنچ سکتا ہے۔

تکوینی اختیار

اس میں شک نہیں کہ تکوینی اعتبار سے انسان کو اس کے کاموں کا اختیار دیا گیا ہے۔ اگر وہ کسی کام کو انجام دیتا ہے تو اپنے ارادے سے انجام دیتا ہے اور اگر کسی کام کو ترک کرتا ہے تو وہ بھی اسی کے ارادے ہی سے ہے۔ کسی کام کو انجام دینے یا ترک کرنے کا اختیار تکوینی طور پر انسان کو ملا ہوا ہے۔ اور اس حکم میں سارے انسان شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو طبعاً و فطرتاً آزاد و بااختیار خلق فرمایا ہے۔ مگر یہ کہ کوئی انسان خود اپنے اختیار سے اپنا اختیار کسی دوسرے کے سپرد کردے اور اپنی حریت اور آزادی کو خود محدود کردے۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کا اختیار

انسان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور انسان اللہ کا ہی مِلک ہے۔ انسان کی ذات اور اس سے سرزد ہونے والے افعال سب اللہ کی مالکیت میں ہیں۔ اللہ کی مالکیت لامحدود ہے۔ تکوینی اعتبار سے انسان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کے بارے میں قانون و تشریع کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان اپنے لیے خود قانون نہیں بنا سکتا۔ انسان کے لیے قانون بنانے کا اختیار اس کے خالق اور مالک کے پاس ہے۔ اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ انسان کو بتادے کہ اس نے کس طرح کام کرنے ہیں کس طرح رہنا ہے، اپنا تکوینی اختیار کس طرح استعمال کرنا ہے۔ لہٰذا اپنے لیے قانون بنانے میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس میں انسان کے لیے کوئی آزادی نہیں ہے۔ وہ تو خالص اللہ کا مِلک ہے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے کہ وہ اپنے مِلک میں کیسا تصرف کرے۔ مملوک کا کام ہوتا ہے مالک کی مرضی کے مطابق کام کرے اور بس! مالک کے سامنے زباں اعتراض کھولنے کا اسے حق نہیں ہے۔ اللہ نے قانون بنانے میں کسی اور کو اپنا شریک نہیں بنایا۔ اللہ ہر احتیاج سے منزہ ہے اور کسی کو شریک بنانا احتیاج ہے۔ اللہ اس امر سے پاک ہے کہ وہ کسی کو اپنا شریک بنائے۔ اللہ کمال مطلق ہے اور ہر نقص و عیب اور احتیاج

سے پاک ہے۔ انسان کا کام ہے کہ اس کے مالک نے اس کے لیے جو قانون بنایا ہے وہ اسی کے تحت اپنے تکوینی اختیار کو استعمال کرے کیونکہ انسان کے اختیار کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے طے کرنا ہے کہ انسان نے اس اختیار کا استعمال کیسے کرنا ہے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا اور اللہ کے قانون کے خلاف اپنا اختیار استعمال کرے گا تو انسان باغی اور مجرم ہوگا اور اسے سزا ملے گی۔

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: "اور تیرا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں۔"

وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَ الْاٰخِرَةِ ٞ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: "اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے، اور اسی کی حکومت ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

اللہ کی حاکمیت اور بلند شان

اللہ ہی سینوں کے رازوں سے آگاہ ہے۔ ہر چیز اللہ کے علم میں ہے کیونکہ لوگوں کے رازوں کا مخزن ان کا سینہ ہوتا ہے اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کے ہر چیز سے آگاہ ہونے کے متعلق کنایہ ہے۔ اللہ کا علم لامحدود ہے۔ اس وجہ سے اللہ انسانوں کے ظاہری اور باطنی گناہوں سے آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت ایسے اعمال کا انتخاب کیا ہے جن کے وسیلہ سے انسانوں کو پاک و منزہ بنانا چاہتا ہے۔ اللہ ہی معبود یکتا ہے۔ اختیار مطلق اسی کا ہے، سب نے اللہ کی عبادت کرنی ہے۔ اس لحاظ سے دُنیا اور آخرت کا ہر کمال اور ہر خیر ایک نعمت ہے جو اللہ کی طرف سے عطا

ہوئی ہے۔ ان کمالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ثنائے جمیل کا حقدار ہے۔ ہر نعمت اللہ کے ذاتی کمال اور اللہ کی ذاتی صفات سے نشأت پکڑتی ہے۔ اس لیے اللہ ہی لائق حمد ہے، کوئی بھی چیز حمد و ثنا میں مستقل نہیں ہے۔ لہٰذا ہر حمد اور ہر تعریف اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ نتیجہ میں ہر موجود کی جانب سے حمد اور ثنا آخرکار اسی کی ذات پر منتہی ہوتی ہے اس لیے ہر حمد اور ہر ثناء اسی کے لیے ہے۔ عبادت قولی اور عملی کا تنہا مستحق وہی ہے۔

دوسری جانب اللہ مالک علی الاطلاق ہے، پورے عالم کا مالک وہی ہے اس کے سوا کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ تشریع اور قانون سازی اور اعتبار کے مرحلہ میں بھی مالک ہے، تکوین اور حقیقت کے مرحلہ میں بھی وہی مالک ہے، اس کے ملک کے آثار سے ہے کہ فقط وہی ہے جو اپنے بندوں پر حکم چلا سکتا ہے۔ اللہ کا حکم یہ ہے کہ انسان اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرے۔ آخر میں فرمایا ہے: سب اس کی طرف پلٹ کر جائیں گے اس کے پاس واپسی کا مقصد انسان کے اعمال کا حساب اور ان کو جزاء دینا ہے۔ بازگشت اسی کی طرف ہے اور وہی حساب لینے والا اور جزا دینے والا ہے۔ کسی اور کو نہ تو حکم دینے کا اختیار ہے اور نہ ہی جزا دینے کا اختیار ہے اور نہ ہی کوئی اور حساب لینے کا حق رکھتا ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ صرف اسی کی عبادت کرے اور اسی کی حمد و ثناء بجالائے۔ جو نظام و دین بنایا ہے اسی کے مطابق زندگی گزارے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: ”کہہ دو بھلا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے روشنی لائے، کیا تم سنتے نہیں ہو۔“

رات اور قیامت کا تعلق

اس آیت میں رات کو قیامت کے دن سے مقید کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن کے طلوع کے بعد رات نہیں آئے گی۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ رات کو ہمیشہ کے لیے برقرار رکھتا اور اسے قیامت تک کھینچ کر لے جاتا تو تمہارے فرضی خداؤں سے کون سا ہے جو اللہ کے قانون کو توڑتا اور تمہارے لیے دن کا نور لے آتا تاکہ تم رات کی تاریکی سے نجات پالو اور دن کی روشنی میں تم اپنے روزگار کی تلاش کے لیے جاؤ۔ اس کے بعد تذکر اور توجہ دلانے کے لیے فرمایا: کیا تمہارے لیے سمجھنے اور سوچنے والے کان نہیں ہیں تاکہ تم اس بات کو سمجھ سکو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور رب موجود نہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ”کہہ دو بھلا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے رات لائے جس میں آرام پاؤ، کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔“

قیامت اور دن کا تعلق

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ دن کو برقرار رکھے اور شام نہ آئے اور اس روشن دن کو قیامت سے متصل کر دیا جاتا تو پھر جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے ذرا بتاؤ ان میں سے کوئی ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آتا تاکہ تم اس میں آرام کر سکو اور دن کی تھکاوٹ کو دُور کر سکو۔ کیا تم اس بات کو دیکھ نہیں رہے اور اس کو سمجھتے نہیں ہو کہ تنہا معبود اور یکتا مدبر اللہ ہے؟ صورتحال تو اسی طرح ہے لیکن ان میں بصیرت اور شنوائی نہیں ہے یہ نہ دیکھتے ہیں اور

نہ ہی سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں یہ لوگ بے بصیرت ہیں۔

وَمِنۡ رَّحۡمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ''اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام پاؤ اور اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔''

اللہ کی خصوصی رحمت

دن اور رات کا وجود اللہ کی رحمت ہے اور یہ انسان کے فائدے میں ہے کیونکہ اگر رات ہی رات ہوتی تو انسان اپنے لیے روزگار کیسے حاصل کرتا اور اگر دن ہی دن ہوتا تو پھر آرام و سکون کیسے نصیب ہوتا۔ یہ اللہ کا عطیہ ہے، دن محنت و مشقت اور روزگار حاصل کرنے کے لیے ہے۔ دن اللہ کے فضل و رزق کو حاصل کرنے اور رات سکون و آرام کے لیے ہے۔ یہ راہنمائی ہے مخلوق کے لیے کہ وہ اللہ کے اس انعام پر شکر ادا کریں۔ سکون و آرام تکوین و آفرینش کا حصہ ہے جبکہ روزی کی تلاش ایک قانون اور ضابطہ ہے جس کے لیے اللہ نے فرمان جاری کیا ہے کہ تم اپنے لیے روزی کی تلاش میں نکلو۔

وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ فَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: ''اور جس دن انہیں پکارے گا پھر کہے گا وہ کہاں ہیں جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔''

روز قیامت مشرکین سے مطالبہ

قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین کو آواز دے گا کہ اے مشرکین! تم نے دُنیا میں

میرے شرکاء بنا رکھے تھے اور تمہارے باطل عقیدے کے مطابق ہر ایک کے ذمے ایک کام تھا۔ جن کو تم نے میرا شریک بنایا ہوا تھا اور جن پر تم اعتماد کرتے تھے وہ سب میدان حشر میں موجود ہیں۔ اب تم انہیں بلا کر لے آؤ تاکہ وہ حساب کے مقام پر حاضر ہوں اور ان سے تمہارے بارے پوچھا جائے۔ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور کیا وہ تمہاری آواز دینے پر تمہاری مدد کو آسکتے ہیں؟ اس دن اللہ کے سوا کوئی کسی کا یاور و مددگار نہیں ہوگا اور کوئی بھی کسی کی مدد کو نہ آئے گا۔

وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: "اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ نکال کر لائیں گے پھر کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو تب جان لیں گے کہ سچی بات اللہ ہی کی تھی اور جو جھوٹ بنایا کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا۔"

قیامت میں گواہوں کی حاضری

قیامت میں گواہان انسان کے اعمال کے متعلق گواہی دیں گے۔ ان گواہوں میں انبیاء، اوصیاء، ائمہ، شہداء، صدیقین، صالحین حتی انسان کے اپنے اعضاء بدنی شامل ہیں۔ ان تمام گواہوں کی موجودگی میں مجرموں، مشرکین اور کافروں سے کہا جائے گا کہ تم جو اعمال انجام دیتے رہے اور اللہ کا شریک بنائے رکھا اب تم ان اعمال کے بارے کوئی یقینی بات اور قطعی ثبوت پیش کرو۔ اس لحاظ سے کہ وہ ہر قسم کا ثبوت لانے سے اس مقام پر عاجز ہوں گے اور کوئی عذر بھی پیش کرنے کے قابل نہ ہوں گے تو اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی الہ ہے اور الوھیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نتیجہ میں وہ اللہ پر جو افتراء باندھتے تھے اور اللہ کے شریک بناتے تھے وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ حق اللہ کے پاس

ہے۔ الوہیت کے امر کی حقیقت اس طرح ان پر عیاں ہو گی کہ کچھ بھی ان پر مخفی نہ رہے گا۔ قیامت میں دُنیا کے بر عکس حقائق پر پردہ نہ ہوگا اور قیامت کے دن تمام حقایق سے پردے اٹھ جائیں گے، حق اور باطل جدا ہو جائیں گے۔ روز قیامت حقائق کے آشکار ہونے کا دن ہے، ہر باطل جدا ہو جائے گا، حق خالص ہوگا۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: ”بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا پھر ان پر اکڑنے لگا، اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے تھے کہ اس کی کنجیاں ایک طاقت ور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں، جب اس سے اس کی قوم نے کہا اِترا مت، بے شک اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

وَ ابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: ”اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر، اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول، اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے، اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں

کرتا۔"

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَ لَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: "کہا یہ تو مجھے ایک ہنر سے ملا ہے جو میرے پاس ہے، کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی امتیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں زیادہ تھیں ہلاک کر ڈالی ہیں، اور گناہگاروں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔"

قارون کا واقعہ

ان آیات میں قارون کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔ قارون بنی اسرائیل سے تھا۔ وہ بنی اسرائیل پر ناجائز طور پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور ان پر اپنی بڑائی ظاہر کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس بہت زیادہ ثروت اور مال آگیا تھا۔ اس کے خزانوں کی چابیاں اتنی زیادہ اور بھاری تھیں کہ بہت ہی طاقتور اور مضبوط افراد کی ایک جماعت انہیں اٹھاتی تھی۔ وہ اس مال کی وجہ سے بہت ہی مغرور ہو گیا تھا اور بہت زیادہ خوشحال تھا اور خوش گذارنی میں مصروف تھا اور آخرت کو بھول گیا۔ اسے نصیحت کی گئی کہ اس دولت کے نشے میں آخرت کو مت بھولو کیونکہ اس طرح شیخی بکھیرنا سرکشی ہے اور اللہ تعالیٰ کو سرکشی پسند نہیں ہے۔ جو لوگ دُنیا کے فریفتہ ہوتے ہیں اور آخرت کو بھول جاتے ہیں تکبر اور غرور کرتے ہیں تو اللہ انہیں پسند نہیں کرتا۔

قارون کو ناصحانہ مشورے

قارون کی قوم کے افراد نے اس کی خیر خواہی کے لیے اسے نصیحت کی، اسے سمجھایا، اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تجھے مال و دولت سے نوازا ہے تو اسے آخرت کے لیے استعمال میں لاؤ، مال کی کثرت تمہیں آخرت نہ بھلا دے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کیا گیا مال آخرت میں کام آئے گا۔ اپنی آخرت کو آباد کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو روزی تیرے مقدر کیا ہے اس سے ایک مقدار دُنیا میں استعمال کرنے کو ترک نہ کرو اور باقی مال کو آخرت کے لیے خرچ کرو۔ مال دنیا کو اپنے بعد کے لیے دنیا ہی میں چھوڑ کر نہ جاؤ، اپنے ہاتھ سے مال کو آخرت کے لیے خرچ کرو۔ تم آخرت کے لیے عمل کرو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں جس قدر انسان آخرت کے لیے خرچ کرے گا وہی اس کے لیے باقی رہنے والا عمل ہے۔ اضافی مال کو احسان کے عنوان سے دوسروں پر خرچ کرو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ سارا مال دے کر تم پر احسان کیا ہے، بغیر استحقاق کے اللہ تعالیٰ نے تیرے اوپر احسان کرتے ہوئے تجھے اتنا زیادہ مال دیا ہے تم بھی فساد پھیلانے سے گریز کرو اور اللہ کی رضا کے بغیر اسے خرچ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ نے خلقت کی بنیاد صلاح، اصلاح اور امن و عاقبت پر قرار دی ہے۔

قارون کا متکبرانہ جواب

قارون دولت کی کثرت کے نشے میں مست تھا۔ اس نے قوم کو جواب دیا کہ تم جو کہہ رہے ہو کہ بغیر استحقاق یہ سب مال مجھے دیا گیا ہے؛ تم غلطی پر ہو۔ جو کچھ میرے پاس ہے یہ اللہ کا احسان نہیں، بغیر استحقاق کے مجھے نہیں ملا، میں نے یہ سب ثروت اپنی علمی قابلیت سے حاصل کی ہے، میں اچھا مدبر ہوں، بہترین ادارہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ میں معیشت کا ماہر ہوں۔ تمام لوگوں میں میرا یہ استحقاق تھا کیونکہ جو علم میرے پاس ہے وہ کسی اور کے پاس

نہیں، میں نے اتنا مال کمایا ہے تو یہ میرے ہنر کا نتیجہ ہے۔ یہ سب کچھ میں نے اپنی اقتصادی قابلیت سے حاصل کیا ہے لہٰذا اس مال کا مالک میں ہوں اور اس میں تصرف کا حق بھی میرے پاس ہے جیسے چاہوں اسے خرچ کروں، کسی کا میرے مال میں کوئی حق نہیں، میں اپنے مال میں تصرف کرنے میں خود مختار ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی گستاخی کا جواب اس طرح دیا: ''کیا اسے معلوم نہیں کہ گزشتہ ادوار میں ہم نے ایسی اقوام کو ہلاک کیا جن کے پاس قارون سے زیادہ مال وثروت تھا وہ زیادہ طاقتور اور مضبوط تھے۔ اگر گزشتہ اقوام اپنے علم، ہنر وصلاحیتوں کی بنیاد پر خود کو ہلاکت سے بچا سکتے تو قارون بھی ایسا کر سکتا۔ ہلاکت کا وقت جب آگیا تو ان کا علم کام آیا نہ ان کا مال انہیں بچا سکا۔ مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جاتا بلکہ انہیں سزا دی جاتی ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ مجرموں کو ان کے جرم اور گناہ کے نتیجہ میں ہلاک کر دے۔ اس صورت میں اللہ انہیں مہلت نہیں دیتا، ان کے بہانوں اور عذر تراشیوں پر کچھ توجہ نہیں دی جاتی جو عجز وانکساری کریں کہ اللہ انہیں عذاب سے بچائے لیکن مجرموں کو یہ کام نہ دے گا۔ مجرموں کے حق میں اللہ کے حکم کے تحت عذاب بغیر تاخیر کے اُترتا ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوۡمِهٖ فِیۡ زِیۡنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا یٰلَیۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ قَارُوۡنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: ''اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے نکلا، جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے اے کاش ہمارے لیے بھی ویسا ہوتا جیسا کہ قارون کو دیا گیا ہے، بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے۔''

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَیۡلَکُمۡ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوۡنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: ''اور علم والوں نے کہا تم پر افسوس ہے اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لایا اور نیک کام کیا، مگر صبر کرنے والوں کے سوا نہیں ملا کرتا۔''

قارون کا اپنی ثروت کی نمائش

ایک دن قارون نے اپنی ثروت کو قوم کے سامنے نمائش کے لیے رکھنے کا پروگرام بنایا اور پورے جاہ وحشم کے ساتھ باہر نکلا، ہر طرف اس کی خاطر راستوں کو سجایا گیا تھا، وہ بڑی شان سے نکلا اور اپنی بڑائی اور برتری کو قوم کے سامنے رکھا۔

بنی اسرائیل کے دو گروہ

جب قارون اپنی ثروت کی نمائش کرتے ہوئے قوم کے سامنے آیا تو بنی اسرائیل کے لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوئے:۔

ا۔ کچھ طالب دُنیا تھے، دُنیاوی رنگینیوں کے دلدادہ تھے، دُنیا کے پجاری تھے، انہوں نے جب قارون کو اس حالت میں دیکھا تو کہہ اٹھے کاش ہمارے پاس بھی ایسی دولت ہوتی؟ ہم بھی اسی شان سے باہر نکلتے، ہم بھی اسی طرح ہوتے۔ انہوں نے اپنی خواہش اس انداز سے بیان کی کہ گویا وہ افسردہ تھے اور اپنے حال پر خوش نہ تھے۔ وہ اس دُنیا ہی کو ہدف اور مقصد قرار دیتے تھے یہ لوگ آخرت سے غافل و جاہل تھے۔

۲۔ دوسرا گروہ جنہیں اللہ کے بارے یقین اور ایمان تھا اور اعمال صالحہ بجالاتے تھے، نیک و صالح افراد تھے، انہوں نے جب ان غافلوں کی باتیں سنی تو ان سے کہا جاہلو! تم کیا کہہ رہے ہو؟ دُنیا تو عارضی چیز ہے اس نے تو فنا اور ختم ہو جانا ہے۔ اللہ کے ہاں مومنین اور صالحین کے

لیے جو ثواب ہے وہ اس مال و ثروت سے بہتر ہے۔ جو کچھ قارون کے پاس ہے یہ زائل ہوگا لیکن یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے صابر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ صابر وہ ہیں جو دُنیا کے مصائب و پریشانیوں پر بے تاب نہیں ہوتے اور عبادات کی مشقت اور گناہوں کو چھوڑنے کی تکلیف کو برداشت کرتے ہیں۔ صابر ہی اسے سمجھ سکتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مطلب کی تصدیق کرنا کہ اُخروی فوائد دُنیاوی عیش و عشرت و فوائد سے بہتر ہے، حتمی طور پر اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اور عمل صالح انجام دیتے ہیں یا اس کا لازمہ یہ ہے کہ اُنہوں نے نفسانی خواہشات اور دُنیاوی لذات کو چھوڑنا ہوگا اور یہ وہی کر سکتے ہیں جو صبر کی حقیقت سے آراستہ ہوں۔ نفس امارہ کی مخالفت کی تلخیوں کو برداشت کرتے ہوں، اسے وہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۗ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾

ترجمہ: ”پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، پھر اس کی ایسی کوئی جماعت نہ تھی جو اسے اللہ سے بچا لیتی اور نہ وہ خود بچ سکا۔“

قارون کا انجام

قارون نے زمین پر اپنے لیے جنت بنائی۔ اس میں تمام وہ چیزیں مہیا کر لیں جو جنت کے بارے میں بیان ہوئی تھیں جن میں باغات، چشمے، پھلدار درخت، پھول، خوبصورت بچھونے، کھلتے پردے، پلنگ، مسہریاں، غرض یہ کہ اس نے آرام و آسائش کی تمام چیزیں اس جنت میں بنائیں، علماء نے بیان کیا ہے کہ سب کچھ تیار ہوا۔ قارون نے جس دن اپنی جنت میں داخل ہونے کا پروگرام بنایا بڑی شان سے چلا، پوری آب و تاب کے ساتھ نکلا لیکن اس میں قدم نہ

رکھ سکا، خود ہی غرق ہوا اس کا بنایا ہوا کفر زمین بوس ہو گیا۔[1]

اس منظر کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ قارون اور اس کا گھر زمین بوس ہو گیا قارون کی جماعت اور خود قارون اس عذاب سے خود کو نہ بچا سکا۔ جبکہ وہ دعویدار تھا کہ وہ صاحب علم ہے اور اس نے ذاتی صلاحیت سے اتنا مال کمایا ہے اور اس میں اللہ کا کچھ احسان نہیں ہے۔ وہ کہتا تھا میں اللہ سے بے نیاز ہوں۔ جو کچھ مجھے ملا ہے وہ میرا استحقاق تھا۔ لیکن جب عذاب آیا تو اس وقت اس کے پاس کوئی ایسی جماعت موجود نہ تھی جو اسے اس عذاب سے بچا لیتی اور خود بھی اس قابل نہ تھا کہ اپنے علم کی بنیاد پر اس عذاب سے خود کو بچا لیتا۔ اس سے معلوم ہو گیا جو کچھ اس کے پاس تھا وہ سب کچھ اللہ ہی نے اسے دیا تھا۔

وَ اَصۡبَحَ الَّذِیۡنَ تَمَنَّوۡا مَکَانَہٗ بِالۡاَمۡسِ یَقُوۡلُوۡنَ وَیۡکَاَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ وَ یَقۡدِرُ ۚ لَوۡ لَاۤ اَنۡ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیۡکَاَنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو کل اس کے مرتبہ کی تمنا کرتے تھے آج صبح کو کہنے لگے کہ ہائے شامت! اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا

[1] ۔ تفسیر الدر المنثور میں ابن عباس سے نقل ہوا ہے کہ جب زمین قارون کو دھنستی جا رہی تھی تب وہ سمجھ گیا کہ عذاب آگیا ہے۔ امداد کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا، قارون بھی پکار رہا تھا اور اس کے ساتھی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارتے رہے اور کہتے رہے یا موسیٰ یا موسیٰ یا پیغمبر، تین مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لیے پکارا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جواب نہ دیا اور وہ اس طرح زمین میں غرق ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی اور فرمایا کہ میرے بندوں نے تمہیں اتنا پکارا اور تم نے انہیں جواب نہ دیا۔ میری عزت اور جلال کی قسم اگر وہ مجھے پکارتے تو میں ان کی دعا مستجاب کرتا۔

ہے اور تنگ کر دیتا ہے، اگر ہم پر اللہ کا احسان نہ ہوتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، ہائے ! کافر نجات نہیں پا سکتے۔"

قارون کے غرق ہونے پر دُنیاداروں کی گفتگو

جب قارون اپنی دولت کی نمائش کے لیے قوم کے درمیان ظاہر ہوا تھا تو اس وقت دُنیا پرستوں نے آرزو کی تھی کہ کاش ہمارے پاس بھی ایسی دولت ہوتی جو قارون کے پاس ہے لیکن جب انہوں نے قارون اور اس کے کارندوں کو زمین بوس ہوتے دیکھا تو سب توبہ کرنے لگے اور پھر ان کا بیان بدل گیا اور کہنے لگے کہ اللہ ہی ہے جو روزی دیتا ہے ، یہ اس کی اپنی تقسیم ہے۔ بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کے رزق میں وسعت دیتا ہے اور جس کے بارے چاہتا ہے تو اس کے لیے روزگار کو تنگ کر دیتا۔ پھر اللہ کے احسان کو یاد کرتے ہوئے کہنے لگے کہ سچ تو یہ ہے کہ اللہ کا ہمارے اوپر بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ان مجرموں کے ساتھ غرق نہیں کیا۔ اگر اس کا احسان نہ ہوتا تو ہم بھی ان کے ساتھ زمین بوس ہو جاتے۔ اللہ کے کرم سے ہم بچ گئے۔ بظاہر بنی اسرائیل قارون اور اس کے ساتھیوں کے انجام کا مشاہدہ کر رہے تھے اور ان میں دُنیادار بھی تھے اور مومنین و صالحین بھی تھے۔ دُنیاپرستوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہوا کہ ہم سے بھی کفریہ جملے نکلے تھے اور ہم نے بھی خواہش کی تھی کہ ہمارے پاس قارون جیسی دولت ہوتی لیکن اللہ نے ہمارا مواخذہ نہیں کیا اور ہم عذاب سے بچ گئے اور پھر واضح طور پر کہہ دیا کہ جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے ، اللہ کے رسول کا انکار کرتے ہیں تو ان کے لیے کامیابی نہیں ہے۔ کامیابی مومنین و صالحین کے لیے ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: ''یہ آخرت کا گھر ہم ان ہی کو دیتے ہیں جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے، اور نیک انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔''[1]

آخرت کا انعام

''تلك'' دور کے اشارہ کے لیے ہے لیکن اس جگہ آخرت کی شرافت، بلند شان اور اعلیٰ منزلت کو بیان کرنے کے لیے ہے۔ دار آخرت سے بہشت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے ہم نے بہشت ان کے لیے قرار دی ہے جو:۔

ا۔ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور گناہوں سے بچتے ہیں۔

۲۔ اللہ کے بندوں پر خود کو بڑا ظاہر نہیں کرتے، مستکبر اور برتری طلب نہیں ہیں۔

یہ اس لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قوانین بنائے ہیں وہ سب انسان کی فطرت کے مطابق ہیں۔ انسان کی فطرت کا تقاضا وہی ہوتا ہے جو انسانی زندگی میں نظام احسن کے موافق ہے۔ لہٰذا ہر معصیت چاہے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ وہ انسان کی زندگی میں فساد کا موجب ہے۔ اسی حوالے سے قرآن میں ہے ''خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا، یہ اس وجہ سے ہوا جو لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہے''۔ یہ آیت سمجھا رہی ہے کہ بہشت میں فقط وہ لوگ جائیں گے جو اللہ کی زمین میں بالکل گناہ کا ارتکاب نہ کریں گے لیکن دوسری آیات اس آیت کے مضمون کی تخصیص کر رہی ہیں کہ اگر تم گناہان کبیرہ سے دُوری اختیار کرو تو تمہارے گناہان صغیرہ کی تلافی کرتے ہوئے تمہیں بہشت میں لے جائے گا۔ تیسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ گناہوں کے بعد توبہ و استغفار کی وجہ سے گناہوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔ اس طرح

[1]۔ تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ آیت ان والیان امر اور حکمرانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اہل تواضع اور عادل ہیں۔ اسی طرح عام لوگوں میں سے قدر تمند افراد کے بارے میں ہے۔

بہشت میں وارد ہوں گے۔ (سورہ النساء، آیت: ۳۱)۔آخر میں فرمایا کہ نیک انجام اور عافیت متقین کے لیے ہے۔ دنیا اور آخرت میں اچھی عاقبت، خوبصورت انجام ان کا ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے۔ تقویٰ ہی کامیابی ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: ''جو بھلائی لے کر آیا اسے اس سے بہتر ملے گا، اور جو برائی لے کر آیا پس برائیاں کرنے والوں کو وہی سزا ملے گی جو کچھ وہ کرتے تھے۔''

قیامت کے دن دُنیاوی اعمال کا بدلہ

انسان دُنیا میں جو اعمال بجا لاتا ہے یا تو نیک اور ایسے اعمال ہیں جو اللہ کی ہدایات کے مطابق انجام دیئے گئے ہیں اور اعمال صالح کو انجام دینے والا صاحب ایمان بھی ہے۔ ایسے افراد کو قیامت کے دن ان کے نیک اعمال سے بہتر بدلہ ملے گا۔ فقط وہی اعمال ہی بدلہ نہ ہوں گے بلکہ اس سے زیادہ بھی انہیں ملے گا جیسا کہ سورہ النساء آیت ۳۱ میں ہے: ''جو نیک عمل لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس جیسا دس برابر ملے گا'' ۔ لیکن جن کے اعمال برے ہیں اور جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی ہے، اللہ کی ہدایت کے مطابق اعمال انجام نہیں دئے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائے اور ان کا عقیدہ و عمل دونوں خراب ہیں، یا اگر اللہ کا کفر کیا ہے اور نیک اعمال انجام دیے ہیں تو ایسے اعمال بھی برے اعمال میں شامل ہو جائیں گے کیونکہ ان کی بنیاد غلط ہے۔ اللہ کے شرک پر جو عمل کی عمارت کھڑی ہو گی اسے برائی ہی کہا جائے گا۔ ان کے لیے جو بدلہ دیا جائے گا وہ اسی برائی کے برابر ہی دیا جائے گا اس سے زیادہ نہ دیا جائے گا۔ عدل کا تقاضا یہی ہے جبکہ صالحین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا برتاؤ فضل و کرم کے مطابق ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی وَ مَنۡ هُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: ''جس نے تم پر قرآن فرض کیا وہ تمہیں لوٹنے کی جگہ پھیر لائے گا، کہہ دو میرا رب خوب جانتا ہے کہ ہدایت کون لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔''

اللہ کا اپنے حبیبؐ کو مکہ واپسی کا وعدہ

''معاد'' واپسی کی جگہ کو کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اسے موت یا حشر مراد لیا ہے (تفسیر رُوح المعانی، ج ۲۰) بعض نے اسے مقام شفاعت کبریٰ مراد لیا ہے، بعض نے اسے بہشت یا بیت المقدس سمجھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے ہر وہ امر مراد ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ کی پسند ہو۔ (تفسیر لاھیجی، ج ۳) ہم جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان کو پڑھتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں وعدہ جمیل دیا تھا اور مومنین کو ان کے اپنے گھروں کو واپسی کی نوید دی تھی تو اس بیان کی التزامی دلالت کے تحت ہم اس جگہ کہہ سکتے ہیں کہ اس جگہ وعدہ جمیل جو حضور پاک ﷺ اور مومنین کو دیا گیا ہے کہ مشرکین پر آپ فتح یاب ہوں گے اور مکہ میں داخل ہوں گے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کیا ہے کہ اے میرے حبیب! جس رب نے قرآن تیرے اوپر نازل کیا اور قرآن کے مضامین پر عمل کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور کہا کہ لوگوں کو دعوت دو کہ وہ قرآن کے دستورات پر عمل کریں تو ہم بہت جلد آپ کو اس جگہ پلٹا دیں گے جہاں سے آئے تھے۔ اس سے مراد شہر مکہ ہے، رسول اللہ ﷺ اسی جگہ پر رہائش پذیر تھے، اللہ کے حکم سے مشرکین کے شر سے بچنے کے لیے مکہ کو چھوڑ دیا تھا لیکن اب جب دین الٰہی کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں، اسلامی حکومت تشکیل پا چکی تو اللہ کی قدرت کے

تحت تم فاتحانہ انداز سے مکہ واپس جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ شرک کی بنیادوں کو ویران و تباہ کر دے گا، مومنین اس سرزمین کے وارث ہوں گے، جس سے وہ ذلت و خوارگی اور خوف کی حالت میں نکال دیئے گئے تھے۔ مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کی مکہ کی جانب واپسی اس طرح نہیں جیسے آپ مکہ میں پہلے تھے، اب جب مکہ میں جائیں گے تو باعزت ہوں گے، باوقار ہوں گے، مشرکین ذلیل و خوار ہوں گے۔

"معاد" کے لفظ کو نکرہ کی صورت میں لایا گیا ہے تو اس سے آپ کی واپسی کی عظمت اور شان کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو سختی اور مصائب سے آزادی دی اور انہیں فرعونیوں کا وارث قرار دیا، وہی رب اس بات پر قادر ہے کہ مومنوں کو مشرکین پر فتح و نصرت اور غلبہ دے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کیا ہے: اے محمد ﷺ تیری قوم کے سرداروں اور ان کے پیروکاروں نے شرک کو اپنایا اور تیری تکذیب کی اور تمہیں جادو کی نسبت دی۔ آپ وہی بات کہیں جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہی تھی کہ میرا رب بہتر جانتا ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون آشکار اور کھلی گمراہی میں ہے یعنی میں تو اللہ کا رسول ہوں، اللہ کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہوں، سعادت کا پیغام لایا ہوں آپ مشرکین کھلی گمراہی میں ہو جو اس ہدایت کو قبول نہیں کرتے ہو اور اس کا انکار کرتے ہو۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: "اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر کتاب اتاری جائے گی مگر تمہارے رب کی مہربانی ہوئی، پھر تم کافروں کی طرفداری نہ کرنا۔"

قرآن کا نزول

اس آیت میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کا نزول ایک معمولی حادثہ نہیں جو طبیعی اسباب کے تحت وجود میں آتے ہیں جن میں پہلے سے واقعہ کے رونما ہونے کی اُمید لگا رکھی ہوتی ہے بلکہ یہ تو اللہ کی جانب سے خاص مرحمت و کرم ہے، جب یہ اللہ کا اپنا فضل ہے تو پھر آپ پر واجب ہے کہ اس بڑی نعمت کے ہوتے ہوئے اس دین حق کے پھیلاؤ اور اس کے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے تم بالکل کافروں کی مدد نہ کرو اور نہ ہی ان کی کوئی بات مانو، ان سے بیزاری اختیار کرو یہ واضح حکم اس لیے ہے کہ کافر حضور پاک ﷺ کے پاس آکر کچھ شرائط پیش کریں کہ فلاں شرط مان لو تو ہم آپ کے لیے یہ کر دیں گے یا ہم آپ کی مضبوطی کا ذریعہ بنیں گے، ہمارا یہ کام کر دو، تو اس سے آپؐ کو بالکل روک دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کی بات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہی تھی: ”اے میرے رب تو نے جو مجھے نعمت عطا فرمائی ہے تو میں ہر گز مجرموں کا سہارا نہیں بنوں گا“ (سورہ قصص، آیت: ۱۷)

پیغام: اس میں مسلمانوں کے لیے پیغام ہے کہ کبھی بھی کافروں کے مددگار نہ بنیں اور نہ ہی ان کے مقاصد میں ان کے لیے سہارا بنیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اللہ ہی سے مدد کے طالب ہوں، اللہ کی رحمت کارساز ہے اور بس“۔

وَ لَا یَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْكَ وَ ادْعُ اِلٰی رَبِّكَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: ” اور وہ تمہیں اللہ کی آیتوں سے روک نہ دیں بعد اس کے کہ تم پر نازل ہو چکی ہیں، اور اپنے رب کی طرف بلاؤ، اور مشرکوں میں ہر گز شامل نہ ہو۔“

رسول اللہؐ کے لیے کافروں کے بارے حکم

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ کفار کی خاطر ہماری آیات سے روگردانی نہ کریں۔ درحقیقت یہ خطاب کفار کے لیے ہے کہ وہ آیات کی تبلیغ میں رکاوٹیں کھڑی نہ کریں اور رسول خداؐ کو ان کی ذمہ داری انجام دینے سے منصرف نہ کریں۔ ساتھ ہی آپؐ کو حکم دیا جارہا ہے کہ کفار کی پرواہ نہیں کرنی، ان کی مزاحمت کی پرواہ نہ کریں اور اپنے رب کی جانب دعوت دیں، ان کی کارشکنی پر توجہ نہ دیں، مشرکین کی باتوں پر بالکل توجہ نہ دیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، آپ سے کہتے ہیں کہ تم مجنون ہو، یہ شاعری ہے جو کرتے ہیں، ماضی کے قصہ کہانیاں ہیں، ان کی باتیں بے اساس ہیں، ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں تمام امور کا مدبر اللہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی اور کی بات نہیں ماننا کیونکہ ایسا کرنے سے تو پھر توں بھی مشرکین سے ہو جائے گا۔ اس میں شرک کے جرم کی سنگینی کو بیان کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ صراحت کے ساتھ اپنے رسول کو بھی حکم دے رہا ہے کہ مشرکین کی کسی بات کو نہ مانیں وگرنہ تم بھی ان سے ہو جاؤگے۔ اس میں مسلمانوں کے لیے پیغام ہے کہ وہ اسلام کے مقابل میں کسی مشرک اور کافر کی بات کو اہمیت نہ دیں اور نہ ہی ان کی اطاعت کریں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: ''اور اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو نہ پکار، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤگے۔''

ہر شئی کی فنا حتمی ہے

اللہ تعالیٰ نے جو خصوصی فرامین اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے دیے ہیں ان کو جاری رکھتے ہوئے واضح فرمایا:

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنا۔

اللہ کے سوا کوئی الٰہ و معبود نہیں ہے۔

اللہ کے سوا ہر شئی نے فنا و ہلاک ہو جانا ہے۔

اللہ کا "وجہ" باقی رہ جائے گا، سورہ الرحمٰن میں بھی ہے کہ تیر رب ذوالجلال کا "وجہ" باقی رہے گا باقی سب کچھ تباہ و ہلاک اور فنا ہو جائے گا۔ ("وجہ" کے معنی ذات کے بھی ہیں اور "وجہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کے خاصان ہیں جو اللہ کی پہچان۔ [1]

اس آیت میں واضح کر دیا کہ ہر شئی نے نابود ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجہ نے باقی رہنا ہے، اللہ کا وجہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی مخلوق کے لیے نمودار ہوتا ہے۔ اللہ کی مخلوق اس کے وسیلہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس سے مراد اللہ کی صفات کریمہ ہیں، اور وہ آیات ہیں جو اللہ کی ذات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ سب اللہ کی ذات مقدس کے ساتھ ثابت ہیں۔

اگر وجہ سے ہر شئی کی ذات مراد ہو تو اس صورت میں آیت کا معنی اس طرح ہو گا: "اللہ کے سوا ہر موجود جس کا تصور کیا جائے وہ ممکن ہے اور ممکن کو جب اس کی ذات کے حوالے سے دیکھا جائے تو وہ معدوم اور ہالک ہے۔ تنہا وہ موجود ہے جو اپنی ذات میں ہلاک نہیں، باطل

---

[1] ۔ اس آیت کی تاویل میں بیان ہوا ہے کہ "وجہ" و۔ ج۔ ہ، کے حروف ابجد کا عدد حساب کریں تو "وجہ" ۱۴ کے مساوی ہے۔ لہٰذا وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝٢٧ "تیرے رب ذوالجلال والاکرام کا وجود باقی رہے گا" اس سے مراد چہاردہ معصومین علیہم السلام جو کہ اللہ کی معرفت و پہچان ہیں وہ ہلاک شدگان میں سے نہ ہوں گے۔ ان ذوات کو عالین بھی کہا گیا ہے کہ جب شیطان سے کہا گیا کہ کیا تم عالین سے تھے کہ تم نے سجدے سے انکار کر دیا۔ البتہ یہ سب تاویلات ہیں جس کے باطنی معنی کو "راسخون فی العلم" ہی جانتے ہیں یا اللہ اس کا عالم ہے۔ (مصحح)

نہیں، معدوم نہیں وہ فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ ذات واجب الوجود ہے اور جو بھی اس کی طرف منسوب ہو۔

اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ و معبود نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ معبود وہ ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ میں پورے عالَم کی تدبیر ہو، تدبیر ایجاد سے جدا نہیں ہو سکتی لہٰذا وہی معبود برحق ہے اور یکتا ہے، اس کا غیر باطل ہے، حکم اور قانون اسی کا جاری ہے، پورے عالَم کی تدبیر اس کے ہاتھ میں ہے کوئی موجود اس کے حکم کو توڑ نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے فیصلہ کو جاری ہونے سے روک سکتا ہے۔ تمام موجودات نے اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پورے عالَم کی تدبیر، اس کی ایجاد اس تک منتہیٰ ہوتی ہے، وہی تنہا کون و مکان میں معبود و اِلٰہ ہے، وہی مبداء اور وہی منتہاء ہے۔

سورۃُ العنکبوت

(مکی، آیات 69)

اس سورت کے مطالب

ایمان کی حقیقت کا بیان، مصائب و مشکلات کی حکمت، اللہ کی ملاقات و رضا، توحید، رسالت،

قیامت کا بیان، مواعظ و نصائح۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ”(الف، لام، میم)“

(الف، لام، میم) حروف مقطعات سے ہیں، اس کے بارے پہلے بتا آئے ہیں کہ یہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے درمیان رمز ہے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ اللہ کے اسماء الحسنٰی کی جانب اشارہ ہو جیسے الف سے انا، الہ، میم سے الملک (انا، اللہ، الملک)۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾

ترجمہ: ”کیا لوگ خیال کرتے ہیں یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔“

وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: ”اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ہم نے انہیں بھی آزمایا تھا، سو اللہ انہیں ضرور معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔“

اسلام میں امتحان کا قانون

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا ایک حتمی اور لازمی قانون بیان کیا ہے اور وہ امتحان لینے کا قانون ہے۔ ایمان لانے کے لیے زبانی اقرار کافی نہیں ہے۔ جو شخص توحید، رسالت اور قیامت پر ایمان لے آتا ہے تو اسے اس ایمان کے بعد امتحان اور آزمائش کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ امتحان اور آزمائش ایک ایسا الٰہی قانون ہے جو ہر دور میں جاری رہا ہے، جو قومیں اسلام سے پہلے تھیں

ان کا بھی امتحان لیا جاتا تھا۔ امتحان مصائب میں بتلا کر کے، مشکلات کے ذریعہ، اولاد اور اموال لے کر لیا جاتا ہے۔ امتحان لینے کی حکمت یہ ہے کہ واضح ہو جائے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ عمل کے ذریعہ ہی معلوم ہو گا کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس ثواب و سعادت کا وعدہ دیا ہے وہ ایمان کے تحت ہے۔ حقیقی ایمان والوں کے لیے اخروی سعادت ہے۔ ظاہر میں ایمان لانا اور عمل کے میدان میں ایمان کے تقاضے کو پورا نہ کرنا سبب ہوگا کہ اخروی سعادت نصیب نہ ہو۔ ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے۔ ایمان اور عمل صالح ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ بغیر ایمان کے عمل صالح اخروی سعادت نہیں لا سکتا اسی طرح بغیر عمل صالح کے ایمان اخروی سعادت کا ضامن نہیں ہے۔

جو صاحب ایمان ہے اسے چاہیے کہ اللہ کے قوانین کی اطاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت چھوڑنے کی وجہ سے اسے جن سختیوں سے گزرنا پڑتا ہے وہ اس سے نہ گھبرائے بلکہ ایمان کے راستے میں ہر آنے والی مشکل کو آسان جانے اور ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ اللہ اس کے ایمان کو جان لے گا، اس سے مراد علم نہیں ہے کیونکہ اللہ کے علم ذاتی کے لیے کسی سے امتحان لینے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے بارے جانتا ہے کہ اس نے کیا کیا ہے۔ اس علم سے مراد یہ ہے کہ جو ایمان لایا ہے اس کے آثار اس کے عمل میں ظاہر ہوں۔ اللہ کا علم فعلی اس خارجی واقعیت سے عبارت ہے جو صاحب ایمان سے ظاہر ہوتی ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝٤

ترجمہ: ”کیا وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے، برا ہے جو فیصلہ کرتے ہیں۔“

مشرکین کے لیے بیان

مشرکین مومنین کو تکلیف پہنچاتے تھے، انہیں ایمان لانے سے روکتے تھے تو اس جگہ ان سے

کہا جا رہا ہے کہ تم جو ہمیں اذیتیں پہنچا رہے ہو، ہمارے ساتھ جو غلط رویہ اپنا رکھا ہے تو کیا تمہارا خیال ہے کہ تم ہم سے آگے بڑھ جاؤ گے اور ہمیں عاجز اور کمزور کر دو گے؟ مومنین کو تکلیف پہنچانا تمہارے لیے آگے بڑھنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ مشرکین کا یہ خیال کہ وہ اس طرح کامیاب ہو جائیں گے اور وہ اپنے اس غلط رویہ پر خوش بیٹھے ہیں تو درحقیقت یہ اللہ کی اپنی تدبیر ہے کہ انہیں ہدایت کی نعمت سے محروم رکھا ہوا ہے اور وہ سعادت حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ کی طرف سے انہیں گمراہی میں مبتلاء کرنا ان کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ان مشرکین نے اپنے برے اعمال سے اپنے اندر سے استعداد و صلاحیت کو ختم کر دی ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٥

ترجمہ: ” جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اللہ کا وعدہ آ رہا ہے، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦

ترجمہ: ”اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے، بے شک اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔“

مومنوں کی سرزنش

ان آیات میں عمل صالح بجالانے میں سستی کرنے والے مومنین کی سرزنش کی جا رہی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سب نے اللہ کے پاس ضرور جانا ہے اور اللہ سے ملاقات کا وقت مقرر ہے۔ اللہ ہر بات کو سننے والا ہے اور ہر بات کو جانتا ہے اور اللہ کو معلوم ہے کہ مومنوں کو تکلیفیں دی جا رہی ہیں لہٰذا جو بھی ایمان لاتا ہے اسے یقین ہونا چاہیے کہ اس نے اللہ کے ہاں جانا ہے۔ اللہ سے ملاقات کی اُمید ہونی چاہیے۔ اس بارے کسی قسم کا شک نہ ہو، قیامت کا دن آنا ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی دن کو اپنی ملاقات کا دن قرار دیا ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک

نہیں ہونا چاہیے، یہ حتمی اور یقینی امر ہے۔ اللہ ان کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کے اعمال و حرکات و سکنات کو جانتا ہے لہٰذا حقیقی ایمان حاصل کرو، زبانی ایمان لانا کافی نہیں ہے۔ ایمان کے متعلق اعلان کا ثبوت عمل سے دیا جا سکتا ہے۔ ایسا ایمان لاؤ جس کا دل میں اثر ہو۔ جب دل میں یقین کی کیفیت ہو گی تو پھر کوئی بھی معصیت اور مشکل اس ایمان کو کمزور نہیں کر سکتی۔ اللہ کی راہ میں سچا جہاد کریں، اللہ کی اطاعت میں سچی کوشش جاری رکھیں۔ ایمان اور جہاد کا ثمر اور فائدہ خود ان کے لیے ہے۔ انسان جس قدر کوشش کرے گا اور ایمان کی راہ میں جتنی سنجیدہ کوشش کرے گا اور جو بھی جدوجہد کرے گا اس سب کا فائدہ صاحب ایمان ہی کو ہو گا۔ اس کا فائدہ دُنیا اور آخرت دونوں جہاں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمام عالمیان سے بے نیاز ہے، اللہ کو کسی کی ضرورت نہیں، سب اللہ کے محتاج ہیں، ایک مومن انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ایمان کے بارے چوکنا رہے اور نامساعد حالات میں صبر و تحمل سے کام لے۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ لَنَجۡزِیَنَّہُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝

ترجمہ: ”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم ان کے گناہوں کو ان سے دور کر دیں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔“

حقیقی ایمان کا انجام

حقیقی ایمان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان کمالات کا مالک بن جاتا ہے اور اللہ کی طرف سے اسے جو کچھ ملتا ہے وہ اس سے بہتر ہو گا جو اس نے عمل کیا ہے۔ انسان کا حقیقی ایمان سے بہرہ ور ہونا بھی اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ اس آیت میں ایمان اور عمل صالح سے مراد وہی جہاد ہے جس کا ذکر آیت ۶ میں کیا گیا ہے۔

لَنُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ اسے مراد گناہوں کو معاف کرنا ہے۔ ان کے گناہوں پر پردہ ڈال

دیا جائے گا یا نامہ اعمال سے انہیں مٹا دیا جائے گا۔ حقیقی ایمان رکھنے والوں کا درجہ بلند کر دیا جائے گا جو مقام ان کے نیک اعمال کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو گا۔ یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ جب ان کے اعمال کا جائزہ لیا جا رہا ہو گا تو اس میں چھوٹی موٹی خامیاں اور نقائص کو چھوڑ دیا جائے گا۔ ان اعمال کے نقائص اور عیوب سے چشم پوشی کر لی جائے گی لہٰذا عمل میں نقائص ہونے کے باوجود اسے بہترین جزاء ملے گی اور اس کا درجہ بلند ہو گا۔

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

ترجمہ: ”اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اور اگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک بنائے جسے تو جانتا بھی نہیں تو ان کا کہنا نہ مان، تم سب نے لوٹ کر میرے ہاں ہی آنا ہے تب میں تمہیں بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے۔“

والدین سے احسان

قرآن مجید میں والدین کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اس آیت میں بھی والدین سے احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے البتہ ایک چیز کو اشتثناء کیا ہے کہ اگر والدین اپنی اولاد سے کہیں کہ تم اللہ کا شریک قرار دو تو پھر ان کی بات کو نہیں ماننا کیونکہ یہ ایک ایسی اطاعت ہے جس کے بارے تمہیں علم نہیں، یعنی اس پر کوئی علمی دلیل موجود نہیں۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں، اللہ فرما رہا ہے کہ سب نے میرے پاس آنا ہے اور جب میرے پاس حاضر ہو گے تو ہر ایک کو ان کے سارے اعمال کا بتا دیا جائے گا اور وہاں پتہ چل جائے گا کہ اللہ کا

شریک بنانا، بت پرستی سب بے اساس تھا اور اس کی علمی بنیاد نہ تھی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝

ترجمہ: "اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ہم انہیں ضرور نیک بندوں میں داخل کریں گے۔"

ایمان اور عمل صالح کا ثمر

ایمان اور عمل صالح توأم اور جڑواں ہیں، یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ پچھلی آیت کے مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے اس آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ جن کے والدین مشرک ہیں اور وہ اپنی اولاد کو شرک پر مجبور کرتے ہیں لیکن وہ والدین کی بات کو نہیں مانتے اور اس نافرمانی پر والدین انہیں چھوڑ دیتے ہیں یا عاق کر دیتے ہیں تو اس وجہ سے انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے یہ سب کچھ اللہ کی خاطر انجام دیا ہے۔ اس کمی کے بدلہ میں اللہ ان کو اس سے بہتر بدلہ دے گا جو والدین کے ساتھ ہونے سے ملتا تھا۔ ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ میں تمہیں صالحین کی جماعت میں شامل کر لیا جائے گا اور بہشت کی نعمات سے بہرہ ور ہوں گے۔[1]

---

[1]۔ صالحین کی جماعت سے اللہ کے خاص انعام یافتہ افراد مراد ہیں جو کہ اولیاء اللہ ہیں، اس جماعت میں انہیں شامل کرنے کی نوید سنائی گئی ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَ لَئِنۡ جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكَ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمۡ ؕ اَوَ لَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِىۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۰

ترجمہ: ''اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی تکلیف کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھتے ہیں، اور اگر تیرے رب کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے، اور کیا اللہ جہان والوں کے دلوں کی باتوں سے اچھی طرح واقف نہیں ہے۔''

کمزور ایمان والے

ایمان لانے والے دو طرح کے ہیں: کچھ وہ ہیں جو زبان سے تو ایمان لاتے ہیں لیکن جب ان سے امتحان لیا جاتا ہے، کچھ مشکلات آتی ہیں تو وہ مشرکین کی طرف سے ملنے والی اذیتوں کو عذاب الٰہی قرار دیتے ہیں اور ایمان چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ جبکہ مشرکین کی طرف سے ملنے والی اذیتیں اور تکالیف تو اللہ کے عذاب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ کا عذاب تو مشرکین کے لیے دائمی ہے اور وہ ابدی ہلاکت میں ہیں۔ یہ جھوٹے ایمان لانے والے، جب مومنین پر اللہ کی نعمتیں آتے دیکھتے ہیں اور مومنوں کو کامیابی ملتی ہے اور مشرکین کی جانب سے سختیاں کم ہوتی ہیں، فرج و کشادگی نظر آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے ساتھ تھے، ہمارا بھی اس کامیابی میں حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کا کیا خیال ہے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اور جو کچھ سوچتے ہیں اللہ کو اس کا علم نہیں ہے؟ یہ اس طرح ایمان کا دعویٰ کر کے خداوند کو دھوکہ دیں گے؟ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تو اس سے بھی آگاہ ہے جو کچھ لوگوں کے دلوں میں پنہاں ہے۔ اور جو ان کے دلوں میں گزرتا

ہے ان سے بھی آگاہ ہے۔ اللہ جانتا ہے ان کا دل ایمان سے خالی ہے۔

وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''اور البتہ اللہ انہیں ضرور معلوم کرے گا جو ایمان لائے اور البتہ منافقوں کو بھی ضرور معلوم کرکے رہے گا۔''

مومن اور منافق کی شناخت

اللہ تعالیٰ امتحان کے وسیلہ سے مومن اور منافق کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ اور ان کو ایک دوسرے سے الگ کردیتا ہے۔ کیونکہ منافقین کا ایمان اس بات سے مشروط تھا کہ اگر ان کو تکالیف اور اذیت نہ ملے تو وہ ایمان لاتے ہیں اور اگر انہیں تھوڑی سی بھی مشکل پیش آئے تو وہ الٹے پاؤں ایمان سے پھر جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ لوگوں کے ایمان کا امتحان لیتا ہے لہٰذا اس امتحان کے نتیجے میں منافقین رسوا ہو جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی سنت پر عمل کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ اللہ ضرور یہ جاننا چاہتا ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے تو اس سے مراد اللہ کا علم ذاتی نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مومن و منافق جب عمل انجام دیں گے تو ان کے عمل کا علم اللہ کو ہوتا ہے یہ علم، علمِ فعلی ہے، فعل کے سرزد ہونے پر ہی اللہ کا علم اس فعل سے تعلق پکڑے گا، اگر فعل سرزد نہ ہو تو اللہ کا علم اس سے تعلق نہیں پکڑے گا۔ علمِ فعلی امتحان سے حاصل ہوتا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور کافر ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریقہ پر چلو اور ہم

تمہارے گناہ اٹھالیں گے، حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، بے شک وہ جھوٹے ہیں۔"

مشرکین مکہ کا مسلمانوں کے لیے اعلان

اس جگہ کافروں سے مراد مشرکین ہیں اور ایمان لانے والوں سے مراد صدر اسلام کے مسلمان ہیں۔ اس اعلان میں مشرکین مسلمانوں کی دلجوئی کرتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم واپس ہمارے راستے پر آجاؤ تو تم سے جو غلطی ہوئی کہ تم شرک کا راستہ چھوڑ گئے تھے تو ہم تمہاری ان غلطیوں اور گناہوں کو اپنے سر لے لیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ان کا یہ اعلان باطل اور جھوٹ پر مبنی ہے، کیونکہ اگر شرک کو چھوڑنا گناہ ہو تو اس گناہ کو کوئی اور تو اپنی گردن پر نہیں لے سکتا جبکہ شرک تو خود بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔ اللہ کے پاس ہی سب نے جانا ہے وہاں پر تو ہر شخص نے اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے کوئی بھی کسی کے عمل کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اعمال کا اختیار اللہ کے پاس ہے، اللہ کے اذن کے بغیر کون ہے جو دوسرے کے گناہ کو اپنی گردن پر لے سکے؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ اس میں جھوٹے ہیں۔ ہر شخص کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے۔ سورۂ انعام آیت ۱۶۴ میں فرمایا:

"وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"

"کوئی بوجھ اٹھانے والا اپنے بوجھ کو دوسرے پر نہیں ڈال سکتا"۔

ہر شخص نے اپنے اعمال کا بوجھ خود اٹھانا ہے کوئی کسی دوسرے پر اپنا گناہ نہیں ڈال سکتا۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور البتہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ اور کتنے بوجھ، اور البتہ قیامت کے دن ان سے ضرور پوچھا جائے گا ان باتوں کے متعلق جو وہ بناتے تھے۔''

کافروں کی عاجزی اور ناتوانی

کفار، مومنوں کی خطاؤں کو اپنے سر نہیں لے سکتے کیونکہ ہر کسی کی خطائیں خود اس کے اپنے ذمہ ہیں لیکن جو ان کی اپنی غلطیاں ہیں جو انہوں نے دعوت الٰہی کو ٹھکرا کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے یہ ان کا اپنا بوجھ ہے۔اس کے علاوہ ان کے اقرار کی وجہ سے جو لوگ ایمان لانے کے بعد مشرک ہو گئے اور انہوں نے اس سنگین جرم کا ارتکاب کرلیا تو ان کے گناہ کا بوجھ بھی ان کی گردن پر آئے گا۔ کیونکہ یہ ان کے کافر بننے میں سبب بنے ہیں۔ البتہ جنہوں نے اپنے اختیار سے ایمان کو چھوڑ دیا ہے تو اس جرم کی سنگینی ان پر تو باقی رہے گی لیکن اس گناہ کا اضافی بوجھ ان مشرکین پر ہو گا جو ان مومنوں کو کافر بنانے میں مددگار بنے ہوں گے۔ کافر خود گمراہ تھے اور پھر ان مومنوں کی گمراہی کا سبب بھی بنے ہیں۔[1]

ان لوگوں کا اللہ کا شریک قرار دینا، اللہ پر افتراء ہے اسی طرح انہوں نے جو یہ بڑا دعویٰ کر دیا اور مومنوں سے کہا کہ تم واپس شرک کے راستہ پر آجاؤ، تمہارے گناہ کا بوجھ ہم اٹھائیں گے یہ دوسرا افتراء تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قسم کی اجازت نہیں دی تھی کہ یہ لوگ کسی کو

---

[1]۔ جیسا کہ سورہ نمل آیت ۲۵ میں ہے: ''قیامت کے دن تو اپنے سارے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے اور ان کے گناہوں کا بوجھ بھی جنہیں بغیر علم و دلیل کے گمراہ کیا تھا، ایسے افراد کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ایک عذاب ان کی اپنی گمراہی کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کا''۔

یہ وعدہ دیں کہ تم ہمارے راستہ پر آجاؤ، ہم تمہارے گناہ اپنی گردن پر لے لیں گے لہٰذا قیامت میں مشرکین کو ان افتراءات اور جھوٹے دعوؤں کا جواب دینا ہوگا۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا پھر وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے (950 سال)، پھر انہیں طوفان نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔''

قوم نوحؑ کا تذکرہ

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم میں تبلیغ کی۔ سوائے چند افراد کے کوئی بھی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہیں کرتا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے خدا سے دعا کی کہ یا اللہ! اب ان پر اپنا عذاب اُتار دے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی کا ایسا طوفان ان پر اُتار دیا کہ سب اس میں غرق ہو گئے۔ فقط وہی بچے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی پر سوار تھے اور یہ وہی لوگ تھے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ اس بارے دوسرے مقامات پر پوری تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ان کے غرق ہونے کی وجہ ان کا ظلم تھا اور کسی کو اللہ کا شریک قرار دینا سب سے بڑا ظلم ہے۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور ہم نے کشتی کو جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا۔''

نجات پانے والے

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے، جنہوں نے ظلم نہیں کیا، اللہ کے رسول کی اطاعت کی، توحید پرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ انہیں بھی نجات دی۔ اس واقعہ کو بعد میں آنے والی انسانی نسلوں کے لیے نشانی اور علامت قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور اللہ کے رسولوں کی دعوت کو قبول کریں، اللہ کا شریک بنا کر اپنے اوپر ظلم نہ کریں کیونکہ ظالموں کا انجام وہی ہو گا جو حضرت نوحؑ کے زمانہ والے ظالموں کا ہوا تھا۔

وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”اور ابراہیم کو جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔“

حضرت ابراہیمؑ کی دعوت

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے پاس بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم میں تبلیغ کی اور ان سے کہا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، کسی کو اللہ کا شریک قرار نہ دو، اللہ کے عذاب سے ڈرو، اللہ کی بندگی کا لباس پہن لو، اللہ کی عبادت کرو کہ خلق اور تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی عبات بتوں اور جمادات کی پرستش سے بہتر ہے۔ یہ بات صاحبان عقل کے لیے ہے، ناسمجھ اور بے عقلوں کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آسکتی۔

اِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا وَّ تَخۡلُقُوۡنَ اِفۡكًا ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لَـكُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ الرِّزۡقَ وَاعۡبُدُوۡهُ وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''تم اللہ کے سوا بتوں ہی کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹ بناتے ہو، جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں سو تم اللہ ہی سے روزی مانگو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو، اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔''

کافروں کے باطل خداؤں کی بیچارگی

کافروں پر قیامت کے دن فردِ جرم عائد کی جائے گی۔ جرائم کے حوالے سے ان سے کہا جائے گا کہ ''تم بتوں کی پرستش کرتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ان کے وسیلہ سے اللہ کا قرب حاصل کرو گے، ان کو راضی کرنے پر پڑے رہتے تھے جب کہ ان کی کچھ بھی حقیقت نہ تھی۔ بتوں کے مجسموں کو فرشتوں اور جنات کی فرضی شکلوں میں بنا رکھا تھا۔ اللہ پر تہمتیں لگاتے تھے کہ اللہ نے انہیں تمہارے واسطے قرار دیا ہے۔ قیامت کے دن کافر اس کا انکار نہ کر پائیں گے پھر ان سے یہ کہا جائے گا کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے تھے یہ تو کسی قسم کے رزق کے مالک ہی نہ تھے، تو وہ تمہیں کیا رزق دیتے؟ جب ایسا ہے تو پھر ان مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ اب وقت ہے کہ تم اس مشرکانہ عمل کو چھوڑ دو، بتوں کی عبادت نہ کرو، اللہ کے شکر گزار بندے بن جاؤ، اللہ کی عبادت کرو، اللہ ہی ہے جس نے تمہیں مختلف قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے، وہی رزق کا مالک ہے اور اسی نے روزی دینا ہے۔ سب نے اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، اللہ کے پاس جب جاؤ گے تو اللہ تمہارا احتساب کرے گا۔ جب ایسا ہے تو پھر اس احتساب کی تیاری کر لو۔ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اس نے رزق کے اسباب بنائے ہیں، طبیعی اسباب کے تحت ہی

روزی ملتی ہے، طبیعی اسباب کا استعمال کافر اور مومن دونوں کے لیے آزاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کا تقاضا ہے کہ وہ کافروں کے کفر کی وجہ سے ان سے طبیعی اسباب کی تاثیرات کو معطل نہیں کرتا لیکن جب سب اللہ کے پاس واپس پلٹ کر جائیں گے تو وہاں پر پھر حساب چکایا جائے گا۔ اللہ کے ہاں کامیابی و سعادت کا معیار اللہ پر ایمان اور اللہ کی اطاعت ہے۔ اسی میں اُخروی حیات کی سعادت وکامیابی ہے۔

وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے بہت سی جماعتیں جھٹلا چکی ہیں، اور رسول کے ذمہ تو بس کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔“

مشرکین قریش سے خطاب

اگرچہ یہ بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کے تسلسل میں ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم نے میرے بیان کو جھٹلا یا دیا اور ایمان نہ لائے تو تم سے پہلے جو گزرے ہیں وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ میں تو زبردستی کسی کو قائل نہیں کرتا، میرا کام تو اللہ کا پیغام واضح و روشن طور پر پہنچانا ہے۔ رسول پیغام رسانی کا ذمہ دار ہے اور بس! رسول اللہ ﷺ کا مشرکین سے بھی یہی خطاب ہے کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ، بتوں کی پرستش چھوڑ دو، یہ تمھیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے، رزق کا مالک اللہ ہے، اللہ کے شاکر بنو، سب نعمات اللہ کی عطا کردہ ہیں، اللہ کے پاس تم سب نے پلٹ کر جانا ہے۔ اللہ کے ہاں تمھارا احتساب ہوگا۔ سابقہ اقوام نے رسولوں کے بیانات کو جھٹلا دیا، ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے عذاب نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا، اسی طرح تمہارے اوپر بھی اللہ کا دُنیاوی عذاب

بھی آئے گا اور اُخروی عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔ میری ذمہ داری اللہ کے پیغام کو تم تک پہنچا دینا ہے، اسے ماننا یا نہ ماننا یہ تمہارا اختیار ہے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا کَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰہُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح پہلی دفعہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا، بے شک یہ اللہ پر آسان ہے۔''

معاد کے ثبوت پر دلائل

اس آیت کے بعد پانچ آیات میں معاد کے اثبات بارے دلائل دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں سے کہا جا رہا ہے اور یہ بیان سابقہ ادوار میں اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والی اقوام کے لیے بھی ہے، کیا جھٹلانے والے اس بات کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان موجودات کو پہلے پہل ایجاد کیا ہے اور وہ ہی ہے جو ان کو دوبارہ پلٹائے گا کیونکہ ایک معدوم چیز کو وجود میں لانا علمی حوالوں سے مشکل ہوتا ہے جبکہ جسے پہلے بنایا جا چکا ہے اسے دوبارہ خلق کرنا اور اسی جیسا بنانا تو آسان ہے مشکل نہیں۔ کیونکہ دوبارہ کی خلقت اسی مواد سے ہے جس سے پہلے وہ خلق ہوتا ہے اور یہ تو پہلی خلقت سے آسان تر ہے۔ اللہ قدرت مطلقہ کا مالک ہے، اللہ کے لیے مخلوق کا شروع میں خلق کرنا اور پھر مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا آسان ہے۔[1]

---

[1] ۔ اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق ماں کے رحم میں خلق کی گئی طینت ہے جو روایات کی رو سے فنا ناپذیر ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسی طینت اولیہ سے دوبارہ انسانوں کو خلق کرے گا۔ (مصحح)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰

ترجمہ: ''کہہ دو زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ اس نے کس طرح مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا، پھر اللہ آخری دفعہ بھی پیدا کرے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝۲۱

ترجمہ: ''جسے چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے رحم کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۲۲

ترجمہ: ''اور تم زمین اور آسمان میں عاجز نہیں کر سکتے، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔''

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۳

ترجمہ: ''اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور اس کے ملنے سے انکار کیا وہ میری

رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

مشرکین پر اتمام حجت

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو دستور دیا ہے کہ مشرکین پر حجت تمام کردو اور ان سے کہہ دو:۔

ا۔ زمین پر سیر کریں، گھومیں پھریں، تاکہ انہیں سمجھ آئے کہ موجودات میں کتنا اختلاف ہے اور ان کو کس طرح ایجاد کیا گیا ہے، ان کے بارے دیکھیں کہ وہ کیسے تھے، اللہ تعالیٰ نے کس طرح انہیں ماڈل کے بغیر خلق کیا ہے۔ اللہ کی قدرت لامحدود ہے۔ اسی بنیاد پر اللہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ آخرت میں ان سب کو اسی طرح خلق کرے جس طرح وہ پہلے دُنیا میں تھے۔ جیسا کہ سورۂ واقعہ آیت ۶۲ میں ارشاد فرمایا:

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲

"اور تم پہلی پیدائش کو جان چکے ہو پھر کیوں تم غور نہیں کرتے۔"

۲۔ دوسری بات ان مشرکین سے یہ کہہ دو کہ عالَم آخرت کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ اس جہان میں اللہ ہی کا اختیار ہے کہ جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے اس پر رحمت کر دے۔ البتہ عذاب انہیں دے گا جنہوں نے دُنیا میں جرائم کا ارتکاب کیا ہو گا۔ اس جہاں میں تم اسی کے پاس ہی لوٹائے جاؤ گے۔ وہاں اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا۔ وہاں پر اللہ کا فیصلہ نافذ العمل ہو گا۔

۳۔ تم آخرت میں بھی اسی طرح خدا کے فیصلوں کے سامنے کچھ نہیں کر سکو گے جس طرح دُنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ دُنیا میں اللہ نے زمین و آسمان میں جیسے چاہا تصرف کیا، جب چاہا بارش برسائی، جب چاہا قحط دے دیا، جب چاہا موت دے دی یا حیات دے دی۔ تم دُنیا میں اللہ کو اس کے فیصلوں کے مدمقابل عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی رکاوٹ لا سکتے ہو۔ اسی طرح آخرت

میں بھی تمہارے اختیار میں کچھ بھی نہ ہو گا۔ وہاں پر اللہ کے عذاب سے فرار نہ کر سکو گے اور نہ ہی تمہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچا سکے گا۔ وہاں پر نہ تمہارا کوئی سرپرست نہ ہو گا اور نہ ہی کوئی مددگار ہو گا۔ کوئی تمہیں خدا سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔

۴۔ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے کہ آپ نے ان کافروں کے لیے اللہ کی وحدانیت بارے، عالم آخرت بارے، حیات بعد از ممات پر مکمل دلائل اور ثبوت دے دیئے ہیں۔ اپنی نبوت اور رسالت کے ثبوت بھی ان کے سامنے پیش کر دیئے ہیں، ان معجزات میں قرآن بھی شامل ہے۔ توحید، نبوت اور معاد بارے ان سب معجزات اور دلائل کا کافروں پر کچھ اثر نہیں ہوا اور وہ سب کے انکاری ہوئے، یہ لوگ اللہ کی رحمت اور بہشت سے مایوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ کافروں کو بہشت میں داخلہ نہ ملے گا، کفر اختیار کرنے کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ جہنم ہی میں عذاب میں رہیں گے اور یہ دردناک عذاب ان کے مقدر میں ہے جس کی وجہ یہ خود ہیں۔ اُنہوں نے اپنے اختیار اور اپنے ارادہ سے اللہ کی آیات کا انکار کیا اور اس طرح اللہ کی رحمت اور جنت الفردوس سے محروم ہو گئے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۲۴

ترجمہ: ''پھر اس کی قوم کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ اسے مار ڈالو یا جلا ڈالو پھر اللہ نے اسے آگ سے نجات دی، بے شک اس میں ان کے لیے نشانیاں ہیں جو ایماندار ہیں۔''

ابراہیمؑ کی دعوت کا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو یکتا پرستی کی دعوت دی لیکن ان کی قوم نے ان کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے ان کو قتل کرنے یا آگ میں جلانے کا اعلان کیا اور کہا کہ ہم اپنے بتوں کے دشمن ابراہیم سے انتقام لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ سے تکوینی طور پر آگ کی تاثیر کو ختم کر دیا اور ابراہیمؑ کے لیے آگ سلامتی بن گئی، نہ تو اس میں جلانے کی صلاحیت رہی اور نہ ہی اتنی سرد ہوئی کہ اس میں زندہ رہنا مشکل ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لیے اس قسم کے واقعات، آیات اور نشانیاں ہیں، جن سے وہ اپنے مخالفین پر احتجاج کر سکتے ہیں اور ان کو اپنے ایمان کی دلیل کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيۡنِكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُ بَعۡضُكُمۡ بِبَعۡضٍ وَّيَلۡعَنُ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ۙ وَّمَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۙ ۝۲۵

ترجمہ: ''اور کہا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لیے بیٹھے ہو تمہاری آپس کی محبت دنیا کی زندگی میں ہے، پھر قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا، اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہو گا اور تمہارے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہو گا۔''

بت پرستوں کا انجام

کافروں کے پاس بت پرستی کی کوئی دلیل اور ثبوت موجود نہ تھا۔ فقط یہ کہتے تھے کہ ہم تو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہیں اور ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، قومی تعلق کو دلیل بتاتے تھے، دُنیا کے مختصر فوائد کی خاطر بہت بڑا ظلم اپنے اوپر کیا اور واضح و آشکار حقیقت کا انکار کیا لیکن جب قیامت کا دن ہو گا تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے لاتعلقی کا اظہار کریں گے، ایک

دوسرے کا انکار کریں گے، تابعین اپنے متبوعین کا انکار کریں گے اور متبوعین اپنے تابعین کا انکار کریں گے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوۡطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّیۡ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ”پھر اس پر لوط ایمان لایا، اور ابراہیم نے کہا بے شک میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔“

حضرت لوطؑ کا کردار

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ ان کی توحید پرستی کی دعوت کو قبول کیا۔ اسی صورتحال میں (ابراہیم یا لوط، دونوں میں سے ایک نے یہ جملہ کہا) میں نے سب کچھ چھوڑ کر، دُنیاوی تعلقات کو توڑتے ہوئے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی، تمام تر دُنیاوی آسائشوں کو چھوڑنے کا اعلان کیا اور اس راستہ میں آنے والی تمام مشکلات کو برداشت کیا۔ یہ سب اس لیے کیا تاکہ ان کی یکتاپرستی میں کوئی رکاوٹ نہ بنے۔ البتہ اس بات کا مؤید موجود ہے کہ یہ جملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے سورۂ صٰٓفّٰت کی آیت ۹۹ میں ہے:

وَ قَالَ اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَهۡدِیۡنِ ﴿۹۹﴾

”اور کہا میں نے اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے راہ بتائے گا“۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: اللہ عزیز، معزز، مکرم ہے اور وہی درست کار ہے، حکمت والا ہے، وہ ایسی قدرت کا مالک ہے کہ جس کی وہ مدد کرے تو وہ ہرگز ذلیل و خوار نہ ہوگا اور ایسا حکیم ہے کہ جس کی حفاظت کرے تو وہ ہرگز ضائع و ذلیل نہ ہوگا۔

وَ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّۃَ وَ الۡکِتٰبَ وَ اٰتَیۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِی الدُّنۡیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب مقرر کردی اور ہم نے اسے اس کا بدلہ دنیا میں دیا، اور وہ آخرت میں بھی البتہ نیکوں میں سے ہوگا۔''

ابراہیمؑ کے لیے اللہ کا عطیہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس خلوص اور محنت سے توحید پرستی کے پیغام کو عام کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ انہیں دُنیا میں بھی دیا اور اسحٰق اور پھر اسحٰق کے لیے یعقوب (ابراہیم کا پوتا) عطا کیے اور ان دونوں کو نبوت دی اور صاحب کتاب بنایا اور پھر نبوت کو ان کی نسل میں رکھا۔ یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے انعام تھا جو دُنیا میں دیا گیا اور آخرت کا انعام اس کے علاوہ ہے کہ وہاں پر ان کا شمار صالحین سے ہوگا۔ صالحین سے چہاردہ معصومین علیہم السلام مراد ہیں۔[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ابراہیم کو صالحین سے قرار دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں بلند ترین درجات حضرت ابراہم علیہ السلام کے لیے قرار دیئے گئے۔

[1] ۔ رسول اللہ ﷺ، ان کی بیٹی فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، اور بارہ امام علیہم السلام پہلے علی علیہ السلام اور آخری حضرت امام مہدی عج، یہ سب صالحین ہیں۔ (مترجم اردو)

وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ ۫ مَا سَبَقَکُمۡ بِہَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے نہیں کی۔''

اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَ تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ ۬ۙ وَ تَاۡتُوۡنَ فِیۡ نَادِیۡکُمُ الۡمُنۡکَرَ ؕ فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتِنَا بِعَذَابِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور تم ڈاکے ڈالتے ہو اور اپنی مجلس میں برا کام کرتے ہو، پھر اس کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچا ہے۔''

قوم لوط کا قبیح عمل

اس کلام میں ایک استفہام مطرح ہوا ہے جسے کوئی بھی عاقل شخص قبول نہیں کر سکتا۔ ''مردوں کے پاس جانے'' سے قبیح عمل لواط مراد ہے۔ اور (قطع سبیل) سے مراد یہ ہے کہ تم نے نسل کی بقاکے طبیعی طریقے کو چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا یہ تعبیر عورتوں کے ساتھ ہمبستری ترک کرنے سے کنایہ ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ (قطع سبیل) سے شہروں اور آبادیوں کی جانب آنے والے راستوں کا بند کرنا مراد ہے۔ اور یہ راہزنی اور ڈاکہ ڈالنے سے کنایہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام انہیں اس برے اور انتہائی قبیح عمل سے روکتے تھے اور وہ اس کا استہزاء اور ٹھٹھہ مذاق اڑاتے تھے اور حضرت لوط سے کہتے تھے کہ تم اس بات میں عاجز ہو کہ ہمارے

اوپر عذاب الٰہی کو لے آؤ اور چیلنج کرتے کہ اگر تم سے ہو سکتا ہے تو عذاب الٰہی لے آؤ۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''کہا اے میرے رب ان شریر لوگوں پر میری مدد کر۔''

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے، کہنے لگے ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔''

قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٚ لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''کہا اس میں لوط بھی ہے، کہنے لگے ہم خوب جانتے ہیں اس میں کون ہے؟ ہم لوط اور اس کے کنبہ کو بچا لیں گے مگر اس کی بیوی وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گی۔''

لوطؑ کی اپنی قوم پر نفرین

حضرت لوط علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا رب! یہ تو میری بات نہیں مانتے اور نہ ہی اس قبیح عمل کو چھوڑنے پر تیار ہی۔ الٹا میرا مذاق اڑاتے ہیں، مجھے جھٹلاتے ہیں، یہ سب فسادی ہیں، اے رب! ان فسادیوں کے خلاف میری مدد فرما۔ وہ در حقیقت اس

دعا سے یہ چاہتے تھے کہ جو میں کہتا ہوں یہ سچ ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

فرشتوں کا ابراہیمؑ کو خبر دینا

اس دوران فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے، انہیں اسحٰق بیٹے کی ولادت کی خوش خبری دی اور اس خوش خبری کے ساتھ ایک اور خبر بھی دی کہ حضرت لوطؑ جس آبادی میں تھے اس آبادی کو ہم نے فنا اور اس آبادی والے لوگوں کو ہلاک کرنا ہے۔

ابراہیمؑ کا لوطؑ کے لیے فکر مند ہونا

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو خبر دی کہ لوط علیہ السلام جس شہر میں رہتے ہیں اس آبادی کو ہلاک کر دیا جائے گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت لوط علیہ السلام کی فکر ہوئی اور فوراً سوال کر دیا کہ اس آبادی میں تو لوطؑ بھی رہتے ہیں تو کیا لوطؑ بھی ان کے ساتھ ہلاک ہوں گے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہمیں حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں علم ہے لیکن اس بستی والے لوگ ظالم ہیں، جس کی بنا پر ان کو ہلاک کر دیا جائے گا جبکہ حضرت لوطؑ اور اس کے خاندان والے تو ظالم نہیں ہیں، ان کو ہم نجات دیں گے فقط لوطؑ کی بیوی ظالموں کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ اس بستی میں رہ جائے گی اور ہلاک ہونے والوں سے ہو گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوطؑ جس شہر میں رہتے تھے وہ شہر فلسطین کے قریب تھا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رہائش فلسطین میں تھی۔ جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے تھے یہ کام ان ہی کے سپرد تھا کہ وہ لوط علیہ السلام کی بستی والوں کو ہلاک کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کا حوالہ اس لیے دیا تھا تاکہ حضرت لوط علیہ السلام کی کرامت کی وجہ سے ان کی قوم کے ظالمین بھی عذاب سے بچ جائیں اور اس طرح خود حضرت لوطؑ بھی محفوظ رہ جائیں گے۔ فرشتوں نے بتا دیا کہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ لوطؑ بھی اسی آبادی میں ہے لیکن ان ظالموں سے تو عذاب نہیں ٹلے گا لیکن لوط اور اس کا خاندان محفوظ

رہے گا، ان کو عذاب والی جگہ سے نکال لیا جائے گا فقط ان کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گی کہ وہ ان کے برے عمل پر راضی تھی۔

وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے تو اسے ان کا آنا برا معلوم ہوا اور تنگ دل ہوئے فرشتوں نے کہا خوف نہ کر اور غم نہ کھا، بے شک ہم تجھے اور تیرے کنبہ کو بچالیں گے مگر تیری بیوی پیچھے رہنے والوں میں ہو گی۔''

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''ہم اس بستی والوں پر اس لیے کہ بدکاری کرتے رہے ہیں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔''

وَ لَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے عقلمندوں کے لیے اس بستی کا نشان نظر آتا ہوا چھوڑ دیا۔''

لوطؑ کے پاس عذاب کے فرشتوں کی آمد

جن فرشتوں کے ذمہ لوط علیہ السلام کی آبادی پر عذاب اُتارنے کا کام تھا وہ حضرت لوط علیہ

السلام کے پاس آئے اور انہیں اللہ کے فیصلے سے آگاہ کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس عذاب کی خبر لانے والے فرشتے خوبصورت جوانوں کی شکل میں تھے اس لیے حضرت لوطؑ گھبرا گئے کہ کہیں آپ کی بیوی آپ کے پاس آئے ہوئے مہمانوں کے متعلق قوم کے لوگوں کو بتانہ دے کہ لوطؑ کے پاس خوبصورت جوان مہمان آئے ہوئے ہیں۔ بظاہر اس بستی کے اوباش لوطؑ کے گھر آگئے اور آوازیں دیں کہ انہیں باہر نکالو کہ ہم انہیں اپنی لذت کا نشانہ بنائیں۔ حضرت لوط علیہ السلام گھبرا گئے کیونکہ آپ کے پاس ان مہمانوں کا دفاع کرنے کا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ بہت زیادہ غمگیں ہو گئے۔ فرشتوں نے ان کی اس حالت کو دیکھا تو فوراً ان سے کہا ڈرو مت اور اندوھگین بھی نہ ہوں (خوف، ڈر) ایسے واقعہ سے ہوتا ہے جو ناپسندیدہ ہو اور اس کے واقع ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور حزن (غمزدہ ہونا) ناپسندیدہ واقعہ کے وقوع پذیر ہو جانے پر ہوتا ہے۔ اس بناپر کیونکہ حضرت لوطؑ نے خود اللہ تعالیٰ سے عذاب طلب کیا تھا تو عذاب کی خبر سے ڈرنا یا غمزدہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اصل خوف اور غم اس پر تھا کہ مہمانوں کو کیسے بچایا جائے۔ اس پر فرشتوں نے بتایا کہ تم ڈرو مت اور غمزدہ بھی مت ہو، ہم تو ان پر عذاب لائے ہیں اور تمہیں یہ کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہم تک ان کے نجس ہاتھ پہنچ سکتے ہیں۔

عذاب اُتارنے کی خبر

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بتادیا کہ ہم ان پر آسمان سے عذاب اُتاریں گے اور اس عذاب کے اترنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مسلسل اس قبیح گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور حدود الٰہی سے تجاوز کرتے ہیں اور غیر فطری فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔

صاحبان عقل کے لیے اللہ کی نشانی

حضرت لوط علیہ السلام جس آبادی میں تھے اس کے لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا اور اس آبادی سے ایک واضح علامت اور نشانی کو باقی چھوڑ دیا گیا تاکہ صاحب عقل و فکر و دانش اس سے عبرت

لے لیں اور اللہ کے عذاب سے ڈریں۔ اس ویران شدہ آبادی کے آثار موجود تھے البتہ اب اس کے آثار مٹ چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی ہلاکت کے بعد دریائی سیلاب نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا، اسے دریائے لوط کہا جاتا ہے۔ لیکن قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آبادی مکہ کے قرب وجوار میں تھی، اس ویران بستی سے مکہ والوں کا صبح وشام گزر ہوتا تھا۔ اس لیے انہیں کہا گیا کہ اس کے آثار سے عبرت لیں جیسا کہ سورہ صافات ۱۳۷ اور ۱۳۸ میں بیان ہوا ہے۔

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ ارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ''اور مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، پس کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو اور ملک میں فساد نہ مچاؤ۔''

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''سو انہوں نے اسے جھٹلایا تب انہیں زلزلہ نے آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔''

حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم

اللہ تعالیٰ نے مدین کی آبادی والوں کے پاس شعیبؑ کو تبلیغ کے لیے بھیجا۔ شعیبؑ اسی قبیلہ سے تھے اس وجہ سے کہا گیا کہ شعیبؑ جو ان کے بھائی تھے یعنی اسی قوم سے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان آئے اور انہیں پیغام الٰہی دیا اور ان سے کہا کہ تم سب اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، کسی کو اللہ کا شریک قرار نہ دو، زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، نیک بنو۔ قوم شعیب علیہ السلام کے جرائم میں بڑا جرم یہ تھا کہ وہ کم فروشی کرتے تھے۔ پیمائش

اور وزن میں خیانت کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کی خیر خواہانہ تبلیغ کو قبول کرنے کی بجائے انہیں جھٹلایا، ان کی دعوت کو ٹھکرایا، ان کے اس جرم کی وجہ سے ان پر عذاب الٰہی آیا۔ یہ عذاب شدید زلزلے کی شکل میں تھا، یہ ایسا زلزلہ تھا جس کے نتیجہ میں جب صبح ہوئی تو سب کو گھروں میں مردہ اور بے حرکت پایا گیا۔

وَ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ قَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۟ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا اور تمہیں ان کے کچھ مکانات بھی دکھائی دیتے ہیں، اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے اور انہیں راہ سے روک دیا حالانکہ وہ سمجھدار تھے۔“

حضرت ہودؑ و صالحؑ کی قوم

قوم عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی اور ثمود، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ ان کے درمیان حضرت ہود اور صالح علیہما السلام نے تبلیغ کی، انہیں اللہ کی وحدانیت کا درس دیا، اللہ کی عبادت کا کہا، فساد سے منع کیا لیکن ثمود اور عاد دونوں اقوام نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی، انہیں جھٹلایا اور شیطان کے فریب میں آگئے اور دین فطرت کو چھوڑ دیا، مشرکانہ اعمال کو اپنالیا جس کے نتیجہ میں ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ [مکہ والوں کے لیے ان کی رہائش گاہیں معلوم تھیں اور ان کی ویرانیاں ان کے سامنے تھیں اور مکہ والے اس بات کو بھی جانتے تھے کہ قوم عاد اور قوم ثمود اپنے انبیاء کی مخالفت کے نتیجہ میں ہلاک ہوئے ہیں اور ان کے گھروں کی ویرانی اس پر گواہ تھی]۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۖ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۱۳)

''سب لوگ ایک دین پر تھے، پھر اللہ نے انبیاء خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے''
[اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو توحیدی فطرت پر خلق کیا ہے لیکن بعض انسان شیطان کے بہکاوے میں آکر فطرتی تقاضے سے انحراف کرتے ہیں۔ انبیاء انسانوں کے درمیان آئے تاکہ انہیں فطرت پر چلنے کی تاکید کریں اور خلاف فطرت چلنے کے سنگین نتائج سے آگاہ کریں]۔

وَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ ۗ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ مَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۞

ترجمہ: ''اور قارون اور فرعون اور ہامان کو ہلاک کیا، اور البتہ ان کے پاس موسیٰ نشانیاں بھی لے کر آئے تھے پھر انہوں نے ملک میں سرکشی کی اور وہ بھاگ کر نہ جاسکے۔''

قارون، فرعون اور ہامان کا انجام

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ آپ اپنے زمانے کے مستکبرین اور فسادیوں کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے، انہیں تبلیغ کی، انہیں ظلم سے منع کیا، اللہ کی عبادت کا کہا، فساد سے روکا۔ فرعون کہتا تھا کہ میں رب اعلیٰ ہوں۔ اس کی سرکشی عروج پر تھی، بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ قارون کو مال و ثروت کا غرور تھا، فرعون کی سرکشی میں اس کے ساتھ اس کا وزیر ہامان شامل تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزات کے ساتھ ان کے پاس آئے، انہیں نصیحت کی، توحید پرستی کی دعوت دی، اللہ کی ربوبیت کے واضح دلائل دیئے لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو جھٹلایا، ان کی دعوت کو ٹھکرایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قارون اپنی بنائی ہوئی جنت میں قدم نہ رکھ سکا اور فرعون اپنے لشکریوں سمیت غرق آب ہوا، اس کا اقتدار اس کی فوج اسے نہ بچا سکی۔ اللہ کی قدرت کے سامنے سب ذلیل و خوار ہوئے۔ یہ سب واقعات مشرکین مکہ کو بیان کیے گئے تا کہ وہ ان کو یاد کر کے ہدایت پا جائیں۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰

ترجمہ: ''پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑا، پھر کسی پر تو ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا، اور ان میں سے کسی کو کڑک نے آ پکڑا، اور کسی کو ان میں سے زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو ان میں سے غرق کر دیا، اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے لیکن وہی اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔''

مختلف اقوام پر عذاب کی کیفیت

اس آیت میں مختلف انبیاء کی اقوام پر اتارے گئے عذاب کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، ان کے اعمال کو بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں سابقہ بیانات کو اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ سابقہ اُمتوں کو ان کے گناہوں کی سزا دی گئی۔

(حاصب) سنگ باری کے معنی میں ہے، یہ لفظ تند و تیز ہوا کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اس لحاظ سے اس لفظ کی قوم لوط پر بھی تطبیق ہوتی ہے کہ ان پر سنگریزوں کی بارش ہوئی اور قوم

عاد پر بھی کیونکہ ان پر تند و تیز ہوا آئی۔ قوم ثمود پر آسمانی چنگھاڑ آئی اور قوم شعیبؑ بھی اس عذاب سے شامل ہوئی۔ قارون کو زمین نگل گئی اور قوم نوح اور فرعون وہامان اپنے لشکریوں سمیت پانی میں غرق ہوئے۔

آخر میں بیان کیا گیا کہ ان سب کو عذاب دیا گیا جس کا سبب ان کی نافرمانیاں اور گناہ تھے۔ اللہ کی طرف سے ان پر کچھ زیادتی نہیں ہوئی، دنیا آزمائش اور امتحان کا گھر ہے، اللہ کا قانون ہے یہ قانون ہمیشہ سے ہے اس نے ختم نہیں ہونا جو بھی گمراہ ہوتا ہے، اس کی گمراہی کا نقصان بھی خود اسی کو ہوگا اور جو ہدایت پاتے ہیں تو اس کا فائدہ بھی خود ان ہی کو ملتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ”ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا حمایتی بنا رکھے ہیں مکڑی کی سی مثال ہے، جس نے گھر بنایا، اور بے شک سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہے، کاش وہ جانتے۔“

غیر خدا کو اولیاء قرار دینا

مشرکین جن چیزوں کو اپنا ولی قرار دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو مکڑی کے جالے کی مانند قرار دیا ہے جو انتہائی کمزور ہوتا ہے، ہوا کے ایک جھونکے سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے۔ اس میں ایک گھر کی جو خصوصیات ہونی چاہیے وہ موجود نہیں ہوتیں، نہ تو گرمی سے بچا سکتا ہے نہ سردی سے اور نہ ہی حملہ آور کے حملے سے بچا سکتا ہے۔ مشرکین نے جن کو اپنا ولی و سرپست بنایا ہے ان کا کام ولی و سرپرست کا نہیں ہے بلکہ ان میں ولایت والی خصوصیات ہی نہیں ہے

کیونکہ وہ نہ تو کسی کو فائدہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تمام وہ افراد جنہوں نے مختلف کاموں کی تاثیر اور برآوری کے حوالے سے غیر اللہ کو ولی بنا رکھا ہے اور ان کا سہارا لیتے ہیں اور انہیں مستقل قرار دیتے ہیں تو ایسے افراد کی مثال مکڑی کی ہے کہ اس نے اپنے لیے گھر تو بنا رکھا ہے لیکن اس میں ایک گھر والی خصوصیات نہیں ہیں۔ ان کی حالت تو اس سے بھی کمزور ہے، یہ مثال فقط بت پرستوں کے لیے نہیں بلکہ تمام مشرکین کو شامل ہے۔ یہ واضح شرک کو بھی شامل ہے اور مخفی اور پوشیدہ شرک کو بھی شامل ہے۔[1]

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ”بے شک اللہ جانتا ہے جسے وہ اس کے سوا پکارتے ہیں، اور وہ غالب حکمت والا ہے۔“

غیر خدا کی پرستش کرنے والوں کے متعلق

”مَا يَدْعُوْنَ“ میں جو ما آیا ہے اگر تو (ما) نافیہ ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ خدا یہ بات جانتا ہے کہ مشرکین اللہ کے سوا جس کی پرستش کرتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس صورت میں یہ آیت سابقہ آیات کے مضمون کی تاکید ہو گی۔ اگر (ما) موصولہ ہو تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے بجائے جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں اللہ ان سے آگاہ ہے ان کے پاس فقط ولایت کا عنوان ہے۔ آپ کے لیے جو مثال دی ہے یہ کامل اور درست ہے۔ اللہ

---

[1] ۔ البتہ ان ہستیوں سے توسل کرنا جن کی ولایت کی بازگشت اللہ تعالیٰ کی ولایت کی جانب ہے جیسے رسول خدا ﷺ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے توسل، اس آیت کے عموم سے خارج ہے کیونکہ ان کی ولایت اللہ تعالیٰ کی ولایت کے طول میں ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ولایت عطا کی ہے۔

عزیز اور غالب ہے کوئی بھی اس پر غالب نہیں ہے، اللہ کے ملک میں، تدبیر کرنے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اللہ کے فیصلے مضبوط اور مستحکم ہیں، اس کے سارے اعمال و افعال مُتقن اور مضبوط ہیں۔ اس نے اپنی تدبیر کسی کے سپرد نہیں کی ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''اور یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، اور انہیں وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں۔''

قرآنی مثالیں

قرآن میں جو مثالیں بیان ہوئی ہیں وہ اگرچہ عام و خاص سب کے لیے ہیں لیکن ان مثالوں کو حقیقی معنی میں صرف اہل علم ہی درک کر سکتے ہیں۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے، بے شک اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔''

آسمانوں اور زمین کی با مقصد خلقت

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے یہ سب بے ہودہ نہیں، اس کا ہدف ہے، ایک طے شدہ نظام کے تحت ہے جو تغیر ناپذیر ہے۔ یہ بازیچہ اور کھیل تماشا نہیں ہے۔ تدبیر اور خلقت دونوں کی بنیاد حق پر مبنی ہے۔ اختتام اللہ کی جانب ہے۔ اللہ کے سوا جو معبود بنائے گئے ہیں ان کے پاس کسی قسم کی ولایت و سرپرستی کا حق نہیں ہے۔ ان میں یہ صلاحیت ہی موجود نہیں، پورے عالم کا سرپرست اور ولی مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اللہ ہی پوری کائنات کا خالق بھی ہے، مدبر بھی ہے۔ اس بات میں اہل ایمان کے لیے آیت اور نشانی ہے۔ اس نشانی سے مومنین ہی

استفادہ کر سکتے ہیں۔ وہ اس آیت و نشانی سے اس تک جاتے ہیں جس نے یہ آیت و نشانی قرار دیا ہے۔ اللہ تک رسائی اور اللہ پر ایمان لانے میں ایسی نشانیوں کا بنیادی کردار ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵

ترجمہ: ”جو کتاب تیری طرف وحی کی گئی ہے اسے پڑھا کرو اور نماز کے پابند رہو، بے شک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے، اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے، اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔“

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی دستور

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دو دستور دیئے گئے ہیں:۔

ا۔ قرآن سے جو کچھ تمہارے اوپر نازل ہو رہا ہے اس کی مومنین کے لیے تلاوت کرو۔ تلاوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ بیان ہوا ہے اس پر عمل کرو اور اس سے بڑھ کر بھی مومنین کو سناؤ تاکہ وہ اس کے مضمون پر عمل کریں اور شرک سے بچے رہیں۔

۲۔ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز اہم فریضہ ہے، بہترین اعمال میں سے ہے، نماز انسان کو ہر گناہ سے بچاتی ہے، نماز کے قیام کا حکم دینے کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دینے کے فائدے کو بھی بیان کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ نماز فحشاء اور منکرات سے بچاتی ہے۔ البتہ ایسا نہیں ہے کہ جو نماز پڑھے گا تو وہ گناہ نہ کرے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز ایسا عبادتی عمل ہے کہ اگر انسان اسے پوری توجہ سے انجام دے، اللہ کی یاد، اللہ کی وحدانیت، پیغمبر کی رسالت اور مسائلہ معاد کو یاد رکھے اور یہ کہ وہ کس طرح اپنے رب کے سامنے موجود ہے، اگر اس میں اخلاص ہو اور اس کا یہ عمل ریاکاری، دکھاوا، شرک سے پاک ہو اور اللہ سے درخواست کرے

کہ اسے صراط مستقیم پر رکھے، اس کا پورا جسم اور پوری توجہ اللہ کی ذات کی طرف ہو، عظمت باری تعالیٰ اس کے سامنے ہو تو یہ سب کچھ اسے گناہ کی آلودگی سے بچائے گا، انسان روحانی اور جسمانی طور پر پاک و پاکیزہ بن جائے گا، گناہوں کی کثافت اور پلیدی سے بچ جائے گا۔ نماز اللہ اور عبد کے درمیان براہ راست رابطہ ہے، نماز میں قرآن کی تلاوت ہے، اللہ کا ذکر ہے، دعا ہے، افعال میں قیام، رکوع و سجود و قعود ہے۔ اس ایک عمل میں جہاں قرآن اور دعائیہ کلمات پڑھنے سے زبان کی طہارت ہو رہی ہوتی ہے وہاں پر اگر زبان اور دل میں ہم آہنگی ہو جو زبان سے جاری ہو رہا ہے دل بھی اسے ادا کر رہا ہو تو اس سے دل کی طہارت ہو گی اور جو کچھ زبان اور دل سے پڑھا جا رہا ہے اگر یہی انسان کے دماغ اور عقل پر حاوی ہو، سوچ اور فکر بھی اسی بارے ہو تو روح، جسم و جان و فکر اور مغز و عقل سب کی طہارت ہو جائے گی۔ نماز کے عمل میں جہاں جسمانی طور پر انسان خود کو اپنے رب کے آگے جھکا رہا ہوتا ہے وہیں پر اس کا دل و دماغ، روح و جان بھی اللہ کی اطاعت میں ہوتا ہے۔ نماز میں جو چیز اصل ہے وہ ذکر الٰہی ہے، دل میں اللہ کو یاد کرنا اور خود کو مقام عبودیت پر لاکھڑا کرنا، قلبی اور زبانی ذکر افضل عمل ہے کہ جو انسان سے صادر ہوتا ہے۔ تمام اعمال خیر یہ قدر و شان والے ہو جاتے ہیں، ذکر خدا انسانی سعادت کا آخری مرحلہ ہے جو انسان کے لیے مدنظر رکھا گیا ہے۔ بلکہ اللہ کا ذکر تمام خیرات کی چابی ہے۔

آخر میں فرمایا کہ تم خیر اور شر میں سے جو بھی انجام دیتے ہو اپنے اعمال پر توجہ دو۔ ان اعمال سے غافل نہ رہو، اپنے اعمال میں دقت کرو، تاکہ اللہ کی رضایت نصیب ہو۔

وَ لَا تُجَادِلُوۡۤا اَہۡلَ الۡکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ٭ۖ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡہُمۡ وَ قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ وَ اِلٰـہُنَا وَ اِلٰـہُکُمۡ وَاحِدٌ وَّ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ''اور اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر ایسے طریقے سے جو عمدہ ہو، مگر جو ان میں بے انصاف ہیں، اور کہہ دو ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہونے والے ہیں۔''

تبلیغ کا اسلوب

اس آیت میں تبلیغ دین کے اسلوب کو بیان کیا گیا ہے۔ اہل الکتاب میں یہودی، نصاریٰ، مجوسی اور صائبین شامل ہیں۔ ان سے مجادلہ (جذباتی بحث کرنا، اس انداز میں بحث کرنا جس کا مقصد دوسروں کو نیچا دیکھانا ہو) کرنے سے قرآن نے منع کیا ہے۔ بحث کا انداز ایسا ہو جو بہترین ہو، نرم گفتگو ہو، دوسروں کی بات کو آرام سے سنیں اور اپنی بات کرتے وقت مجادلہ کا طریقہ نہ اپنایا جائے، الفاظ کا انتخاب مناسب ہو، انداز بیان ایسا ہو کہ دوسرے کو اپنی طرف مائل کرنے، حق بات کا اظہار، دشمنی اور مخالفت کے انداز میں نہ ہو، شور نہ مچایا جائے، جھگڑالو انداز نہ ہو، دھیمہ لہجہ ہو، دونوں اطراف میں متفقہ باتوں سے بات کا آغاز کیا جائے۔ دوسرے کی بات توجہ سے سنی جائے، اس کی بات کو فوراً رد نہ کیا جائے، بحث کا ہدف حقیقت کو واضح و روشن کرنا ہو۔ البتہ اہل کتاب سے ایسے افراد جو دشمنی پر اُتر چکے ہوں، ستمگار، ہٹ دھرم ہوں اور ان سے احسن انداز اور نرم گفتگو کا مطلب ذلت و خوارگی سمجھی جائے تو ایسے افراد سے نرمی اور رواداری سے مجادلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ جو مشترکہ نقاط ہیں ان کو بنیاد بنا کر بات کی جائے۔ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان مشترک نقطہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے چاہے وہ سابقہ انبیاء پر ہو یا موجودہ نبیؐ پر تو اس کو تسلیم کریں گے، اللہ کے اوامر و نواہی کو تسلیم کرنا ان نقاط میں شامل ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”اور اسی طرح ہم نے تیری طرف کتاب نازل کی ہے، پھر جنہیں ہم نے کتاب دی تھی وہ تو اس پر ایمان لائے ہیں، اور ان میں سے بھی کچھ لوگ اس پر ایمان لائے ہیں، اور ہماری آیتوں کا کافر ہی انکار کیا کرتے ہیں۔“

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ”اور اس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتا تھا اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا تھا، اس وقت البتہ باطل پرست شک کرتے۔“

رسول اللہؐ پر قرآن کا نزول

اس جگہ بیان کیا گیا ہے کہ اے ہمارے رسول! ہم نے آپ پر قرآن جیسی کتاب نازل کی ہے۔ اس کتاب پر اہل کتاب (یہودی، نصاریٰ، مجوسی، صائبین) میں سے کچھ ایمان لے آئیں گے۔ اس بیان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سب اہل کتاب آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری خبر یہ دی ہے کہ مشرکین اور بت پرستوں میں سے بھی کچھ ایمان لائیں گے۔ آخر میں ایک بات واضح کر دی گئی ہے کہ جو کافر ہیں چاہے اہل کتاب ہوں یا مشرکین وہ اس کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے۔ کافر سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں، اللہ کے رسولؐ کی دعوت کو ٹھکراتے ہیں اور واضح نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے۔

رسول اللہؐ کی خصوصیت

قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ یہ کتاب علمی مطالب پر مشتمل ہے اور رسول اللہؐ پر نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا احسان جتلایا ہے

کہ ہم نے تمہارے اوپر کتاب کو اُتار دیا ہے جبکہ تم نہ تو کتاب پڑھتے تھے اور نہ ہی کبھی کچھ لکھا تھا۔ قرآن کے نزول سے پہلے آپ کی حالت ایسی تھی نہ کسی مکتب میں گئے نہ کوئی کتاب پڑھی۔ لوگوں میں معروف تھا کہ آپ ہاتھ سے لکھنا اور کتاب کو دیکھ کر پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اگر قرآن کے نزول سے پہلے آپؐ نے کتاب پڑھی ہوتی اور اپنے ہاتھ سے تحریریں لکھی ہوتیں تو باطل پرست، جو حق اور باطل میں جدائی نہیں ڈالتے وہ شک میں پڑ جاتے اور پروپیگنڈہ کرتے کہ انہوں نے خود ہی ایک کتاب لکھ لی ہے، یہ تو پہلے بھی ایسی تحریر لکھتے رہتے تھے۔ اس طرح آپ کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغمبر ہونے بارے شک کرتے لہٰذا مصلحت اسی میں تھی کہ مکہ میں رہنے والوں نے کبھی بھی نہیں دیکھا تھا کہ آپ نے کوئی کتاب پڑھی ہو جبکہ کتابیں تو موجود تھیں۔ آسمانی کتابیں بھی موجود تھیں۔ لوگ اشعار کو بھی لکھنا جانتے تھے لیکن آپ نے کبھی نہ تو اپنے ہاتھوں سے کچھ لکھا تھا اور نہ ہی کسی تحریر کو آپ نے پڑھا تھا۔ آپؐ نے علم لدنی سے کتاب پڑھنا اور لکھنا سیکھ لیا تھا۔ یہی بات سبب بنی کہ ایک ایسا شخص جو چالیس سال تک کچھ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا ایسی کتاب لے آیا جو علمی مطالب پر مشتمل ہے تو انہوں نے اس بارے شک نہ کیا کہ یہ خود ان کی اپنی تیار کردہ کتاب ہے۔ یہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے، پیغمبر اکرم ﷺ نے اسے چند کتابوں کو پڑھ کر تیار نہیں کیا۔ البتہ جو ہٹ دھرم جھگڑالو تھے، دلیل و منطق سے بات نہیں کرتے تھے اور نہ ہی مانتے تھے تو ان کی بات الگ ہے لیکن آپ کا اُمی ہونا خود اس بات کا ثبوت تھا کہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۹

ترجمہ: ”بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں ان کے دلوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے، اور ہماری

آیتوں کا صرف ظالم ہی انکار کرتے ہیں۔"

وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: "اور کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں، کہہ دو نشانیاں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، اور میں تو بس کھول کر سنا دینے والا ہوں۔"

قرآن کی خصوصیت

قرآن ایسی کتاب نہیں ہے جس میں مختلف مطالب کو ادھر اُدھر سے لے کر جمع آوری کی گئی ہو۔ قرآن روشن آیات پر مشتمل ہے اور یہ آیات ان کے سینوں میں ہیں جن کو علم سے وافر حصہ دیا گیا ہے، جو صاحبان علم ہیں، قرآن کا انکار وہ لوگ کرتے ہیں جو ستمگار ہیں۔ ان روشن آیات کو جھٹلاتے ہیں، مستکبرین ہیں، معاند و بغض رکھنے والے ہیں، دشمنی رکھنے والے ہیں، بلا دلیل انکار کرتے ہیں۔

مشرکین کا مطالبہ

جن لوگوں نے قرآن کو بعنوان معجزہ تسلیم نہ کیا تو انہوں نے رسول اللہؐ سے قرآن کے علاوہ دوسرا معجزہ مانگ لیا۔ ان کا خیال تھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس غیبی اور الٰہی طاقت ہے اور وہ جو چاہے کر سکتے ہیں۔ ان سے کہی جانے والی ہر بات کو وہ پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے مطالبہ کر دیا کہ اگر اپنے رب کی طرف سے کچھ اور آیات و معجزات اُتارے تو بات مانی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ ان کے اس مطالبہ پر جواب دو کہ آیات اور معجزات اللہ کا اختیار ہے، وہی قادر مطلق ہے۔ اس کی قدرت میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جو رسالت اور اللہ کی نمائندگی کا

دعویدار ہو وہ اپنی مرضی سے جو معجزہ چاہے لے آئے بلکہ اللہ کا رسول بھی اللہ کی قدرت اور اللہ کے اختیار کے سامنے عاجز ہے۔ جو خدا چاہتا ہے وہ وہی انجام دیتا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی ذمہ داری تو انذار ہے، خطرات سے لوگوں کو آگاہ کرنا اور برے انجام سے ڈرانا ہے۔ معجزات دینے کا اختیار فقط اللہ کے پاس ہے۔

اَوَ لَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ’’کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو ان پر پڑھی جاتی ہے، بے شک اس میں رحمت ہے اور ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔‘‘

حقانیت کی گواہی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ مشرکین نئے معجزات مانگ رہے ہیں تو کیا ہم نے جو قرآن نازل کیا ہے، ان کے لیے یہی کافی نہیں ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کی تصدیق کریں اور ایمان لے آئیں؟ قرآن مومنین کے لیے رحمت ہے اور یاددہانی ہے۔ قرآن ایک آشکار اور روشن معجزہ ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ شَہِیۡدًا ۚ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ’’کہہ دو اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جانتا ہے، اور جو لوگ جھوٹ پر ایمان لائے اور اللہ کا انکار کیا، وہی نقصان پانے والے ہیں۔‘‘

رسالت کی حقانیت پر گواہی

اے میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ! اس وقت تمہارے اور مشرکین کے درمیان جو جھگڑا چل رہا ہے وہ یہ ہے کہ تم اللہ کے رسول ہو یا نہیں، تیری رسالت بارے اختلاف ہے اور مشرکین اس پر ٹھوس ثبوت چاہتے ہیں۔ اس حوالے سے سب سے بڑا ثبوت تو قرآن کریم ہے اور پھر اس کی گواہی مانگتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ اللہ کی گواہی ہی اس بارے کافی ہے کہ اس نے میرے اوپر اس کتاب کو نازل فرمایا ہے جو علمی مطالب پر مشتمل ہے۔ یہی امر میری رسالت کی تصدیق کے لیے کافی ہے، اللہ ہی ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین کا علم ہے۔ اللہ کے پاس علم مطلق ہے، کچھ بھی اس سے پوشیدہ و مخفی نہیں ہے۔ لہٰذا میرے لیے اللہ کی گواہی کافی ہے اور وہ سب اس بات کو جانتے ہیں کہ وہ قرآن جیسی ایک آیت لانے پر بھی قدرت نہیں رکھتے۔ قرآن نے اس بارے انہیں کئی بار چیلنج کیا ہے۔ قرآن کے سامنے وہ عاجز ہیں، جب اس طرح قرآن رسول کی رسالت کی تصدیق کر رہا ہے تو پھر اس بارے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس صورت میں جو حق کو چھوڑ کر باطل پر ایمان لے آتے ہیں اور قرآن کا انکار کرتے ہیں تو حقیقت میں وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ”اور تجھ سے عذاب جلدی مانگتے ہیں، اور اگر ایک وعدہ مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب آ جاتا، اور البتہ ان پر اچانک آئے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہو گی۔“

مشرکین کی جانب سے عذاب کا مطالبہ

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین پیغمبر اکرم ﷺ سے از راہ مذاق کہتے تھے کہ اگر تم

سچے ہو تو ہمارے اوپر عذاب لے آؤ۔ ان کا ہدف یہ تھا کہ پیغمبر اکرمؐ اس کام سے عاجز ہیں۔ وہ کہتے تھے اگر تم سچے ہو تو خدا سے کہو کہ وہ ہمارے اوپر عذاب اُتار دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ہم نے اولاد آدم کے لیے ایک وقت مقرر رکھا ہے اور اول سے ہم نے بنی آدم کے لیے یہ بات بتا دی ہے کہ ہم نے زمین پر تمہارے لیے ایک مدت معین کر دی ہے اس مدت تک تم نے زمین پر رہ کر بہرہ مند ہونا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہارے برے اعمال اور فساد کاریوں پر تم اچانک اور ناگہانی عذاب کے مستحق ٹھہرتے اور غفلت کے عالَم میں تم پر عذاب آجاتا، لیکن سب کے لیے ایک وقت معین کر دیا گیا ہے اس وقت سے نہ آگے ہوگا نہ پیچھے۔ اس وقت سے صرف اللہ ہی آگاہ ہے۔ جب وعدہ کا وقت آجائے گا تو پھر اللہ کے سوا کوئی پناہ نہ ہو گی۔ کافروں اور مشرکوں کے لیے مہلت دینا اس لیے بھی ہے کہ ان کے گناہوں کا بوجھ کئی گنا ہو جائے تا کہ ان پر زیادہ عذاب آئے کیونکہ انہوں نے اپنے اختیار سے جس چیز کا انکار کر دیا ہے اور گناہ کا راستہ اختیار کر لیا ہے تو انہیں اور زیادہ موقع دے دیا جاتا ہے تا کہ مزید فساد کاریاں کر لیں اور ان کو سخت سے سخت عذاب دیا جائے۔ ان پر عذاب کا جلدی نہ آنا بھی ایک طرح کی سزا ہے جو انہیں دی جا رہی ہے جس سے کافر بے اطلاع ہیں۔ یہ مہلت ان کے فائدہ میں نہیں ہے بلکہ ان کے نقصان میں ہے۔ عذاب الٰہی میں تاخیر کی وجہ کافروں کی کرامت و شرافت نہیں بلکہ یہ اللہ کی تدبیر کا حصہ ہے۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ؀

ترجمہ: ”تجھ سے عذاب جلدی مانگتے ہیں، اور بے شک دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔“[1]

---

[1] ۔ فارسی مترجم کی نظر میں اس آیت کے اطلاق سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ جہنم کی آگ نے کفار کو اسی دنیا ہی میں اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ ان کے اعمال اور اقوال نے اسی دنیا ہی میں جہنم کی آگ کی شکل اختیار کی ہوئی ہے۔ (مترجم)

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ يَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''جس دن عذاب انہیں ان کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے گھیر لے گا اور کہے گا جو تم کیا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔''

کافروں کی جہالت پر مبنی خواہش

کافر اپنی جہالت اور غلط سوچ کے نتیجہ میں یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے اوپر عذاب جلدی لے آؤ جبکہ عذاب تو ان کے اعمال کی سزا ہے اور اس سزا نے انہیں ضرور ملنا ہے کیونکہ عمل کا اثر عمل کرنے والے سے جدا نہیں ہو سکتا اور جہنم کے عذاب نے انہیں اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ یہ عذاب ان سے نہیں ٹلے گا اور اس سے فرار ممکن نہیں کیونکہ عذاب ان کے اعمال کا باطن ہی ہے جس کو انہوں نے اپنے عمل سے اپنے لیے آمادہ کر رکھا ہے اور جب عذاب والا دن آجائے گا تو پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہی ہے جو تم کرتے تھے، یعنی یہ تمہارے ان برے اعمال کا اثر ہے جو تم انجام دیتے تھے۔ اب تم اس کا مزہ چکھو، اس عذاب نے اب تم سے جدا نہیں ہونا۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ''اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین کشادہ ہے پس میری ہی عبادت کرو۔''

مومنین کے لیے خصوصی خطاب

یہ خطاب ان مومنوں سے ہے جو کافروں کے درمیان رہتے ہیں اور دین حق کا اظہار نہیں کر

سکتے اور کافروں کی روایات کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہیں۔ ایسے مومنین سے کہا گیا ہے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے، زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، تم کافروں کے علاقہ کو چھوڑ کر دوسری جگہوں پر جا سکتے ہو اور وہاں پر جا کر جس طرح چاہو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتے ہو۔ تم زمین کے جس حصہ میں بھی جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جانا، جو چیز تم پر واجب ہے وہ یہ ہے کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو کیونکہ عبادت فقط اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔ اگر ایک جگہ ایسی ہے جہاں پر اللہ کی عبادت نہیں ہو سکتی اور تم اپنا عقیدہ محفوظ نہیں رکھ سکتے تو ایسی جگہ ہجرت کر جاؤ جہاں پر اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت کر سکو، اس جگہ کو چھوڑ دو جہاں پر اللہ کی عبادت کرنا ممکن نہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۟ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ”ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے، پھر ہمارے ہی پاس پھر کر آؤ گے۔“

دُنیاوی زندگی

دُنیا میں زندگی کا عرصہ محدود ہے، ہر شخص نے مرنا ہے، موت ایسا یقینی امر ہے جس کے بارے کسی کو شک نہیں ہے، سب نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور سب نے حساب کے لیے اللہ کے پاس پلٹایا جانا ہے لہٰذا سب کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ دُنیا میں اپنے اعمال کو صحیح انجام دیں، ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اللہ سے ملاقات کی تیاری کریں اور متوجہ رہیں کہ دُنیا کی آسائشیں اور رنگینیاں انہیں غافل نہ کردیں اور موت کو بھول نہ جائیں۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ”اور جو ایمان لائے اور نیک کام کیے البتہ ہم انہیں جنت کے بالا خانوں میں

جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں ہمیشہ رہیں گے، عمل کرنے والوں کا کیا اچھا بدلہ ہے۔"

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: "جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔"

صبر اور توکل کرنیوالوں کے لیے اللہ کا انعام

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں اور نیک اعمال انجام دینے والوں کے لیے انعامات کا وعدہ دیا ہے۔ جنت میں ان کے لیے غرفے ہیں۔ **غُرفا:** غُرفہ کی جمع ہے جس کا معنی بلند جگہ پر بہت ہی خصوبصورت اور آرام دہ رہائش گاہ ہے۔ ان آیات میں مرنے کے بعد مومنوں کا جو اجر ہے اسے بیان کیا گیا ہے۔ مؤمنوں نے اپنے رب کے پاس پلٹ کر جانا ہے۔ اس بیان سے مومنوں کو نیک اعمال کا شوق دلایا گیا ہے، مومنین ایمان اور عمل صالح بجالانے کی وجہ سے جو تکالیف برداشت کرتے ہیں، مخالفین کے طعنے سہتے ہیں، کافروں کی طرف سے انہیں اذیتیں دی جاتی ہیں، اپنا گھر بار اللہ کے دین پر عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، فقط اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، دین پر ثابت قدم رہتے ہیں، اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں، اپنا گھر بار چھوڑتے ہیں، اپنے عقیدہ کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اللہ کی عبادت کو نہیں چھوڑتے، تمام مشکلات و مصائب پر صبر کرتے ہیں، تمام معاملات کو اللہ کے سپرد کر رکھا ہے تو پھر ایسے افراد کے لیے بڑا اجر ہے، بہترین اور ہر قسم کی آسائش کے لیے آمادہ رہائش گاہیں، جنت الفردوس میں ان کے لیے آمادہ اور تیار ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ مومنین کی اہم خصوصیات میں صبر اور توکل ہے، ان دو صفات کے سہارے وہ دین پر قائم رہتے ہیں، اپنے عقیدہ کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے مطابق عمل صالح بجالاتے ہیں۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَ اِيَّاكُمْ ۖ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞۶۰

ترجمہ: ''اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے، اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''

اللہ کی طرف سے رزق کی فراہمی

''حملِ رزق'' سے مراد رزق ذخیرہ کرنا ہے۔ اس آیت میں ان مومنوں کو حوصلہ دیا جارہا ہے جو اپنے وطن سے ہجرت کا ارادہ رکھتے ہیں کہ وہ پریشان نہ ہوں کیونکہ زمین پر حرکت کرنے والے بہت سارے ایسے جاندار ہیں جو اپنے لیے رزق ذخیرہ نہیں کر سکتے اور اللہ ہی ہے جو ان کے لیے ہر روز کا رزق مہیا فرما دیتا ہے۔ جب اللہ ان کی روزی پہنچا دیتا ہے تو آپ تو انسان ہیں، اگر یہ اپنے لیے رزق کو ذخیرہ نہیں کر سکتے ہیں پھر بھی وہ روزی سے محروم نہیں ہوتے تو تم تو انسان ہو۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان جانوروں کو روزی دینے والا اللہ تمہیں بھی روزی دے گا۔ اللہ تمہاری دعا کو سنتا ہے اور تمہاری حاجات اور ضروریات سے آگاہ ہے۔ ان دو اسماء کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تمام مخلوقات کی روزی کا انتظام کرے۔ ہر چیز کی روزی اور رزق وہ چیز ہے جس سے ہر چیز کی بقاء ہے۔ رزق انسان اور ہر جاندار کی زندگی کی ضرورت ہے اور اللہ ہی ہے جس نے ہر شئی کی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کر دیا ہے لہٰذا اللہ ہی اپنی مخلوقات کا رازق ہے کوئی اور رازق نہیں۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞۶۱

ترجمہ: ''اور البتہ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے کام میں لگایا تو ضرور کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں الٹے جارہے ہیں۔''

مشرکین کا اپنے عقیدے کے خلاف عمل

اس آیت میں خلقت کے بارے مشرکین کے عقیدے کو بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ تم ان سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے تو ان کا جواب یہ ہوگا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے۔ جب ان سے سوال کرو کہ سورج اور چاند کو کس نے تسخیر کیا ہوا ہے تو بھی ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ تو پھر ان سے کہو کہ تم یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہاں جارہے ہو؟ اللہ کو چھوڑ کر کس کی پرستش کرتے ہو، جب اللہ موجودات کا خالق ہے اور ان کی تدبیر بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی خلقت سے بیان کیا گیا کہ تمام موجودات کی خلقت اللہ کی طرف سے ہے اور سورج اور چاند کا حوالہ دے کر بیان کیا گیا ہے کہ تمام موجودات کے نظام کو بھی اللہ ہی چلارہا ہے اور جو خالق ہے اور موجودات کی تدبیر جس کے اختیار میں ہے تو مالک بھی وہی ہے۔ اسی کی اطاعت کرنا ہوگی کیونکہ نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ موت و حیات کا مالک وہی ہے۔ جب وہ تسلیم کرتے ہیں کہ خلقت اور تدبیر اللہ کی ہے تو پھر انہیں اللہ ہی کی اطاعت کرنی چاہیئے نہ کہ غیر اللہ کی۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: ''اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کردیتا ہے

اور تنگ کر دیتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

روزی اللہ کے اختیار میں ہے

اللہ تعالیٰ نے رزق کے اسباب خلق فرمائے ہیں اور ہر سبب کے لیے تاثیر قرار دی ہے۔ انسان جیسا سبب اختیار کرے گا اسی کے مطابق ہی اس کو روزی ملے گی لہٰذا روزی کی وسعت یا تنگی سب اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ وہی ہے جس نے اسباب کو خلق فرمایا ہے۔ سب صفات کمالیہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں جمع ہیں، اس سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے وہ اپنے بندوں کے مفاد کو بھی جانتا ہے اور ان کے نقصان کو بھی جانتا ہے۔ اور ہر ایک کو وہی دیتا ہے جو اس کے مفاد میں ہوتا ہے۔

"بسط" کا معنی کشادہ کرنا ہے، (باسط الرزق) کا مطلب رزق کو کشادہ کرنے والا ہے۔ رزق کا لفظ اگر بسط کے ساتھ استعمال ہو تو اس کا معنی رزق تقسیم کرنا ہوتا ہے۔ اور اگر رزق کا لفظ قَدر کے لفظ کے ساتھ استعمال ہو تو رزق کو محدود کرنے میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح قَدر کا لفظ رزق کے ساتھ ہو تو تدبیر، انذار اور منصوبہ بندی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ بسط کے بعد قدر استعمال ہو تو اس سے رزق کا کشادہ کرنا اور رزق کو تنگ کرنا بھی مراد لیا جاتا ہے اور یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ رازق اللہ ہے، یعنی رزق کے اسباب اور وسائل اللہ نے بنائے ہوئے ہیں اور ان کے استعمال کا اختیار انسان کو دیا ہے۔ ان وسائل کے مطابق ہی رزق میں وسعت بھی ہوتی ہے اور تنگی بھی ہوتی ہے یہ سب اللہ کے نظام اکمل کا تقاضا ہے، ہر کام ایک منصوبہ کے تحت ہو رہا ہوتا ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ”اور البتہ اگر تو ان سے پوچھے آسمان سے کس نے پانی اتارا پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا تو کہیں گے اللہ نے، کہہ دو سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے۔“

بارشیں برسانے والا کون؟

ان آیات میں مشرکین کے عقائد اور نظریات بیان ہوئے ہیں۔ پچھلی آیات میں آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بارے سوال ہوا، پھر موجودات کے نظام کے بارے سوال ہوا کہ سورج اور چاند کس کے اختیار سے حرکت میں ہیں؟ پھر بیان کیا گیا کہ جب ایسا ہے تو رزق بھی اللہ ہی دیتا ہے۔ اس آیت میں رزق کے اہم سبب یعنی پانی اور زمین کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس لیے پہلے سوال کیا گیا ہے کہ بارش کون برساتا ہے؟ جب مشرکین کا نظریہ یہ ہے کہ بارش برسانے والا اللہ ہے تو واضح ہے پانی ہی آبادی کا وسیلہ ہے۔ اس کے بعد زمین کی مردگی اور ویرانی کا حوالہ دیا گیا پھر اسے پانی دے کر حیات نو دینے والا کون ہے تو سب کا جواب یہی ہے کہ وہ اللہ ہی ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر اللہ کے سوا کسی اور کی تعریف کیوں؟ بے جان بتوں کی ستائش کس لیے کرتے ہو؟ پھر تنبیہ کر دی کہ اس بات کو تو سمجھدار ہی جان سکتے ہیں جو بے سمجھ ہیں وہ اس کو نہیں جان سکتے۔ جو زمین کی آبادی کا سبب ہے وہی لائق تعریف ہے، نہ کہ کوئی اور۔ یہ سب کچھ سوئے ہوئے دماغوں کو جگانے اور خواب غفلت کی گہری نیند میں ڈوبے ہوئے افراد کو جگانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور کریں، فقط اللہ ہی کی عبادت کریں، بتوں کی پوجا چھوڑ دیں، بتوں نے نہ تو کچھ خلق کیا ہے اور نہ ہی سورج و چاند ان کے حکم کے تحت چلتے ہیں نہ ہی وہ بارش برساتے ہیں اور نہ ہی ویران زمین کی آبادی کا سبب بنتے ہیں، نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔ ان چیزوں کو سمجھنا چاہیے اور بتوں کی بجائے اللہ کی عبادت کرنی چاہیے۔

وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ''اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے، اور اصل زندگی عالم آخرت کی ہے کاش وہ سمجھتے۔''

دُنیا اور آخرت کا موازنہ

''لھو'' سے ایسا بے ہودہ کام مراد ہوتا ہے جو انسان کو نفع دینے والے مہم کام سے روک دے اور اپنے میں مگن کر دے۔ ''لعب'' خیالی نظم اور ہدف کے تحت کام کرنے کو کہا جاتا ہے، جیسے بچوں کے کھیل۔ بچے جس طرح کھلونوں کے ساتھ کھیل رہے ہوتے ہیں اور کھلونے ان کو خوب مصروف رکھتے ہیں تو ان میں ایک طرح نظم ہوتا ہے اور ایک مقصد بھی لیکن اس کے پیچھے نہ تو کوئی سوچ کارفرما ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی مقصد و ہدف ہوتا ہے۔ اسی لیے بچے کھیل کو خراب بھی کر دیتے ہیں اور پھر ایک نیا کھیل شروع کر دیتے ہیں۔ بچہ خوبصورت گھر بنائے گا اور پھر سب کو بکھیر دے گا، توڑ دے گا، جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو بازیچہ اطفال قرار دیا ہے اور اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو اور دُنیاوی زندگی کو لہو و لعب کے مصادیق میں سے قرار دیا ہے۔ دُنیا اپنی فنا ہونے والی زینتوں سے انسان کو دھوکہ دیتی ہے اور اسے باقی و ابدی زندگی سے روک دیتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح بچوں کے جلدی ختم ہو جانے والے کھیل ہوتے ہیں، بچے بڑے شوق سے کھیل شروع کرتے ہیں اس میں سرگرم رہتے ہیں جب دل کھیل سے بھر جاتا ہے تو متفرق ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کھیل کے دوران جنجال بپا کرتے ہیں آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں شور مچاتے ہیں لیکن پھر جیسے ہی کھیل ختم ہوتا ہے سب کچھ پہلے

کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر نیا کھیل اور نیا تماشا۔ دُنیا میں رہنے والے بھی دُنیاوی معاملات میں آپس میں لڑتے ہیں، جنگ و جدال بپا کرتے ہیں، ستمگار چیر پھاڑ کرنے والے کتوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹتے ہیں اور اپنے مفادات کا تحفظ چاہتے ہیں۔ یہ سب امور سراب کی مانند ہیں، اور سب امور خیالی ہوتے ہیں۔ اولاد، مال، ازواج، ریاست، منصب، سرداری، نوکری، معاونین، انصار، جماعتیں، گروہ، پارٹیاں سب حقیقت سے عاری ہیں۔ انسان ان ذکر شدہ امور میں سے کسی کے منافع کا مالک نہیں۔ یہ سب کچھ خیالی مقاصد کو مدنظر رکھ کر مصروف رہتے ہیں۔ دُنیاوی زندگی بے حقیقت ہے، اصل زندگی آخرت ہے، اسے بقاء ہے، اسے فنا نہیں ہے۔ اس میں تو ہر لذت بغیر تکلیف کے ملے گی۔ ایسی سعادت کہ جس میں بدبختی کا دخل نہیں، انسان واقعی اور حقیقی کمالات کو پالے گا لیکن حقیقی زندگی ایمان اور عمل صالح کے وسیلہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر لوگ دانا اور سمجھدار ہوتے، حقائق کا ادراک کرتے اور اس مطلب کو جان لیتے تو پھر دُنیاوی زندگی میں خود کو غرق نہ کرتے بلکہ دُنیاوی زندگی کو آخرت کے لیے ذریعہ بناتے۔ اپنی آخرت کے لیے دُنیا ہی میں ایمان اور عمل صالح کی طاقتور سواری حاصل کرتے۔ اگر انسان دُنیا میں اس طرح زندگی گزارے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے طے کیا ہے تو پھر ایسا انسان کامیاب ہوگا اور اُخروی زندگی اسے نصیب ہوگی وگرنہ کھیل تماشا ہی میں غرق ہوگا اور آخرت سے محروم ہو جائے گا جو کہ اصل زندگی ہے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾

ترجمہ: ”پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد سے اللہ ہی کو پکارتے ہیں، پھر جب انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔“

لِيَكْفُرُوا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَ لِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: ''تاکہ ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے انہیں دی تھی اور مزے اڑاتے رہیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔''

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: ''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے اور لوگ ان کے آس پاس سے اچک لیے جاتے ہیں، کیا یہ لوگ جھوٹ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔''

مشرکین کے رویوں کا بیان

مشرکین کے رویوں بارے بیان کیا گیا ہے کہ ان کے اعمال ان کے بیانات کے مخالف ہیں، کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ ایک بات پر قائم نہیں رہتے۔ ان کے رویے کو ایک مثال دے کر بیان کیا گیا ہے کہ آپ ان کو دیکھو جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں، سمندر کی لہروں میں جب گھر جاتے ہیں اور کشتی غرق ہونے کے قریب ہوتی ہے، اس خطرناک صورتحال کو دیکھ کر پریشانی کے عالم میں بڑے خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں، ایسا اعلان کرتے نظر آتے ہیں کہ دین خالص اللہ کا ہی ہے اور وہ کسی کو اللہ کا شریک قرار نہیں دیتے، اللہ سے مدد مانگتے ہیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں ہلاکت سے نجات دے دیتا ہے، ان کی کشتی ساحل پر لنگرانداز ہو جاتی ہے تو پھر وہ اللہ کو بھول جاتے ہیں اور جو کچھ کشتی (جب سمندر کے درمیان غرق ہو رہی تھی) میں بیٹھ کر کہہ رہے تھے کہ ہم اللہ کے دین کے تابع ہیں کسی کو اس کا شریک قرار نہیں دیتے، اپنے قول کی پابندی نہیں کرتے ہیں۔ ان کی بدعہدی اور بدقولی پر اللہ

تعالیٰ نے انہیں دھمکایا ہے کہ تمہارا انجام برا ہے۔ ہم نے جو نعمات ان کو دے رکھی ہیں یہ ان نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور خوش گذارنی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ بہت جلد جان لیں گے اور اپنے اعمال کا نتیجہ دریافت کریں گے۔

اس آیت میں "یَتَمَتَّعُوْا" میں "لام" امر کا ہے کہ انہیں اب چاہیے کہ دُنیا کے مزے لے لیں، لیکن بہت جلد ان اعمال کا نتیجہ جان لیں گے۔ بعض مفسرین نے احتمال دیا ہے کہ یہ "لام" غائب کا ہے۔[1] تو اس صورت معنی اس طرح ہو گا مشرکین یہ سب کام اس نیت سے انجام دیتے ہیں کہ وہ نعمت کا کفران (ناشکری) کریں، اپنے خیال میں انہوں نے زندگی کی لذت سے لطف اٹھالیا ہے۔ لیکن اس "لام" کا لام امر ہونا آیت کے مضمون سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ کا مکہ والوں پر احسان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں پر اپنے خصوصی احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں اسے امن کا گھر قرار دیا ہے۔ جبکہ اس علاقہ سے باہر کے جو علاقے ہیں ان میں قتل و غارت گری، فتنہ و فساد، لوٹ مار ہوتی ہے۔ سب آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور ان کا امن و سکون تباہ ہے لیکن جیسے ہی وہ حرم کی حدود میں آتے ہیں تو اس میں رہنے والوں سے کچھ تعرض نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر حملہ آور ہوتے ہیں نہ ہی اس علاقہ میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو اتنی بڑی نعمت سے نوازا ہے تو کیا یہ لوگ اس نعمت کے مقابلے میں کفران نعمت کرتے ہیں؟ کفر اختیار کرتے ہیں اور خیالی معبودوں کی پرستش کرتے ہیں؟ اس کلام میں مکہ والوں کی سرزنش کی گئی ہے اور ان کے رویے پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔

---

[1]۔ تفسیر فخر رازی، جلد ۲۵۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہٗ ؕ اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: ”اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے جب اس کے پاس آئے، کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے۔“

جہنم مشرکین کا ٹھکانہ

اس آیت میں مشرکین سے کہا گیا ہے کہ تم حق کے انکاری ہو، اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بے جان بت اللہ کے قرب کا وسیلہ ہیں، یہ بدترین ظلم ہے جو وہ انجام دے رہے ہیں۔

۱۔ اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔

۲۔ حق کے بارے واضح ثبوت ہونے کے باوجود اسے جھٹلاتے ہیں، قرآن اور پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتے۔

ان دو بنیادوں پر یہ کافر ہوئے۔ آخرت میں کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿٪۶۹﴾

ترجمہ: ”اور جنہوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم انہیں ضرور اپنی راہیں سمجھا دیں گے، اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔“

جہاد کرنے والوں کی سرپرستی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ اور عام قانون بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بھی

ہمارے راستہ میں (اللہ کے دین بارے) جہاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی سرپرستی کرے گا اور اس کو ہدایت کا راستہ دکھائے گا۔ اس جگہ جہاد سے اس لفظ کا خاص معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس مقام پر **(مجاہدت)** کسی ہدف کے لیے محنت کرنا، سعی و کوشش کرنا، دشمن کو دُور کرنے کے لیے اپنی پوری توانائی کو خرچ کرنے کے معنی میں ہے۔

ا۔ ظاہری دشمن، جس نے اس کے وطن پر قبضہ کیا جو اس کی آبرو پر حملہ آور ہوا ہے۔ یہ جہاد کا خاص معنی ہے کہ دشمن کے خلاف لڑنا، اس کے ساتھ لڑائی کی تیاری کرنا۔

۲۔ دوسرا دشمن شیطان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر بیان کر دیا ہے کہ ابلیس (شیطان) انسان کا کھلا دشمن ہے اور خود شیطان نے بھی اللہ سے مہلت مانگ لی ہے کہ وقت معلوم تک وہ زندہ رہے۔ جب مہلت مل گئی تو اس نے اعلان کر دیا کہ وہ انسانوں کو ورغلائے گا اور اسے گمراہ کرے گا۔

۳۔ تیسرا دشمن انسان کا باطنی دشمن ہے اور وہ انسان کا اپنا نفس ہے۔ انسان جسم و روح سے مرکب ہے۔ جسمانی (نفسانی) خواہشات ہیں، رُوحانی خواہشات ہیں، دین اس دشمن سے بھی خبردار کرتا ہے کہ انسان نفسانی خواہشات کا تابع نہ رہے بلکہ نفسانی خواہشات (جسمانی تقاضوں کو) اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق پورا کرے اور اللہ کی طے شدہ حدود سے تجاوز نہ کرے۔

ایک مومن ان تینوں دشمنوں کے ساتھ لڑ رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر مومنین سے وعدہ کیا ہے کہ جب تم ہمارے راستے میں جہاد کرو گے تو اس جہاد میں کامیابی کے لیے راستہ کھولنا اور مختلف وسائل اور غیب سے راہنمائی کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا کبھی بھی اللہ کے اوامر و نواہی سے روگردانی نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی ہدایت کے تحت ہی آگے بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس کی راہ الٰہی راہ ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ محمد آیت ۱۷ میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''اور جو راستہ پر آ گئے ہیں اللہ انہیں اور زیادہ ہدایت دیتا اور انہیں پرہیزگاری عطا کرتا ہے۔''

آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور ضابطہ کا اعلان فرمادیا کہ اللہ صالحین کیساتھ ہے، بدکاروں کے ساتھ نہیں ہے۔ صالحین کی اللہ مدد کرتا ہے، اپنی رحمت اور ہدایت سے کمال کی جانب لے جانے میں اللہ کی ان پر خاص عنایت و توجہ ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کی عنایات سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

سورۂ روم
(مکی۔ آیات 60)

اس سورت کے مطالب

اللہ کی نصرت کا حتمی ہونا، مسائلہ معاد، اللہ کی وحدانیت بارے بیان، اللہ کی ربوبیت سے متعلق آیات اور دیگر علمی مطالب۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ”الف، لام، میم۔“

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جن سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے ان کے مطالب متشابہ ہیں اور حروف مقطعات اشارات و رموز ہیں جن سے اللہ اور اللہ کے رسول آگاہ ہیں۔ حروف مقطعات اور سورہ کے مطالب میں گہرا تعلق بھی موجود ہے۔

غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ”روم مغلوب ہو گئے۔“

فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: ”نزدیک کے ملک میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آ جائیں گے۔“

فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

ترجمہ: ”چند ہی سال میں، پہلے اور پچھلے سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اور اس دن مسلمان خوش ہوں گے۔“

بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ﴿۵﴾

ترجمہ: ”اللہ کی مدد سے، اللہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے، اور وہ غالب رحم والا

ہے۔"

روم پر غلبے کی خبر

روم ایک بڑی سلطنت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سلطنت بہت وسیع تھی، ان کی میڈیٹراین کے ساحل پر مغربی ایشیاء پر حکمرانی تھی۔ ان آیات میں دو بڑی جنگوں کا حوالہ ہے جو شام اور حجاز کی سرزمین کے درمیان لڑی گئیں جس میں روم ایران سے شکست کھا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے قطعی خبر دی ہے کہ چند سال بعد روم والے ایران پر کامیابی حاصل کریں گے۔

"بِضۡعِ" سے تین سال سے نو سال تک کا عرصہ مراد لیا جاتا ہے۔

روم کی شکست سے پہلے اور روم کی شکست کے بعد سارے معاملات کا علم اللہ کے پاس ہیں۔ لہٰذا روم کی شکست اور پھر روم کی کامیابی بھی اللہ کی مدد سے ہی ہو گی۔ اللہ جیسے چاہے حکم دیتا ہے، جس دن روم غلبہ حاصل کرے گا تو مومنین خوشحال ہوں گے (یہ اللہ کا دوسرا وعدہ ہے نصرت الٰہی کے متعلق) وہ خود سے کہیں گے کہ اللہ نے دو وعدے دیے ہیں، ایک پیشین گوئی یہ تھی کہ روم کا فارس پر غلبہ ہو گا۔ دوسری مومنوں کے لیے مدد کی پیشین گوئی تھی۔ اب پہلی نصرت تو متحقق ہو گئی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری فتح بھی ضرور متحقق ہو گی اس کے بعد اللہ نے بات کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا خدا جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، کیونکہ سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ عزیز ہے، وہ اپنی نصرت کے ذریعہ جسے چاہے عزت و غلبہ دیتا ہے اور اللہ رحیم ہے اپنی رحمت جس کو چاہے اس کے شامل حال کرتا ہے، رحمت دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے، غلبہ و عزت دینا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔[1]

---

[1]۔ تفسیر رُوح المعانی ج ۲۱ میں بیان کیا گیا ہے کہ نصرت سے کچھ کافروں کا دوسرے کافروں پر غلبہ اور ان کے درمیان تفرقہ اور انتشار اور ان کے رعب کا ٹوٹنا مراد ہے اور آخر کار اس کے نتیجہ میں مومنوں کو کامیابی ملے گی یعنی کافروں کا آپس میں جنگ

اس الٰہی وعدہ کا پورا ہونا اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ جس طرح یہ وعدہ پورا ہوا ہے اسی طرح معاد کا الٰہی وعدہ بھی پورا ہوگا۔

وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾

ترجمہ: ”اللہ کا وعدہ (پورا) ہو چکا، اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے۔“

برحق الٰہی وعدہ

اللہ کا وعدہ برحق ہے اور جو وعدہ دیتا ہے اسے پورا کرتا ہے اس کے خلاف نہیں کرتا۔ کوئی سبب اللہ کے وعدہ کے تحقق پذیر ہونے سے روک نہیں سکتا کیونکہ وعدہ خلافی کی وجہ یا تو وعدہ پورا کرنے کے لوازمات کا پورا نہ ہونا ہے یا وعدہ پورا کرنے کی قدرت کا نہ ہونا ہو سکتی ہے جبکہ اللہ کمال مطلق ہے، وہاں کوئی نقص اور کمی نہیں ہے۔ لوگوں کی اکثریت جاہل ہے، انہیں اللہ کے وعدہ کے پورا ہونے پر اطمینان نہیں ہے، وہ شک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں کہ کبھی وعدہ سچا ہوتا ہے اور کبھی جھوٹا ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ کا موجودات میں سے کسی کے ساتھ قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ یگانہ اور واجب الوجود ہے۔ ”لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ“ اللہ کی مثال کچھ بھی نہیں ہے وہ کسی کی مانند نہیں اور نہ ہی کچھ اس کی مانند ہے“ (سورۃ شوریٰ، آیت ۱۱)

کرنا، ایک دوسرے کو شکست دینا اور ان کے درمیان افتراق یہ بعد میں مومنوں کے غالب آجانے کا پیش خیمہ تھا اس لیے مومنین اس خبر سے خوشحال تھے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

ترجمہ: ”دنیا کی زندگی کی ظاہری باتیں جانتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل ہی ہیں۔“

اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸

ترجمہ: ”کیا وہ اپنے دل میں خیال نہیں کرتے، کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے عمدگی سے اور وقت مقرر تک کے لیے بنایا ہے، اور بے شک بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں۔“

انسانوں کی مادی سوچ اور معاد کا انکار

انسان کا علم محدود ہے اور وہ فقط ظاہر کو دیکھتا ہے۔ اس کا علم مادی امور سے مربوط ہے اور جو کچھ اپنے حواس خمسہ سے دیکھتا ہے اسی پر خود کو محدود کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان ان ظاہری امور سے مربوط دُنیاوی اور ظاہری زینتوں اور رنگینیوں کو ہی دیکھتا ہے۔ جبکہ دُنیا کے مقابلے میں آخرت کے معارف برحق ہیں اور انسان کی بھلائی آخرت سے مربوط ہے۔ اس سے انسان غافل ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مادیات میں گھرا ہوتا ہے۔

خود فراموشی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک سوال کیا ہے جس میں تعجب و حیرانگی کا عنصر شامل ہے کہ کفار دُنیا کی زندگی میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو بھی بھلا دیا ہے۔

اگر وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنی ذات کے متعلق سوچیں تو وہ حقیقت تک پہنچ جائیں گے اور یہ بات جان لیں گے کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے۔ ان میں سے کسی کی بھی خلقت بے ہودہ اور بے مقصد نہیں ہے ہر ایک کا ایک فائدہ مد نظر ہے اور وہ اسے پورا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو حقیقت پر مبنی خلق کیا ہے، اس کی خلقت کی غرض تھی اور وہ غرض یہ تھی کہ جو مقصد اس کا طے کیا تھا جب وہ پورا ہو جائے تو پھر اسے اپنے پاس واپس بلا لے۔ لہٰذا اس عالم میں جو کچھ موجود ہے وہ بے نہایت نہیں بلکہ ظاہری فنا کے بعد آخر کار اپنے خالق کی طرف واپس لوٹ جانا ہے اور آخرت کی نشاۃ اور پیدائش کا دورانیہ شروع ہو جائے، یہ ایسا امر ہے جو تھوڑی سی سوچ، تدبر اور غور سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن عجیب تو یہ ہے کہ لوگ معاد کے مسألہ بارے شک میں مبتلا ہیں اور اپنے رب کی طرف واپسی کا انکار کرتے ہیں جبکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایک موجود کا آغاز تو اللہ کی طرف سے ہو لیکن اس کا اختتام اللہ کی طرف نہ ہو جس نے خلق کیا ہے، یقیناً مخلوق کا اختتام بھی اسی خالق کی جانب ہی ہو گا۔

اَوَ لَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ ؕ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَ عَمَرُوۡهَاۤ اَكۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡهَا وَ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَ لٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ؕ‏ ﴿۹﴾

ترجمہ: ”کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلوں کا کیسا انجام ہوا، وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور ان لوگوں سے بہت زیادہ آباد کیا تھا اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر بھی آئے

تھے، پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔"

معاد کا انکار سبب بنتا ہے کہ انسان دین حق کا انکار کر دے اور دین کو لغو اور بے ہودہ خیال کرے۔ پہلے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے سابقہ کافر اقوام کا ذکر شروع کر دیا تاکہ ان کے انجام کو یاد کرکے یہ لوگ معاد کے انکار سے رک جائیں اور ان واقعات سے عبرت لیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین پر سیر کرو، زمین پر جو آثار موجود ہیں ان کا مطالعہ کرو ان کے بارے جانو کہ ان کھنڈرات کا ماضی کیا ہے۔ ان گھروں میں کون رہتے تھے، ان کا انجام کیا ہوا اور ان کی ہلاکت کا سبب کیا چیز تھی۔ زمین پر سیر سے پتہ چل جائے گا کہ ماضی میں بڑی بڑی اقوام گزری ہیں جو بہت ہی طاقتور تھے، ان کے بڑے بڑے شہر تھے، آبادیاں بھری پڑی تھیں، ہنستے بستے سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کا سبب یہ بنا کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کر دیا۔ اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا، ان کی طاقت انہیں نہ بچا سکی، انہوں نے اللہ کی نافرمانی کرکے اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے بدترین انجام سے دوچار ہوئے اور اگر آج تم لوگ اللہ کے رسول کو جھٹلاؤ گے، اللہ کے معجزات کا انکار کرو گے، کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دو گے تو پھر تمہارا حشر بھی ان جیسا ہو گا جو آپ سے پہلے گزرے ہیں۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: "پھر برا کرنے والوں کا انجام بھی برا ہی ہوا اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان کی ہنسی اڑاتے رہے۔"

آیات الٰہی کے انکار کا سبب

برے اعمال انجام دینے والوں کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ برے عمل کا نتیجہ

اچھا ہو۔ برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں سے برائی ہی کا انتظار ہوتا ہے۔ اللہ کی آیات اور واضح نشانیوں کے انکار کی بنیادی وجہ ان کے برے اعمال ہیں۔ ان کے برے اعمال کا انجام یہی ہونا تھا کہ وہ ایک سے بڑھ کر ایک اور جرم کا ارتکاب کریں۔ اس طرح ان کے اعمال تو برے ہی تھے لیکن انہوں نے ان برے اعمال کے ساتھ آخرت کا انکار کر کے ایک اور برے عمل کا ارتکاب کیا جو پہلے سے زیادہ برا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کے گناہوں کا انجام یہ ہوا کہ یہ گناہ گناہگاروں کو کفر، آیات الٰہی کی تکذیب اور معاد کے انکار کی طرف لے گئے۔ (روح المعانی) لیکن پہلا معنی زیادہ مناسب ہے کہ یہ بات انذار، بصیرت اور عبرت کے لیے ہے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ”اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہ اسے دوبارہ پیدا کرے گا پھر اس کے پاس لوٹ کر آؤ گے۔“

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اور جس دن قیامت قائم ہو گی گناہگار ناامید ہو جائیں گے۔“

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اور ان کے معبودوں میں سے کوئی ان کی سفارش کرنے والا نہ ہو گا اور اپنے معبودوں سے منکر ہو جائیں گے۔“

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ”اور جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔“

فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِیۡ رَوۡضَةٍ یُّحۡبَرُوۡنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''پھر جو ایمان لائے اور نیک کام کیے سو وہ بہشت میں خوش حال ہوں گے۔''

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآئِ الۡاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِکَ فِی الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا وہ عذاب میں ڈالے جائیں گے۔''

آغاز اور انجام اللہ کی طرف سے

اللہ تعالیٰ نے سب کو خلق کیا ہے، خلقت کا آغاز اللہ سے ہے، جب ایسا ہے تو جس نے خلق کیا ہے مخلوق کو اسی کی طرف واپس پلٹانا ہے لہٰذا اس کی واپسی بھی اللہ کی جانب ہے۔ اس لیے جب مبداء پر ایمان لائے ہو تو معاد (واپسی) پر ایمان لانا ہوگا۔

قیامت کے دن گناہگاروں کی حالت

دُنیا میں اللہ کی نافرمانی کرنے والے گناہگار یہ سمجھتے رہے کہ آخرت نہیں ہے بس یہی دُنیا ہے۔ اسی لیے وہ مادیات میں گھرے رہے، ظاہر سے ہٹ کر کچھ نہ سوچا تو جب قیامت آجائے گی تو پھر انہیں بہت ہی مایوسی ہوگی کیونکہ جو کچھ انہوں نے سوچ رکھا تھا وہ سب غلط تھا۔ انہیں اپنے سامنے خسارہ اور نقصان نظر آرہا ہوگا، وہاں پر انہیں ابدی خسارہ ملے گا۔ اس صورت میں وہ اپنے اعمال سے مایوس ہوں گے کہ ان کے اعمال انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکے۔ ان کے جھوٹے خدا، جن کہ وہ عبادت کرتے رہے قیامت کے دن وہ ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ جن

کو انہوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا وہ شرکاء اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور پیروی کرنے والے ان شرکاء سے نفرت کا اظہار کریں گے۔ دونوں ایک دوسرے کا انکار کریں گے۔ ان شرکاء سے مایوس ہوں گے، اس دن ان بتوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔

قیامت میں مومن و کافر کے درمیان جدائی

قیامت کا دن جدائی اور امتیاز کا دن ہے۔ اس دن تمام لوگ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے، ہر ایک دوسرے سے جدا ہو گا، ہر کوئی اپنی مخصوص نشانیوں سے پہچانا جائے گا۔ دُنیا میں تو کافر، مومن، منافق سب اکٹھے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں اور اجنبی شخص نہیں پہچان سکتا کہ ان میں سے کون مومن ہے اور کون کافر یا منافق مگر یہ کہ وہ خود اپنا تعارف کروا دیں لیکن قیامت کے دن ایسا نہ ہو گا سب جدا جدا ہوں گے اور سب کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانا جائے گا۔

قیامت کے دن مومنوں کی کیفیت

قیامت کے دن مومنوں کو ان کے نیک اعمال اور ایمان کا نتیجہ و ثمر ملے گا۔ انہیں جنت الفردوس کا پروانہ ملے گا، وہ جنت کے باغوں میں وارد ہوں گے، وہاں پر خوشحال ہوں گے، آسائش میں ہوں گے، مومنین ان نعمات کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

کافروں کی کیفیت

جنہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا اور اللہ کی آیات کو جھٹلایا تھا، اللہ کی نافرمانی کی تھی، اللہ کے رسولوں کا انکار کیا تھا تو انہیں بہت ہی بری حالت کا سامنا ہو گا۔ ان کے لیے تیار شدہ عذاب موجود ہو گا، ایسا عذاب جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ دن ان کی مایوسی اور غم کا دن ہو گا۔ مومن اور کافر کی باہمی جدائی حقیقی ہو گی، دونوں الگ الگ ہوں گے اور ان میں واضح امتیاز

موجود ہو گا۔[1]

قیامت کے دن گناہگاروں اور نیکوکاروں، مومنوں اور کافروں کا آپس میں تمایز اور جدائی ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کو معاد کے ثبوت کے لیے بطور دلیل و برہان بیان کیا گیا ہے۔

فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”پھر اللہ کی تسبیح کرو جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔“

وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظۡہِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ”اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی تعریف ہے اور پچھلے پہر بھی اور جب دوپہر ہو۔“

اللہ کی حمد و تسبیح

اس بات کو بیان کیا گیا کہ حقیقت کا آغاز اللہ سے ہے اور اس کا اختتام بھی اللہ کی طرف ہے، مبدء و معاد اللہ کے لیے ہے۔ انسانوں کے دو گروہ ہیں: (۱) مومنین (۲) کفار۔ دونوں کو انکے اعمال کا نتیجہ ملے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی خلقت ایک انتہائی مستحکم تدبیر اور دقیق نظام کے تحت ہے۔ انسانوں نے اپنی زندگانی کی تاریخ میں اعتقادات اور اپنے اعمال میں گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، خطائیں کی ہیں، اچھے اعمال کیے ہیں، ان کا حساب رکھا گیا ہے، ہر ایک کو اس کے اعمال کا نتیجہ ملے گا کسی سے زیادتی نہ ہو گی۔ اللہ کی مخلوقات اللہ کی تسبیح کر

---

[1] ۔اس حقیقت کو سورۂ جاثیہ آیت ۲۱ میں بیان کیا گیا ہے کہ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَہُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ”وہ لوگ جنھوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم انہیں ان کے ساتھ کر دیں گے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں۔ کیا ان دونوں کی زندگی اور موت برابر ہے؟

رہی ہیں، اللہ ہر نقص سے پاک ہے، اللہ کسی کا محتاج نہیں، پورا عالم مشہود ہے، اللہ ہی کے لیے حمد ہے، جو اتنی بڑی کائنات کا خالق ہے اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا ہے۔ ہر ایک کو حیات عطا کی ہے تو ظاہر ہے تعریف اسی اللہ کے لیے ہے اور اسی کی ذات ہی سبحان اور پاک ہے۔ اس جگہ تسبیح و تحمید کا مطلق معنی مراد ہے۔ اس سے نمازوں میں پڑھی جانے والی تسبیح اور تحمید مراد نہیں ہے۔[1] (سبحان) کا معنی ہے اللہ کی پاکیزگی کو بیان کرنا اور یہ کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، اللہ کسی کا محتاج نہیں، اللہ میں کوئی نقص نہیں، اللہ کمال مطلق کا مالک ہے، اللہ تمام صفات کمالیہ و جمالیہ اور جلالیہ کا مالک ہے اور (حمد) سے مراد ستائش و ثناء ہے۔ ہر طرح کی ثناء اللہ کے لیے خاص ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، اور اسی طرح تم نکالے جاؤگے۔''

حیات و موت

حیات و موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خاک سے خلق کیا، خاک ایک بے جان شئی ہے اس سے ایک زندہ شئی انسان اور دیگر جاندار وجود میں آئے اور پھر زندہ سے مردہ بناتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جاندار کو پھر مار کر خاک بنا دیتا ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر سے

---

[1]۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں اس سے واجب نمازوں میں پڑھی جانے والی تسبیح و تحمید مراد لی گئی ہے۔

مومن نکالتا ہے اور مومن سے کافر نکالتا ہے۔ زمین کا مردہ ہونا اس کا ویران ہونا، سبزہ کا ختم ہونا اور موسم خزاں کا آنا ہے اور زمین کی حیات اس پر سبزہ، نباتات، لہلہاتے کھیت ہیں۔ اس سے موسم بہار مراد ہے یہ سلسلہ جو جاری و ساری ہے اس کو بیان کرنے کے بعد انسان کو خطاب ہے کہ جس طرح تم خاک تھے تمہیں مردہ خاک سے جاندار بنا دیا پھر تمہیں مارا اور خاک بنا دیا، زمین سے سبزہ ختم ہو جاتا ہے پھر دوبارہ سبزہ اگتا ہے، اسی طرح جب تم کو مار دیا جاتا ہے تو مارنے کے بعد تمہیں دوبارہ اللہ ہی نے زندہ کر دینا ہے، موت کے بعد زندگی ہے، اس طرح معاد کے بارے ثبوت دیا گیا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۞۲۰

ترجمہ: ”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہیں مٹی سے بنایا پھر تم انسان بن کر پھیل رہے ہو۔“

اللہ کی نشانیاں

اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نشانیاں ہیں جن میں غور کرکے انسان اس کی معرفت حاصل کر سکتا ہے اور باایمان ہو سکتا ہے۔ ان نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اے انسان تو خاک تھا، مٹی تھا، تراب تھا، تجھے اسی مٹی سے خلق کیا گیا ہے۔ مٹی سے نباتات اگائی گئی، اس سے غذائی اجناس تیار ہوئیں، ان اجناس کو انسان نے کھایا اس سے نطفہ تیار ہوا اور اس نطفہ سے انسان بن گیا۔ مختلف مراحل اس نے طے کیے، اس کا آغاز مٹی سے ہے، ماں اور باپ کا ملاپ اور نطفہ کا رحم مادر میں انتقال، ان مراحل سے ہے۔ ایسی توقع تو نہیں کی جاتی تھی کہ مردہ سے زندہ موجود بن جائے لیکن ایسا ہوا کہ زمین کے مردہ عناصر سے ایک جاندار وجود میں آگیا اور اچانک ایک کامل انسان ہو گیا اور پھر زمین پر منتشر ہو گئے۔ یہ سارے امور ایک زندہ صانع اور خالق پر دلیل ہیں اور یہ کہ وہ ذات عالِم اور مُدبّر ہے۔ اس بناء پر انسان کی حقیقت بھی اللہ

کی خالقیت کا ثبوت ہے۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تمہارے لیے تمہیں میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ ان کے پاس چین سے رہو اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی، جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔“

انسان کا جوڑا جوڑا ہونا

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے خود اس کی اپنی جنس سے جوڑا بنایا ہے۔ انسانوں میں ہی ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کے ہمسر بنیں۔ اس میں تناسل کا مسئلہ پیش نظر ہے کہ انسانی نسل بڑھتی رہے اور اس سے اہم یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے سکون اور لذت کا وسیلہ بنیں۔ ان میں سے ایک اگر تنہا اور ہمسر کے بغیر ہو تو ناقص ہے۔ وہ دوسرے کا محتاج ہے، ہر ناقص کمال کی تلاش میں رہتا ہے، اس لیے ان میں اپنی جنس کے ساتھ میلاپ کا رجحان پایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت میں رکھ دیا ہے۔ دونوں میں شہوت رکھ دی ہے، یہ ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں (مرد و عورت) میں رکھ دی اور یہ اس لیے بھی جوڑا بنایا کہ ایک دوسرے سے مل کر اپنے نقص دُور کریں۔ میاں بیوی کے رابطے میں مودت و رحمت کو ان کے ازدواجی رشتے کا کمال قرار دے دیا۔ (مودت) ایسی محبت جس کا اثر عمل میں ظاہر ہو۔ (رحمت) ایک قسم کی تاثیر ہے کہ جب ایک شخص جب کمال سے محرومیت کا مشاہدہ کرتا ہے اپنے مد مقابل میں جو نقص ہے اسے

زائل کرتا ہے۔ کسی کی محرومیت کو دیکھ کر اسے دُور کرنے کے لیے اقدام کا سوچنا رحمت سے عبارت ہے۔ یہی مودت اور رحمت سبب بنتا ہے کہ ایک چھوٹا سا گھرانہ جس میں جو کمیاں ہیں جو احتیاجات ہیں انکو دُور کرے، مرد کمر ہمت باندھتا ہے کہ اپنی بیوی کی ضروریات کو پورا کرے اور عورت آمادہ ہوتی ہے کہ اپنے شوہر کی خواہشات کی تکمیل کرے۔ گویا ایک دوسرے کے نقص کو دُور کرنے اور اسے کمال اور سکون دینے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ یہ سب مودت اور رحمت کے نتیجہ میں ہے۔ اسی طرح شوہر اور بیوی دونوں مل کر اپنی اولاد کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ ان کی کمزوری کو طاقت مہیا کرتے ہیں، انہیں کمال تک پہنچانے میں کوشاں ہوتے ہیں، ان کی حفاظت اور تربیت پر توجہ دیتے ہیں پھر یہی جذبہ ایک بڑی سوسائٹی، شہری آبادی اور بڑے اجتماع میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کس طرح یہ سب ایک بڑے گھرانے، خاندان سے بڑھ کر ایک قوم کے افراد کی ضروریات کو پورا کرنے اور ایک دوسرے کے مسائل حل کرنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی جذبہ سے فقیر کی مدد ہوتی ہے، البتہ اس آیت میں ایک گھرانہ کی مودت و رحمت مد نظر ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اس میں صاحب فکر کے لیے عبرت حاصل کرنے کے لیے نشانیاں ہیں۔ جب انسان تکوینی قوانین میں غور کرتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے نکاح و ازدواج کا میلان انسان میں رکھ دیا، شوہر اور بیوی دونوں کے درمیان کس طرح مودت و رحمت کو قرار دے دیا تاکہ ایک گھرانہ کا ماحول بن سکے اور پھر اس کے ذریعہ بڑا انسانی معاشرہ تشکیل پائے۔ انسانی نوع کا سلسلہ جاری رہے، نسل انسانی ختم نہ ہو۔ انسان ان سب پر غور کرنے سے متوجہ ہوگا کہ سب اللہ کی طرف سے نعمات ہیں اور اللہ کی دقیق تدبیر کو بھی سمجھ سکتا ہے جس کے مشاہدہ سے انسانی عقل حیران ہے یہ غور و فکر ہی اللہ پر انسان کے ایمان کو مضبوط و محکم کرتا ہے۔

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَ اَلۡوَانِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے، بے شک اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ ابۡتِغَآؤُکُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا اور اس کے فضل کا تلاش کرنا ہے، بے شک اس میں سننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہیں خوف اور امید دلانے کو بجلی دکھاتا ہے اور اوپر سے پانی برساتا ہے پھر اس سے زمین خشک ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے، بے شک اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

اللہ کی تکوینی آیات

سابقہ آیات میں اللہ کی آفرینش میں موجود سبق آموز علامات کا ذکر کیا گیا۔ ان تین آیات میں کچھ اور مظاہر آفرینش کو بیان کیا گیا ہے اور ہر ایک کے لیے یہی بتایا گیا ہے کہ یہ سب مظاہر عقلمندوں، سننے والوں، سمجھداروں، فکر کرنے والوں اور علما کے لیے نشانیاں اور علامات ہیں

جن کے وسیلہ سے وہ خالق کائنات پر ایمان لا سکتے ہیں اور جان سکتے ہیں کہ وہی رب العالمین ہے۔

تکوینی آیات میں:

۱۔ آسمانوں اور زمین کی خلقت ہے: ان میں ایک انتہائی دقیق اور پیچیدہ نظام موجود ہے جس سے سب اپنا کام کر رہے ہیں۔

۲۔ زبانوں اور رنگوں کا اختلاف: انسان کی خلقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف اقوام میں تقسیم کیا، ان کی زبانیں مختلف ہیں اور زبانوں کے اختلاف سے ان کے درمیان ایک امتیاز ہو جاتا ہے اس طرح رنگوں کا اختلاف بھی انہیں تقسیم کرتا ہے۔ دو آدمیوں کو لے لیں ان کی صدائیں مختلف ہوں گی ان کا لحن ایک جیسا نہیں ہے جلد و چمڑی کا رنگ، کوئی سفید رنگ تو کوئی سیاہ رنگ اور کوئی گندمی رنگ، کوئی سرخ رنگ۔ دو قوموں کا رنگ ایک جیسا نہیں ہے، یہ سب قابل غور ہے۔ کوئی تو ہے جس نے ان میں یہ اختلاف رکھا ہے اور کوئی تو ہے جس نے انہیں مختلف بنایا ہے۔ رنگ، نسل، بو، زبان کسی کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے کوئی ذات ہے جو یہ سب کچھ بنا رہی ہے اور ان میں یہ اختلاف قرار دے رہی ہے۔ علم رکھنے والے اور دانا ان مظاہر سے درس لے سکتے ہیں۔

۳۔ رات کا وجود: رات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے آرام اور سکون کے لیے قرار دیا ہے۔ وہ رات میں تھکاوٹ دُور کرتا ہے، رات کی تاریکی اس کے لیے سکون آور ہے۔

۴۔ دن کو روزی کے حصول کا وسیلہ: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو طاقت عطا کی ہے۔ اس کی دی ہوئی قوت کے تحت انسان کے اعضاء حرکت میں آتے ہیں اور وہ اپنے لیے روزگار کے لیے دن کو محنت مزدوری کے لیے نکلتا ہے، دن کو روزی کے حصول کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

شب و روز کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا: سورج کا زمین کے مقابلے میں خاص موقعیت پر ہونے کی وجہ سے دن اور رات وجود میں آتے ہیں۔ یہ دو حالتیں انسان کی زندگی کے لیے ضروری

ہیں۔ یہ سب نشانیاں ہیں کہ کوئی ذات ہے جو ان سب کو نظم دے رہی ہے اور انہیں ایک نظام کے تحت چلا رہی ہے البتہ یہ سب ان کے لیے نشانیاں ہیں جو سننے والے کان رکھتے ہیں اور کسی بات کو سن کر اس کا اثر لیتے ہیں۔ اللہ کے نمائندے یہ سب کچھ بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ان حقائق کی طرف متوجہ ہوں اور اس سے سبق لیں۔

۵۔ **آسمان پر بجلی کا چمکنا:** جب آسمان پر بجلی چمکتی ہے تو خوف ہوتا ہے کہ کہیں زمین پر بجلی نہ آگرے اور نقصان ہو اور اس سے ایک اُمید بھی بندھتی ہے کہ اس کے بعد بارش کا امکان ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو بجلی دکھا کر انہیں بارش کا اُمیدوار بناتا ہے۔

۶۔ **آسمان سے بارش کا برسنا:** اللہ ہی بارش برساتا ہے، پانی آبادی کا وسیلہ ہے، جب زمین ویران ہو جاتی ہے موسم خزاں ہو جاتا ہے، زمین مردگی کا نظارہ پیش کر رہی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے، زمین پر پانی آتا ہے، پانی زمین کو دوبارہ سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے۔ پانی آبادی کا ذریعہ ہے، یہ سب عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ وہ سوچیں کہ سب کیسے ہو رہا ہے۔ عالم کے سارے مظاہر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ایک خاص نظم کے تحت چل رہے ہیں اس سب کے پیچھے ایک ہدف ہے۔ یہ سب کچھ اتفاق اور بغیر منصوبہ بندی کے نہیں ہے۔

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِہٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَۃً ٭ۖ مِّنَ الۡاَرۡضِ ٭ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''اللہ کی نشانیوں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اللہ کے حکم کے تحت قائم ہے (اپنی اپنی جگہ پر موجود ہیں) لہٰذا وہ زمانہ جب تمہیں ایک آواز کے ذریعہ بلایا جائے گا تو تم سب زمین سے اچانک باہر نکلو گے۔''

آسمان اور زمین کا ثبات

آفرینش کے مظاہر میں سے ایک آسمان اور کائنات کا استقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حرکات اور ان میں رونما ہونے والی تغیرات اور تبدیلیوں کو اپنے امر کے تحت کنٹرول کر رہا ہے۔ جس اللہ نے آسمان و زمین کو قائم رکھا ہے اور پورا نظام جس کے قبضۂ قدرت میں ہے تو جب انسان مر جائے گا اور زمین میں دفن ہو جائے گا تو ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ایک آواز آئے گی جس سے تمام مردوں کو اٹھنے کا کہا جائے گا تو اسی ایک آواز سے سارے مردے زمین سے باہر نکلیں گے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔

آفرینش کے مظاہر الٰہی آیات کا بیان

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد اس کے خاندانی روابط تعلقات اور اس کے نظم کا تذکرہ کیا پھر اس انسان کے وجود کا آسمانوں اور زمین سے مربوط ہونے کا بیان آیا اس کے بعد زبانوں اور رنگوں کے مختلف ہونے کا تذکرہ ہوا۔ اسی طرح یہ بیان ہوا ہے کہ رات سکون کے لیے اور دن روزی تلاش کرنے کے لیے۔ اس حقیقت کو بھی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ روزی کے لیے بارش اُتارتا ہے۔ آخر میں زمین اور آسمان کے ثبات و استقرار کی بات ہوئی اور انسانی زندگی کا زمین پر اختتام اور پھر حشر و نشر کا حوالہ بیان ہوا ہے۔ ان سب آیات میں انسان کے آغاز سے انجام تک کے تمام مراحل اور انسانی زندگی میں جو عوامل کارفرما ہیں اور اللہ کی مخلوقات جو اس کی حیات میں موثر ہیں، سب کا ذکر ہوا اور واضح کر دیا گیا کہ یہ تمام آفرینش کے مظاہر ہیں اور ان میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے آیات ہیں۔ ان میں سبق آموز نشانیاں ہیں۔ غور کرنے سے اللہ کی خالقیت، ربوبیت کا ثبوت ملتا ہے اور یہ کہ پورے عالَم کا خالق ہی ان کا رب ہے اور وہی سب کو ایک نظم کے تحت چلا رہا ہے اور اُسی کی جانب انسان کو پلٹنا ہے اور حساب کے لیے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔

وَلَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔''

وَهُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ ؕ وَلَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور وہ اس پر آسان ہے، اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان نہایت بلند ہے، اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''[1]

اللہ کی مالکیت

اللہ تعالیٰ کی مالکیت ہر شئی پر محیط ہے۔ تمام موجودات اس کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ کو اپنے ملک میں مطلق تصرف کا اختیار ہے اور یہ اختیار ذاتی ہے کسی سے لیا ہوا نہیں۔ تمام مخلوقات اللہ کی اطاعت میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے آگے ہر شئی تکوینی طور پر خاضع ہے، ہر شئی اس سبب کے تابع ہے جس کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ اسباب پورے عالَم میں موجود اشیاء کے وجودی علل واسباب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان موجودات کا مالک ہے اور ان موجودات سے متعلق جو کچھ ہے اس کا بھی مالک اللہ ہی ہے۔ عالَم کون و مکان میں یکتا مؤثر فقط اللہ ہی ہے۔ جو بھی متحقق ہوتا ہے وہ اللہ کے امر سے ہوتا ہے۔

---

[1]۔ کیونکہ احادیث کی رو سے انسان کی طینت اولیہ جس سے وہ پیدا ہوتا ہے، فنا ناپذیر ہے اور ایک مرتبہ خلق ہونے کے بعد کبھی بھی نابود نہیں ہوتی۔ (مصحح)

ابتدائی ایجاد اور موت کے بعد دوبارہ ایجاد

اللہ ہی ہے جس نے ہر شئی کو ابتداء میں ایجاد کیا ہے، ایجاد سے پہلے کوئی نمونہ موجود نہ تھا، ابتدائی ایجاد اللہ کی طرف سے محقق ہوئی۔ یہ ایجادات وجود میں آنے کے بعد جب فنا ہو جائیں گی، موت کی آغوش میں چلی جائیں گی تو اللہ ہی انہیں دوبارہ ایجاد کرے گا۔ پہلے پہل بنانے سے دوبارہ اسی شئی کو بنانا جو فنا ہو چکی ہے آسان تر ہے کیونکہ اس کی پہلے سے مثال موجود ہے۔ یہ امر بڑا ہی واضح ہے جس قدر قدرت زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر کام کی ایجاد میں مشقت کم ہوتی جاتی ہے اور جس کی قدرت نامحدود ہو جو قادر مطلق ہو تو اس کے متعلق تو کسی کام کے کرنے میں دشواری اور مشقت کا تصور ہی باطل ہے۔ اللہ قادر مطلق ہے، اس کے لیے کسی بھی چیز کا ایجاد کرنا دشوار نہیں اور نہ ہی وہاں پر مشقت کا تصور ہے۔

ایک سوال اس جگہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں کہا ہے کہ کسی چیز کی پہلی ایجاد سے اس کو دوبارہ ایجاد کرنا آسان تر ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ تو لامحدود قدرت کا مالک ہے، اس کی ذات کے حوالے سے دشوار، آسان معنی نہیں رکھتا، یہ کام دشوار ہے یہ کام آسان ہے، یہ زیادہ آسان ہے، یہ کم آسان ہے یہ سب ان کے لیے ہیں جن کی قدرت و اختیار محدود ہے۔ اس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں بعد والے جملے میں دیا ہے۔ فرمایا: ''وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى'' کہ اللہ کی جتنی صفات کمالیہ ہیں جیسے حیات، علم، قدرت، جود و کرم، رحمت جب ان کی نسبت مخلوقات کی طرف دی جاتی ہے، آسمانی اور زمینی موجودات سے ہر ایک جب ان صفات سے متصف ہوتے ہیں تو حقیقت میں یہ نسبت انتہا درجہ میں کمتر و معمولی ہے۔ ان کا اعلیٰ درجہ، بلند ترین مرتبہ اللہ کے لیے ہے۔ وہی ہے جس نے ان صفات کمالیہ میں سے ہر ایک کو ان موجودات کو عطا کیا ہے۔ یہ صفات اللہ کے علاوہ جن میں ہیں، محدود ہیں۔ اللہ میں یہ صفات مطلق اور لامحدود ہیں لہٰذا جب اللہ کی قدرت لامحدود ہے تو اسی دلیل سے اللہ کے لیے کسی

مخلوق کو فنا کے بعد دوبارہ خلق کرنا آسان ہے۔ اس کے لیے ہر آسانی آسان تر ہے کیونکہ اللہ عزیز ہے جس سے دیگر محروم ہیں۔ اللہ کے لیے کوئی بھی امر محال نہیں ہے اور اس اعتبار سے اللہ حکیم ہے۔ نقص، سستی اور کاہلی کچھ اس پر طاری نہیں ہوتیں۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''وہ تمہارے لیے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے، کیا جن کے تم مالک ہو وہ اس میں تمہارے شریک ہیں جو ہم نے تمہیں دیا ہے کہ پھر اس میں تم برابر ہو، تم ان سے اس طرح ڈرتے (فکر مند) ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے (فکر مند) ہو، اس طرح ہم عقل والوں کے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں۔''

اللہ کا شریک قرار دینے کے بطلان پر ایک مثال

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لیے ایک مثال دی ہے۔ اللہ فرمارہا ہے کہ تمہیں ایک مثال دی جاتی ہے جس میں شرک کی قباحت اور برائی واضح ہو جائے گی۔ شرک کے مظاہر میں سے ایک یہ تھا کہ مشرکین اللہ کے لیے معبود اور الٰہ بناتے تھے اور انہیں عالَم کی تدبیر میں اللہ کا شریک قرار دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے ہم حاضر ہیں (لبیک) اے وہ اللہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے سوائے اس شریک کے کہ جس کا تو خود مالک ہے اور جو کچھ اس کی ملکیت نہیں ہے تو اس کا بھی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کی پلیدی اور نجاست کو واضح کرنے کے لیے مثال دی ہے اور ان مشرکین سے سوال کیا ہے کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ جو آپ کے غلام ہیں جن کا اختیار آپ کے پاس ہے تو کیا جو کچھ تمہارا ملک ہے جو روزی ہم نے تمہیں دی ہے کیا تم اپنے ان غلاموں

کو اپنے اموال کا شریک بناؤ گے جبکہ وہ تمہارے مملوک ہیں اور تم ان کے مالک ہو اور ان کے اموال کے بھی تم مالک ہو؟ کیا ایسا تصور کیا جا سکتا ہے کہ تمہارے غلام تمہارے اموال میں برابر شراکت دار ہوں اور تم اس بات سے خوف کھاؤ کہ وہ تمہاری اجازت کے بغیر کہیں تمہارے اموال میں تصرف نہ کریں۔ جس طرح آزاد شراکت داروں کے متعلق خوف کھاتے ہو۔ قطعاً ایسا تصور نہیں کیا جا سکتا، یہ ممکن ہی نہیں کہ غلام اپنے مالک کے ساتھ اس کے اموال میں شراکت دار ہو اور اپنے مولاکے اموال میں تصرف کر سکے۔ پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی بعض مخلوقات جیسے فرشتے، جنات جبکہ وہ اللہ کے عبد اور بندے ہیں وہ اللہ کے ملک میں اس کے شریک ہوں اور جداگانہ اِلٰہ اور رب ہوں؟ جب اپنے بارے ایسی شراکت کو صحیح نہیں سمجھتے ہو تو پھر اللہ کے لیے ایسی شراکت کو کس طرح تصور کرتے ہو؟ آخر میں فرمایا ہم اس طرح اپنی آیات کی وضاحت کرتے ہیں، ایسے دلائل دیتے ہیں کہ شرک کا تصور بنیاد سے ہی باطل ہو جائے۔ مشرکین کا شرک والا عقیدہ صحیح بنیاد پر استوار نہیں ہے۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ”بلکہ یہ بے انصاف بے سمجھے اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں، پھر کون ہدایت کر سکتا ہے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں۔“

شرک کی کوئی عقلی بنیاد نہیں

پچھلی آیت میں ایک مثال دے کر سمجھا دیا کہ شرک کی کوئی علمی بنیاد نہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب شرک کی کوئی علمی بنیاد نہ تھی اور انہوں نے شرک کیا تو اس طرح انہوں نے اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا۔ انہوں نے ہوا و ہوس کی پیروی کی، جب ایسا ہے تو پھر اللہ نے

گمراہی کے جو اسباب قرار دیئے ہیں ان میں ایک ظلم ہے، انہوں نے اس کا ارتکاب کیا ہے تو اب کون ہے جو انہیں ہدایت پر لے آئے۔ انہوں نے شرک کرکے اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کی ہے انہیں اب ہدایت سے مایوس ہی ہونا چاہیے کیونکہ یہ لوگ ظالم ہیں، ان کا ظلم ہی اس کا سبب بنا ہے کہ یہ گمراہ ہی رہیں، اللہ تعالیٰ تو گمراہوں کا مددگار نہیں ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ”سو تو ایک طرف کا ہو کر دین پر سیدھا منہ کیے چلا جا، اللہ کی دی ہوئی قابلیت پر جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بناوٹ میں ردوبدل نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے۔“

خلقت اور تدبیرِ عالَم

پوری کائنات کا خالق اللہ ہے، اور اللہ ہی کے ہاتھ میں پورے عالَم کی تدبیر ہے۔ اسلام دین حنیف ہے، حنیف کا مطلب ہے ایسا نظام جس میں کچھ بھی کم نہیں اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا اضافہ ہے بلکہ معتدل ہے، متوازن ہے، تمام ضابطے ایک حساب کے تحت ہیں، یہ دینِ فطرت ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو فطرتِ توحیدی پر خلق کیا ہے۔ توحیدی نظریہ کو چھوڑنا فطرت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کے نظامِ خلقت میں ہرگز تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ دین اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس میں زندگی کی راہ و رسم اور اس کی روش بیان ہوئی ہے جس میں انسان کی سعادت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ فطرتی طور پر مزاجاً کمال کا طالب ہے اور

اپنے لیے سعادت اور خوش بختی چاہتا ہے۔

نوع انسان کی سعادت و شقاوت

نوع انسان کی سعادت اور شقاوت ایک ہی ہے، سعادت اور شقاوت کے اعتبار سے سب مساوی ہیں۔ اگر انسان کی سعادت ان کے باہمی اختلافات کی بنیاد پر مختلف ہوتی تو پھر ایک صالح اور ترقی یافتہ سوسائٹی تشکیل نہ پا سکتی جس میں معاشرہ کے سارے افراد شامل ہوں۔ اسی طرح اگر انسان کی سعادت ان کے زمینوں میں اختلاف کی بنیاد پر ہوتی تو پھر ایک زمین سے دوسری زمین والے لوگوں کی نوع الگ قرار نہ پاتی جبکہ علاقائی اختلاف کی بنیاد پر سب کی زندگی مختلف ہو جاتی۔ اسی طرح اگر انسان کی سعادت زمانوں اور واقعات کے تحت ہوتی، زمانے اور صدیاں انسانی سعادت کا سبب ہوتے تو پھر مختلف قرون اور صدیوں کے لوگ مختلف ہوتے، ایک نوع نہ ہوتے، اور اس طرح انسانوں کے معاشرہ میں تکاملی اور ارتقائی سیر موجود نہ ہوتی کیونکہ نقص اور کمال اس صورت میں متصور ہے جب تمام زمانوں کے سارے انسانوں میں ایک مشترکہ جہت موجود ہو، اسی بنا پر دین کی بنیاد اور اساس انسانی فطرت پر ہے جو ایک ہی حقیقت ہے جو تمام افراد میں مشترک ہے۔ ہر زمانے کے انسان میں وہ حقیقت موجود ہے۔ زمین اور زمانہ کا اختلاف اس حقیقت کو ختم نہیں کر سکتا۔ تمام زمانوں کا انسان ایک ہی ہے۔ انسان کا کمال اسی مضبوط دین کی پیروی میں ہے اور یہ ایک واحد اور تنہا فطری طریقہ ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس سے آگاہ نہیں ہیں۔ دینی معارف کی اساس اور بنیاد انسانی عمارت اور انسان کی ساخت پر ہے جو کہ ایک حقیقت ہے جو سب میں مشترک ہے۔

انسان اسی دین (نظام حیات) کی پیروی سے ہی مطلوبہ سعادت اور کمال کو حاصل کر سکتا ہے اور ایک صالح سوسائٹی کو تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ اس دین میں ایسے ضابطے موجود ہیں جن کی پیروی سے یہ ہدف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے وہ واحد

و یکتا ہے۔ وہ انسان کے تمام روحانی اور معنوی پہلوؤں سے آگاہ ہے اس نے انسان کے لیے طریقہ احسن کا انتخاب کیا ہے۔ اللہ کے فیصلہ اور حکم سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے؟

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اسی کی طرف رجوع کیے رہو اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔''

دین فطرت کا تقاضا

دین فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص اللہ کی طرف رجوع کرے۔ ہر امر میں اللہ کی طرف رجوع کرے۔

''انابہ'' واپس پلٹنے کے معنی میں ہے اور توبہ اسی اصل سے ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ انسان اپنے خالق سے ہی مربوط رہے لیکن اگر اس حالت سے انحراف ہو جائے تو اس پر ہے کہ وہ واپس اپنے مرکز کی طرف لوٹ آئے اور وہ مرکز اللہ کی ذات ہے۔ ''تقویٰ'' ایک عنوان ہے جس کے تحت یہ بات آتی ہے کہ جب کہا جاتا ہے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرو۔ امیر المومنین علیہ السلام کا بیان ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ آپ کو وہاں موجود پائے جہاں پر ہونے کا حکم دیا ہے اور وہاں پر موجود نہ پائے جہاں سے روکا ہے۔ تقویٰ کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر آپ کے سارے اعمال کو ایک پلیٹ میں رکھ دیا جائے اور اس پر کوئی سرپوش نہ ہو اور اسے پورے عالم میں گھمایا جائے تو اس میں کچھ ایسا نہ ہو جس سے صاحب اعمال کو شرمندگی اُٹھانا پڑے۔ تقویٰ کی حقیقت اور صاحبان تقویٰ کے اوصاف کو آپ علیہ السلام نے ایک خطبہ میں بیان کیا ہے کہ اس سے کامل تر اور بہتر تقویٰ کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ تقویٰ ایک اشارہ ہے جس میں تمام اعمال جو رضائے الٰہی کا موجب ہیں ان کو انجام دینا اور ان اعمال کو ترک کرنا جو

اللہ کی ناراضگی کا سبب ہیں۔ اردو میں کوئی جامع لفظ نہیں جو اس کے پورے معنی کو بیان کر سکے۔

اس آیت میں توجہ دلائی گئی ہے کہ اے انسان تیری توجہ دین حنیف کی جانب رہے، درگاہ الٰہی میں تیرا رجوع ہونا چاہئے، اللہ کے اوامر کی پابندی کرو، اللہ کی نواہی سے اجتناب کرو۔ اس کے بعد اللہ کے اوامر میں سے سب سے اہم امر اور عبادات میں سب سے اہم و افضل عبادت نماز کا ذکر کیا ہے، جو تمام عبادات کا ستون ہے۔ لوگوں کو اقامت نماز کی دعوت دی ہے اس کے بعد محرمات میں سے کامل ترین حرام سے روکا ہے اور وہ شرک ہے یہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے جسے اللہ نے ظلم عظیم کہا ہے۔ یہ ایسا گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ" (سورۂ نساء، آیت: ۴۸)

"بتحقیق اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کا شریک قرار دیا جائے"

(نماز کے بارے بھی ایسا ہی ہے جب کوئی نماز نہیں پڑھتا تو پھر اس کا کوئی نیک عمل قبول نہ ہوگا۔ نماز شفاعت حاصل کرنے کا وسیلہ ہے، قیامت کے دن عقائد کے بعد پہلا سوال نماز کے متعلق ہوگا)۔ واجبات میں سے نماز اور گناہوں میں سے شرک کا ذکر کیا جانا اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ یہ دونوں عناوین انتہائی اہم ہیں۔ واجبات میں نماز کو مرکزیت حاصل ہے جبکہ گناہوں میں شرک کو مرکزیت حاصل ہے۔ جو شرک نہیں کرتا اور نماز قائم کرتا ہے تو ان دونوں کے درمیان جو کمزوریاں آتی ہیں جو نقائص ہوتے ہیں، جو گناہ سرزد ہوتے ہیں تو پھر ان کی معافی مل سکتی ہے وگرنہ معافی کا امکان موجود نہیں۔

پیغام: کسی کو اللہ کا شریک مت بناؤ اور نماز ہر صورت میں قائم کرو، تارک نماز نہ بنو۔

مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا ؕ کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡہِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ”جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقے ہو گئے، سب فرقے اسی سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔“

مشرکین کی خصوصیت

اس آیت میں مشرکین کی اہم خصوصیت بیان ہوئی ہیں:

”حزب“ اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک مشترکہ ہدف کے تحت اکٹھے ہوتے ہیں۔ مشرکین فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں البتہ ان سب میں ایک مشترکہ نقطہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سب اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہیں اور سب لوگوں کے ہوا و ہوس ایک جیسے نہیں ہوتے، ہزار افراد کی ہزار خواہشات ہیں، اسی بنا پر وہ اپنے اختیار کردہ دین میں مختلف ہیں، اللہ نے دین میں تفرقہ سے روکا ہے۔ درحقیقت ہوا و ہوس کی پیروی سے نہی کی ہے۔

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: ”اور لوگوں کو جب کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع ہو کر اسے پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ایک گروہ ان میں سے اپنے رب سے شرک کرنے لگتا ہے۔“

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ٝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: ”تاکہ جو ہم نے انہیں دیا ہے اس کی ناشکری کریں، سو فائدہ اٹھا لو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔“

مشکلات میں عام لوگوں کی کیفیت

عام لوگوں کے رویوں کا جائزہ لیا جائے تو ایسا ہی ہے کہ جب وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوتے ہیں، انہیں اپنا نقصان نظر آرہا ہوتا ہے، مشکل حل ہوتی نظر نہیں آرہی ہوتی تو اس صورتحال میں فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بہت ہی تضرع وزاری سے اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ان سے اس مشکل کو ٹال دے، ان کے لیے آسانی لے آئے۔ جب اللہ ان کی فریاد کو سن لیتا ہے اور اپنی رحمت سے ان کی مشکل کو اٹھالیتا ہے ان کے لیے آسانی لے آتا ہے تو جیسے ہی وہ مشکل سے نکلتے ہیں تو پھر دوبارہ شرک کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ان کی حالت ہے۔ وہ اللہ کی دی ہوئی نعمات کا شکر بجالانے کی بجائے ناشکری کرتے ہیں اور اپنے لیے مختلف قسم کے من گھڑت معبود بناتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت پر ان کی سرزنش فرماتا ہے کہ ٹھیک ہے تم مزے لے لو۔ ان نعمات سے بھرپور فائدے اٹھالو لیکن بہت جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اس کفران نعمت کی کتنی بڑی سزا ہے۔ تمہیں اللہ کی شان میں گستاخی اور شرک کرنے کی سخت سزا بھگتنا پڑے گی اور اس سزا سے تمہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ جملہ اول میں امر غائب ہے کہ وہ ان نعمات سے فائدے اٹھالیں پھر اس جملہ کو امر مخاطب (حاضر) میں بدل دیا ہے کہ تم بہت جلد جان لوگے تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا غضب اور ناراضگی تمہیں فوری بھگتنا ہوگی۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝۳۵

ترجمہ: ”کیا ہم نے ان کے لیے کوئی سند بھیجی ہے کہ وہ انہیں شرک کرنا بتا رہی ہے۔“

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: ”اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہو جاتے ہیں، اور اگر انہیں ان کے گذشتہ اعمال کے سبب سے دکھ پہنچتا ہے تو فورًا ناامید ہو جاتے ہیں۔“

رحمت اور تکلیف کا تقابل

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں بتایا ہے کہ ہم نے ایسی دلیل اُتاری ہے جو واضح طور پر بتا رہی ہے کہ یہ لوگ شرک کر رہے ہیں۔ ان کے مشرکانہ اعمال کو واضح طور پر بتا دیتے ہیں، کسی پر یہ امر مخفی نہ رہے کہ شرک کیا ہے۔ کل قیامت میں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں تو معلوم نہ تھا کہ شرک کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا حوالہ دیا ہے۔ رحمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ”اذا“ کا لفظ استعمال کیا ہے جبکہ ”سیئۃ“ (ناگوار صورتحال، ناپسندیدہ حالت، تکلیف دینے والی حالت) کے لیے ”ان“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت کثیر ہے، اس کی مقدار بے حساب ہے جبکہ تکلیف دہ صورتحال اور مصیبت کا مرحلہ کم ہوتا ہے اور مقدار میں کم ہے اور اس میں یقینی عنصر بھی کم ہے اور احتمال کا عمل دخل ہوتا ہے بعض لوگ کسی امر کو اپنے لیے مصیبت خیال کر رہے ہوتے ہیں اور اس چیز کا اظہار بھی کر رہے ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ رحمت کی نسبت اللہ کی طرف دی گئی ہے لیکن سیئۃ (مصیبت ناخوشگوار حالت) کو لوگوں کے برے اعمال کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اپنے اعمال سبب بنتے ہیں کہ اس کے لیے ناخوشگوار حالت کا سامنا ہوتا ہے اور اس پر مصائب آجاتے ہیں۔ تکلیف دینے والے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ یہ اس لیے بھی ہے

کہ رحمت ایک وجودی امر ہے جو اللہ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے جبکہ سیئۃ اور مشکلات عدمی امور ہیں اور عدمی امور کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

نعمت و مصیبت کے ظاہر پر نظر رکھنا

عام لوگوں کی نظر میں ظاہری نعمت، خوش بختی اور ظاہری مصیبت، بد بختی ہوتی ہے۔ جب خوشحالی کے وسائل مہیا ہوں تو انسان خوش و خرم ہوتا ہے جبکہ تھوڑی سے ناگواری آئے، مصیبت آجائے، بیماری و تکلیف آجائے (جسے سیئۃ سے بیان کیا ہے) تو وہ اس سے پریشان ہو جاتا ہے۔ نعمت کو دیکھ کر خوشحال ہو جاتا ہے، یہ نہیں سوچتا کہ نعمت کا ملنا یا نہ ملنا اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ نعمت اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ جیسے ہی نعمت کسی کے ہاتھ سے چلی جاتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے یہ ناامیدی نیا امر ہوتا ہے اور غیر متوقع حاصل ہوتا ہے جس کا اسے خیال تک نہیں ہوتا جبکہ رحمت اور (سیئۃ) اللہ کے ہاتھ میں ہیں، رحمت خود دیتا ہے جبکہ (سیئۃ) ان اسباب کے تحت ہے جسے خود انسان اختیار کرتا ہے جس کے نتیجہ میں ناخوشگوار حالات اسے پیش آتے ہیں۔ لوگ سطحی سوچ رکھتے ہیں، گویا وہ ایسا سوچ لیتے ہیں کہ اللہ کے اذن اور اجازت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور خیال کرتے ہیں نعمت کے خاتمہ میں اللہ کا دخل نہیں ہے، یہ ان کی غلط فہمی ہے سب اللہ کے اختیار میں ہے البتہ نعمت چھننے کا سبب خود ان کے اعمال ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جب تم کفران نعمت کروگے تو اللہ تم سے اس نعمت کو چھین لے گا جب انسان نعمت سے فیضیاب ہو رہا ہوتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح بہرہ ور ہوتا رہے گا جبکہ ایسا نہیں ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: ''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

رزق میں وسعت اور تنگی

اللہ ہی ہے جو روزی میں وسعت دیتا ہے اور اللہ ہی ہے جو روزی میں تنگی دیتا ہے کیونکہ رزق کے اسباب اور وسائل اللہ نے بنائے ہیں انسان جیسے وسائل کا استعمال کرے گا تو ویسا ہی نتیجہ اسے ملے گا لیکن لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب نعمت ملتی ہے تو اس پر خوشحال ہو جاتے ہیں اور جب مصیبت آتی ہے تو پھر نااُمید و مایوس ہوتے ہیں۔ وہ ایسا کرنے میں خطاء کار ہیں۔ ان سے سوال کیا گیا ہے کہ وہ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ رزق کی وسعت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور رزق کو تنگ کرنا تو یہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ روزی کی کمی یا اس میں وسعت یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سب اللہ کی مشیت کے تحت ہے۔ انسان کو معلوم ہونا چاہیے اگر اسے رحمت ملے تو یہ اللہ کی جانب سے ہے، اگر کچھ ایسا ہوتا ہے جو مناسب نہیں تو بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ دونوں زوال پذیر ہیں، خوشحالی کے حالات بھی ہمیشہ نہیں رہتے اور بدحالی کے حالات بھی ہمیشہ نہیں رہتے لہٰذا کسی بھی حالت بارے یہ نہ سوچا جائے کہ اس نے ہمیشہ رہنا ہے لہٰذا جو امور خوشحالی کا موجب بنیں ان کے زوال کی اُمید رکھنی چاہیے۔ اس حالت کے زوال پر ناراحت اور نااُمید نہ ہوں۔ اس سب میں مومنوں کے لیے نشانیاں ہیں تاکہ وہ جان لیں جو کچھ ان کے پاس حاصل ہے اس پر خوشحال نہ ہوں اور جب وہ ان سے چلا جائے تو ان کے فقدان پر مایوس نہ ہوں۔ اسی حوالے سے اللہ نے فرمایا:

''لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ'' (سورۂ حدید، آیت ۲۳)

تاکہ وہ اس پر مایوس نہ ہوں جو تم سے چلا گیا (اور اس پر خوش نہ ہو جو تم کو مل گیا ہے، جو اللہ نے عطا کیا ہے اس پر خوش نہ ہوں اور جو اللہ نے لے لیا ہے اس پر افسوس نہ کریں''۔

فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَ الۡمِسۡكِيۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِيۡلِ‌ ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ‌ ۖ وَ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''پھر رشتہ دار اور محتاج اور مسافر کو اس کا حق دے، یہ بہتر ہے ان کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔''

حقوق کی ادائیگی

''ذی القربیٰ'' رشتہ دار، قرابت دار کے معنی میں ہے۔ اس آیت میں اسے رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار مراد ہیں۔ ''مسکین'' ایسا فقیر جس کے پاس کچھ بھی نہیں اور بہت ہی بدحال ہے، ایک وقت کا کھانا بھی نہیں۔ ''ابن سبیل'' راہ خدا کا مسافر، ایسا حاجت مند ہو جس کے سفری اخراجات ختم ہو چکے ہوں اور اپنے ذرائع سے کچھ انتظام نہ کر سکتا ہو۔

رسول اللہؐ سے خطاب

رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنی ذریت کو ان کا حق دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے یہ حق ثابت اور طے شدہ ہے جو اسلام میں ایک اہم مالی فریضہ ہے جس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ اس حق سے مراد خمس ہے البتہ یہ اس صورت میں ہوگا اگر یہ آیت مدنی ہو، اگر یہ آیت مکی ہو تو پھر اس سے مراد مطلق احسان ہے۔ یہ آیت رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کو ایک حکم عام بتا رہی ہے اور وہ خمس اور صدقات و خیرات کی ادائیگی کے منفعت بخش اثرات کا بیان ہے۔ جو لوگ اللہ کی رضا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ خمس ادا کریں، احسان کریں، صدقات و خیرات دیں۔ یہ عمل ان کے فائدہ میں ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾

ترجمہ: ''اور جو سود پر تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے سو اللہ کے ہاں وہ نہیں بڑھتا، اور جو زکوۃ دیتے ہو جس سے اللہ کی رضا چاہتے ہو سو یہ وہ ہی لوگ ہیں جن کے دوگنے ہوئے۔''

سُود اور زکوۃ کا مسئلہ

سود کے ذریعہ لوگ اپنے اموال کو بڑھانے کا سوچتے ہیں۔ لیکن اللہ کے ہاں یہ مال میں اضافہ نہیں ہوتا اور انہیں کچھ ثواب نہیں ملتا کیونکہ اس میں قصد قربت نہیں ہے لیکن جس مال میں اللہ کی رضا منظور ہوتی ہے تو اللہ اس مال کو چند در چند کر سکتا ہے۔ اس کا ثواب بہت ہی زیادہ ہے۔ اس جگہ ''ربا'' سے حلال سود اور منفعت مراد ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے مال سے حلال طریقہ سے جو خرچ کر دیتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے میں قصد قربت نہیں ہوتا تو اس میں لوگوں کے مال بڑھانے کی نیت رکھتے ہیں تو اللہ ان کے مال میں اضافہ نہیں دیتا۔ جبکہ زکواۃ چاہے واجب ہو یا مستحبی ہو یا صدقہ و خیرات ہو تو اس میں جب اللہ کا تقرب مراد ہوگا، رضائے الٰہی مراد ہو گی تو اللہ اسے چند در چند اضافہ دیتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس آیت کو مکی قرار دیں اگر اسے مدنی قرار دیں تو پھر ''ربا'' سے مراد حرام سود ہے کہ اس سے مال نہیں بڑھتا۔ اللہ کے ہاں تو اس سے نقصان ہو گا جبکہ زکات سے مراد زکات فریضہ ہو گا کہ اس کی ادائیگی سے مال میں اضافہ ہو گا۔ البتہ یہ آیات مدنی آیات سے زیادہ شباہت رکھتی ہیں۔ اللہ ہی اس سے آگاہ ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ رَزَقَكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ؕ هَلۡ مِنۡ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنۡ يَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِكُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ''اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے معبودوں میں سے کبھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے، وہ پاک ہے اور ان کے شریکوں سے بلند ہے۔''

الوہیت اور ربوبیت اللہ کے لیے ہے

اس آیت میں توحید الوھی و ربوبی کو بیان کیا گیا ہے۔ بات خلقت سے شروع ہوئی تھی، اللہ خالق ہے جو خالق ہے وہی اپنی مخلوق کا مالک ہے جو مالک ہے تو اسی نے اپنی مخلوق کے لیے رزق دیا ہے، جو رزق دیتا ہے وہی اسے مارتا ہے اور جس نے مارنا ہے تو وہی پھر اسے زندہ بھی کرتا ہے تو جس کے ہاتھ میں موت و حیات ہے اور جو روزی کا مالک ہے تو پھر اسی کی اطاعت ہے، اپنی مخلوق کے لیے قانون خالق نے ہی دینا ہے لہٰذا اللہ ہی رب ہے۔ جب قانون اللہ کا ہے تو پھر اسی کی عبادت ہو گی اور اللہ ہی کی اطاعت کرنا ہو گی کسی اور کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ اللہ ہی الٰہ ہے، رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ ہی برتر ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ

اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے تاکہ وہ باز آجائیں۔"

زمین پر فساد

اس آیت میں زمین پر فساد سے زمین کے حالات کا دگرگوں ہونا اور زمین پر رہنے والوں کا بے سکونی سے دوچار ہونا مراد ہے۔ لہٰذا اس سے مراد زمین پر آنے والے زلزلے، تباہ کن سیلاب، ناگہانی آفات، وبائی امراض، خشک سالی، قحط، جنگ، امنیت کی تباہی، پورے عالم میں جاری نظام کو درہم برہم کرنے والے واقعات و حادثات مراد ہیں۔ یہ واقعات چاہے انسانوں کے براہ راست اپنے اقدامات سے ہوں یا زمینی و آسمانی آفات کی شکل میں ہوں۔ اس سے مراد عمومی مصائب و بلا مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ سب انسانوں کے اپنے اعمال کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ ان کے گناہوں کے اثرات ہیں جن میں اللہ کے ساتھ اس کا شریک قرار دینا، اللہ کے احکام کا مذاق اڑانا، الٰہی حدود کو پامال کرنا شامل ہے۔ اللہ ان مصائب کو انسان کے لیے خشکی اور تری میں ظاہر کرتا رہتا ہے تاکہ انہیں ان کی بداعمالیوں کا کچھ نہ کچھ مزہ چکھایا جائے تاکہ اس طرح وہ بداعمالیوں اور شرک جیسے گناہ سے واپس لوٹ آئیں، توبہ کرلیں، اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں کیونکہ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ عفو و درگذر کرتے ہوئے انہیں نظرانداز کردیتا ہے۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّشْرِکِیْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: "کہہ دو ملک میں چلو پھرو اور دیکھو جو لوگ پہلے گزرے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا، ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔"

زمین میں سیر و سیاحت کا حکم

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ اس وسیع و عریض زمین پر گھومیں، پھریں اور زمین پر بسنے والی سابقہ اقوام کے حالات بارے معلومات لیں کہ وہ کس طرح رہتے تھے، ان کے اعمال کیا تھے، کتنے طاقتور و مالدار تھے، کتنے بڑے بڑے محلات میں رہائش پذیر تھے، پھر ان کے ساتھ کیا ہوا کہ ہنستے بستے شہر سب ویران ہو گئے، ان کا برا انجام کیوں ہوا؟ اگر ان کے بارے معلوم کریں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی اکثریت مشرک تھے، اللہ کی وحدانیت کا انکار کرنے والے تھے، انہوں نے اللہ کے نمائندوں کو جھٹلایا جس کی وجہ سے انہیں برے انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ آج کے مشرکین کو ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: ''سو تو اپنا منہ سیدھی راہ پر سیدھا رکھ اس سے پہلے کہ وہ دن آ پہنچے جسے اللہ کی طرف سے پھرنا نہیں، اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے۔''

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ''جس نے کفر کیا سو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے، اور جس نے اچھے کام کیے تو وہ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں۔''

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ”تاکہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اللہ انہیں اپنے فضل سے بدلہ دے، بے شک اللہ ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔“

اللہ کے دین پر قائم رہنا

شرک اور کفر کی وجہ سے انسانوں پر عذاب آتا ہے اور مشرکین اور کافروں کے لیے نجات نہیں ہے لہٰذا دُنیا میں رہ کر دین کی پیروی کریں، قیامت کے دن کسی کو کچھ مدد نہ ملے گی، اللہ کے اذن کے بغیر کوئی کسی کے لیے کچھ نہ کرسکے گا۔ اس دن لوگوں کو جدا جدا کر دیا جائے گا، جہنم والے ایک طرف ہوں گے اور دوسری جانب جنت والے ہوں گے۔

ہر ایک کو اس کے عمل جیسا بدلہ ملے گا

جس نے کفر اختیار کیا تو اسے کفر کا نتیجہ ملے گا اور کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ان کے لیے کسی کی شفاعت نہ ہو گی، انہوں نے کفر اختیار کیا تو اس کا وبال بھی ان ہی پر ہے اور ہمیشہ کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ان کے لیے ہے۔ جو ایمان لائیں گے اور نیک اعمال انجام دیں گے تو ان کے لیے ان کا بدلہ بہترین طریقہ سے دیا جائے گا جو اعمال انجام دیئے ہیں ان سے زیادہ ملے گا۔ جرم کی سزا اتنی ہی ہو گی جتنا جرم ہے اس سے زیادہ نہ ہو گی جبکہ نیکی کا بدلہ اس سے زیادہ ہو گا جو اس نے نیک عمل کیا ہے۔ مومنین صالحین کے لیے آرام وسکون کا وسیع و عریض انتظام موجود ہو گا۔

نیک مومنین پر اللہ کا خصوصی انعام

مومنین اور ان کے اعمال صالحہ سب کچھ اللہ کا مِلک ہے ان کا اپنا کچھ نہیں ہے کیونکہ یہ سب اللہ کے حقیقی مملوک تھے اور ان کا اور ان کے اعمال کا مالک اللہ ہے۔ جب ایسا ہے تو جو کچھ انہوں نے انجام دیا وہ اس کے متعلق کچھ استحقاق نہیں رکھتے کیونکہ استحقاق تو تب بنتا جب ان کا اپنا

کچھ ہوتا۔ یہ سب مقام عبودیت پر ہیں، بندگی کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کے استحقاق کا تصور نہیں اور نہ ہی مالک سے کچھ طلب کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا انہیں جو جزاء دی جائے گی وہ اللہ کا فضل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کے لیے قرار دیا ہے، اللہ ہی ہے کہ جس نے انہیں ان کے اعمال کے عوض اجر کا مستحق قرار دیا ہے اور خود اللہ نے ان کے لیے حق قرار دیا ہے اور یہ حق اعتباری ہے۔ یہ اللہ کی جانب سے ایک اور فضل ہے۔ اس فضل کی منشاء وہ محبت اور رحمت ہے جو اللہ کی اپنے صالح بندوں کے لیے ہے۔ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا، لہٰذا انہیں اس فضل سے محروم رکھتا ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: ”اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ خوشخبری لانے والی ہوائیں چلاتا ہے اور تاکہ تمہیں اپنی مہربانی کا کچھ مزہ چکھا دیں اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ اس کے فضل سے تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔“

اللہ کی نشانیاں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا بیان ہے ان نشانیوں میں ایک نشانی ہواؤں کا چلنا ہے۔ ہوائیں بارش آنے کی خوشخبری دیتی ہیں، ہواؤں میں بہت ساری نعمات ہیں، ان کے ذریعہ نر اور مادہ درختوں کا ملاپ بھی ہوتا ہے، پھلوں کی صفائی بھی ہوتی ہے، کشتیاں بھی اسی کے تحت رواں دواں رہتی ہیں اور ان کا رُخ تعین کیا جاتا ہے۔ مدوجزر کی اطلاع ملتی ہے، یہ سب پیش خیمہ ہے کہ عوام روزی کی تلاش کے لیے نکلیں، روزی کے حصول کا ذریعہ بھی ہے، فضائی آلودگی بھی ختم ہوتی ہے، ہواؤں سے انسان کو تازہ حیات فراہم ہوتی ہے۔

شکر نعمت

کسی بھی نعمت کا شکریہ ہے کہ اسے اس طرح استعمال میں لاؤ جس کے لیے وہ نعمت بنائی گئی ہے۔ منعم کے دئے ہوئے انعام کا اظہار کیا جائے۔ لفظی ثناء و ستائش کی جائے۔ عملی اور لفظی دونوں طرح سے شکر بجالانا اللہ کی عبادت شمار ہوتی ہے۔ شکر کے حکم کو ''لعل'' سے مقید کر دیا ہے کیونکہ مادیات میں گھرا انسان بھول جاتا ہے کہ سب نعمات اللہ کی عطا کردہ ہیں، ان کا اسے شکر بجالانا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اور ہم تم سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس بھیج چکے ہیں سو ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا جو گناہگار تھے، اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔''

ہر قوم کے پاس رسول کا آنا

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے پاس نشانیاں اور معجزات دے کر ایک رسول بھیجا تاکہ وہ اپنی دعوت کے ثبوت کو پیش کر سکے لیکن ہر قوم نے اپنے رسول کی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم اور گناہوں کی وجہ سے انہیں سزا دی اور ان سے انتقام لیا۔ منکرین اور نافرمانوں پر عذاب اُتارا اور ایک لحاظ سے یہ مومنوں کی مدد تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ ایمان لانے والوں اور رسولوں کی تصدیق کرنے والوں کی دُنیا و آخرت میں مدد کرے گا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر مومنوں کے لیے حق قرار دیا دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ محکوم اور مجبور ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی نے یہ حکم جاری نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر فرض

کر لیا ہے کہ وہ مومنوں کی مدد کرے گا۔ اس طرح ایمان لانے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور رسول اللہ کا بھی حوصلہ بلند ہوا ہے کہ اگر تیری قوم تجھے جھٹلا دیتی ہے تو تجھ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کی اقوام نے بھی ایسا ہی کیا اور ہم نے انہیں سزا دی، اسی طرح تیری قوم کے مجرموں کو بھی سزا ملے گی اور تیرے اوپر ایمان لانے والوں کی نصرت کی جائے گی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ”اللہ وہ ہے جو ہوائیں چلاتا ہے پھر وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر اسے آسمان میں جس طرح چاہے پھیلا دیتا ہے اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تو مینہ کو دیکھے گا کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے، پھر جب اسے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔“

ہواؤں کا فائدہ

اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کو بارش برسانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا ہے کہ اللہ ہواؤں کو بھیجتا ہے، بادل ہوا کے دوش پر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں۔ یہ بادل لوگوں کے سروں پر موجود ہوتے ہیں، اور اللہ ہی بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اکٹھا کرتا ہے اور پھر جب یہ پانی سے بھرے بادل اللہ کے حکم سے قطرات کی صورت میں پانی نیچے اُتارتے ہیں، بادلوں میں چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے پانی کے قطرات بڑی ترتیب سے ایک دوسرے کے پیچھے نیچے گر رہے ہوتے ہیں۔ وہ جب چاہتا ہے بارش کو لوگوں پر برساتا ہے۔ بارشوں کا پانی انسانوں کے لیے مایہ حیات ہے، ہر جاندار پانی

سے زندہ ہے، اسی سے نباتات اُگتے ہیں، سبزہ اسی سے ہے۔ اس طرح لوگ بارش آنے سے خوشحال ہو جاتے ہیں، اس خوشحالی کو اللہ ہی دیتا ہے۔

وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: ''اور اگرچہ ان پر برسنے سے پہلے وہ ناامید تھے۔''

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: ''پھر تو اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھ کہ زمین کو خشک ہونے کے بعد کس طرح سرسبز کرتا ہے، بے شک وہی مردوں کو پھر زندہ کرنے والا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اللہ کی رحمت کے آثار

بارش سے جو خوشحالی آتی ہے، اس سے پہلے لوگ مایوسی کا شکار ہوتے ہیں ہر طرف زمین پر ویرانی نظر آرہی ہوتی ہے جیسے ہی بارش برستی ہے تو وہ اس کا نظارہ کرکے خوشحال ہو جاتے ہیں اور ان کی مایوسی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کی رحمت کے آثار سے ہے۔ آسمان سے بارش کا آنا اللہ کی رحمت ہے۔ بارش کے آنے سے جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان کو غور سے دیکھو، اللہ تعالیٰ کس طرح ویران اور خشک زمین کو حیات نو دے دیتا ہے، سبزہ زار ہو جاتا ہے، رونقیں بحال ہو جاتی ہیں، مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، درختوں پر پتے لگتے ہیں، پھل لگتے ہیں، ہر طرف ہریالی ہوتی ہے۔ اللہ ہی بزرگ و برتر ہے جس طرح ویران اور غیر آباد زمین کو حیات نو دیتا ہے اسی طرح مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا کیونکہ اللہ ہر امر پر قادر ہے۔ اس کی قدرت لامحدود ہے، اس لیے وہ اموات کو دوبارہ زندہ کرنے کو بھی شامل ہے۔ یہ سب اللہ کی رحمت

کے آثار ہیں جن کو دیکھ کر ایمان مستحکم ہوتا ہے لہٰذا ان سب نعمات پر اللہ کا شکر بجالانا چاہیئے۔

وَ لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ”اور اگر ہم ایسی ہوا چلائیں کہ جس سے وہ کھیتی کو زرد دیکھیں تو اس کے بعد وہ ناشکری کرنے لگ جائیں۔“

ناشکرا انسان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے حساب نعمات دی ہیں۔ لیکن بعض اوقات اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹھنڈی ہوائیں چلیں جن کے نتیجہ میں فصلیں، کھیت اور زراعت زرد پڑ جائے یا ٹھنڈک کی وجہ سے فصلیں خشک ہو جائیں تو انسان اللہ کی دی ہوئی تمام نعمات کو بھلا کر ناشکرا بن جاتا ہے۔ لہٰذا لوگوں میں ثبات نہیں ہے بہت جلد بدل جاتے ہیں جیسے ہی کوئی نعمت ملتی ہے تو خوشحال ہو جاتے ہیں۔ خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور جیسے ہی اللہ کسی نعمت کو ان سے چھین لیتا ہے تو انسان فوراً ناشکرا ہو جاتا ہے اور سب نعمتوں کا انکار کر دیتا ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ”بے شک تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں۔“

وَ مَاۤ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

ترجمہ: ”اور تم اندھوں کو ان کے الٹے راستے سے سیدھے راستہ پر نہیں لا سکتے، تم تو

بس انہیں لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی ماننے والے ہیں۔"

پیغمبر اکرمؐ کی حوصلہ افزائی

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو تسلی دی ہے کہ اے میرے پیارے جو مُردہ ہیں ان کو توں اپنی بات نہیں سنا سکتا، جو تیری بات کو سننے کے لیے تیار نہیں اور منہ موڑ کر بھاگ جاتے ہیں تم ان کو کیسے اپنی بات سنا سکتے ہو اور جو بہرے ہوں ان کو کس طرح اپنی آواز پہنچا سکتے ہو؟ لہٰذا آپ غمزدہ نہ ہوں کیونکہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی مایوس ہوتے ہیں، ان لوگوں کی مثال مُردوں کی ہے جو اندھے اور بہرے ہیں۔ آپ فقط ان لوگوں کو ہدایت دے سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارے دلائل پر غور کرتے ہیں اور آپ کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں یہی لوگ ہی مسلمان اور اللہ کے مطیع اور اطاعت گذار ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: "اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور وہی جاننے والا قدرت والا ہے۔"

انسان کی خلقت کے مراحل

انسان کی خلقت کی ابتداء کمزور نطفہ سے ہے۔ ابتداء میں وہ ایک کمزور اور ناتواں موجود تھا۔ اللہ نے اس کمزوری کے بعد اسے قوت دی اور حد بلوغ کو پہنچایا ہے پھر وہ جوانی کے مراحل کے طے کرکے بڑھاپے اور کمزوری کی طرف چلا جاتا ہے، اللہ جیسے چاہتا ہے خلق کرتا ہے، اللہ ہی ہے جو خلقت اور زندگانی کے امور کی تدبیر کرتا ہے کیونکہ اللہ عالم اور قادر ہے۔ اللہ ہی ہے جو لوگوں کی مصلحتوں اور مفادات سے آگاہ ہے اور تمہارے امور کی تدبیر پر قدرت رکھتا ہے۔

وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝٥٥

ترجمہ: "اور جس دن قیامت قائم ہوگی گناہگار قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے بھی زیادہ نہیں ٹھہرے تھے، اسی طرح وہ الٹے جاتے تھے۔"

کافروں اور گناہگاروں سے نااُمیدی

کفار اور گناہگاروں کی ہدایت کے بارے کچھ اُمید نہیں ہے کیونکہ یہ ہمیشہ حق کو باطل خیال کرتے ہیں، واضح و روشن آیات کا انکار کرتے ہیں اور افتراء باندھتے ہیں۔ باطل کی طرف رجحان قیامت تک جاری رہے گا، قیامت کے دن بھی ان کا امر مشتبہ ہوگا وہ خیال کریں گے کہ اُنہوں نے دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ قیام نہیں کیا تھا۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٥٦

ترجمہ: "اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا کہیں گے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق تم قیامت تک رہے ہو، سو یہ قیامت کا ہی دن ہے لیکن تمہیں اس کا یقین ہی

نہ تھا۔"

اہل علم اور اہل ایمان کا کافروں کو جواب

اہل علم اور اہل ایمان کافروں اور گناہگاروں کو جواب دیں گے کہ دُنیا میں تمہارا قیام ایک یا دو گھڑی نہیں بلکہ تم تو دنیا میں طولانی مدت ٹھہرے ہو لیکن تم ہمیشہ آخرت کے بارے شک کرتے تھے اور قیامت کا انکار کرتے تھے، دُنیاوی امور پر تمہارا یقین تھا، تم دنیا سے دل لگا بیٹھے تھے لہٰذا تمہیں یہ قیام ایک گھڑی لگا ہے۔ آج وہی قیامت کا دن ہے جس کے تم انکاری تھے جسے تم جھٹلا رہے تھے کیونکہ تم جاہل تھے، شک کرنے والے تھے، اسی وجہ سے تمہارے لیے یہ سب کچھ مشتبہ ہوا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: "تو اس دن ظالموں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ ان سے توبہ قبول کی جائے گی۔"

قیامت کے دن ظالموں کی معذرت

قیامت جزاء اور سزا کا دن ہے، اس دن ظالموں کو ان کے ظلم کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا وہاں ان کا معذرت پیش کرنا ان کے کام نہ آئے گا اور نہ ہی ان کو موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی بداعمالیوں اور باطل عقیدوں کا دفاع کر سکیں۔ وہاں پر تو ان کو دُنیا میں انجام دئے گئے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِن جِئْتَهُم بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے، اور اگر تم ان کے سامنے کوئی نشانی پیش کرو تو کافر یہ کہہ دیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو۔“

حق کا اظہار

حق کو ظاہر کیا جاتا ہے حق کے بارے دلائل دیئے جاتے ہیں، حق کی نشانیاں بیان کی جاتی ہیں جو بھی حق کی جانب میلان ورجحان رکھتے ہیں ان کے لیے ہر طرح کی مثالیں قرآن میں پیش کی گئی ہیں جو ان کے لیے حق کو واضح کرتی ہیں اور وہ حق کو قبول بھی کرتے ہیں لیکن جو کافر ہیں، ان کے لیے آپ جتنی بھی نشانیاں لے آئیں وہ اسے نہیں مانیں گے اور کہیں گے کہ تم باطل پر ہو اور تمہیں جھٹلائیں گے۔ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔ یہ لوگ حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔

كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝٥٩

ترجمہ: ”جو لوگ یقین نہیں کرتے اللہ ان کے دلوں پر یونہی مہر کر دیتا ہے۔“

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسۡتَخِفَّنَّكَ الَّذِيۡنَ لَا يُوۡقِنُوۡنَ ۝٦٠

ترجمہ: ”سو تو صبر کر کہ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تجھے بے برداشت نہ بنا دیں۔“

رسول اللہؐ کو صبر کی تلقین

اس آیت میں اللہ نے واضح کہا ہے کہ جاہل اور علمی حوالوں کو قبول نہ کرنے والوں کے دلوں

پر مہریں لگی ہیں جس وجہ سے وہ ہدایت نہیں پا سکتے۔ اس بنا پر اگر وہ ہدایت نہیں پا رہے تو ان کی اس حالت کو دیکھ کر آپ پریشان نہ ہوں اور نہ ہی اپنے کام میں سستی دکھائیں بلکہ اپنے کام کو جاری رکھیں اور اس عمل پر صبر سے کام لیں۔ جاہل کی زور گوئی سے نہ گھبرائیں۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے اس نے آپ کو نصرت کا وعدہ دیا ہے جسے وہ ضرور پورا کرے گا اور آپ کو کافروں اور جاہلوں پر غلبہ دے گا۔ آپ ان لوگوں سے دل تنگ اور پریشان نہ ہوں جنہیں اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ:

وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ (سورۂ روم، آیت: ۴۷)

ترجمہ: "اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی"

اس سورہ کے نہایت خوبصورت نکات میں سے ایک یہ ہے کہ اس سورہ کا آغاز بھی الٰہی نصرت سے ہوا ہے اور اس کا اختتام بھی الٰہی نصرت پر ہوا ہے۔ اس کے آغاز میں بھی فتح و کامیابی کی نوید سنائی گئی اور اس کے اختتام پر بھی فتح و نصرت کی نوید سنائی گئی ہے۔

سورۂ لقمان

(مکی۔ آیات 34)

اس سورت کے مطالب

توحید اور ایمان لانے کی دعوت، اخلاقیات، دین کے عمومی قوانین کا بیان، قیامت و معاد کا تذکرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓـمّٓ ۚ ﴿۱﴾

ترجمہ: "الف، لام، میم"

(الف، لام، میم) قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے، ہم بیان کر آئے ہیں کہ یہ حروف جس سورہ کے شروع میں ہوں وہ اس سورہ کے مطالب و مفاہیم کی طرف اشارہ ہیں اور ایک خفیہ رموز ہیں جن کا علم اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے اللہ کے اسماء الحسنی کی طرف اشارہ ہے الف سے احد، لام سے ولی، م سے مولیٰ۔ بعض نے کہا تینوں حروف مل کر اللہ کا نام ہیں۔

تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ۙ ﴿۲﴾

ترجمہ: "یہ آیتیں حکمت والی کتاب کی ہیں۔"

هُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ ۙ ﴿۳﴾

ترجمہ: "جو نیک بختوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔"

الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ هُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ ﴿۴﴾

ترجمہ: "وہ جو نماز ادا کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔"

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝٥

ترجمہ: ''یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔''

قرآن کے اوصاف اور فوائد

قرآن ایسی کتاب ہے جس میں بے مقصد اور بے ہودہ بات اور کلام موجود نہیں، اس کے سارے مطالب علمی ہیں، اس میں کچھ بھی باطل اور غیر واقعی نہیں ہے جو کچھ ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ اس میں ایک حرف بھی بغیر معنی و مفہوم کے موجود نہیں، کچھ بھی بے فائدہ یا اضافی چیز اس میں موجود نہیں، اس میں موجود سب کچھ واقعیت کے مطابق اور برحق ہے۔ یہ کتاب حق کی طرف ہدایت دیتی ہے، یہ کتاب رحمت ہے۔ انسان کے لیے نعمت ہے، البتہ قرآن صالحین اور نیکو کاروں کے لیے رحمت اور ہدایت کا سرمایہ ہے۔ لیکن گناہگار اس سے فیضیاب نہیں ہو سکتے۔ صالحین وہ ہیں جن کا عقیدہ صحیح ہے اور وہ اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اس کتاب میں نیکو کاروں کے لیے بہت زیادہ فوائد ہیں۔ نیکو کار ہی کامیاب ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ آخرت کے بارے یقین رکھتے ہیں، صالحین توحید پرست ہیں، رسالت پر ان کا ایمان ہے، آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور آخرت کے لیے نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔

وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِى لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٦

ترجمہ: ''اور بعض ایسے آدمی بھی ہیں جو کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تاکہ بن سمجھے اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اس کی ہنسی اڑائیں، ایسے لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب

ہے۔"

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞

ترجمہ: "اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا منہ موڑ لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں، سو اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے۔"

حق سے بہکانے والے لوگ

"لَهْوَ الْحَدِيْثِ" ایسی بات کو کہتے ہیں جو آدمی کو حق سے بہکا دے اور اپنے آپ میں مشغول کرے۔ جیسے وہ قصے کہانیاں اور حکایتیں جو انسان کو گمراہ کرتی ہیں۔ یا موسیقی، اشعار اور ڈھول بجانے جیسے کاموں میں سرگرم ہو جانا۔

اس آیت میں "سَبِيْلِ اللّٰهِ" سے قرآن کریم اور اعتقادی اور عملی معارف حقہ خصوصاً گذشتہ انبیاء اور اقوام کے قصے مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرمارہا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو لوگوں کو قرآن سننے سے روکنے اور انہیں گمراہ کرنے کے لیے بے ہودہ قسم کی باتوں میں سرگرم کر لیتے ہیں۔ اور قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں اور اسے گذشتہ لوگوں کا افسانہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ: یہ لوگ اپنے غرور اور تکبر کی وجہ سے خوار و ذلیل کرنے والے عذاب کا شکار ہوں گے۔ پھر ان لوگوں کی نشانی بتاتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ جب قرآن کی آیات کو سنتے ہیں تو یوں اس سے منہ پھیر لیتے ہیں جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو، یا وہ بہرے ہوں۔ آخر میں دوبارہ ان بے ہودہ باتوں کے خریداروں کو دوبارہ دھمکی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے لیے

ان کے جھٹلانے اور ان کے تکبر کے بدلے انہیں دردناک عذاب کی خبر دو۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ جَنّٰتُ النَّعِیۡمِ ۙ﴿۸﴾

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے لیے نعمت کے باغ ہیں۔''

خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۹﴾

ترجمہ: ''جہاں ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا سچا وعدہ ہو چکا، اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

اللہ کا سچا وعدہ

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نیک اور پرہیزگار لوگوں کے لیے بہشت جاوید کا وعدہ دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ عزیز مطلق ہے جسے کوئی بھی ذلیل اور خوار نہیں کر سکتا اور وہ ایسا حکیم ہے جس کے کلام میں کسی بھی قسم کی بے ہودگی، بطلان اور مذاق نہیں ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا وَ اَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''آسمانوں کو بے ستون بنایا تم انہیں دیکھ رہے ہو، اور زمین میں مضبوط پہاڑ رکھ دیے تاکہ تمہیں لے کر ادھر ادھر نہ جھکے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے، اور ہم نے آسمان سے مینہ برسایا پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں

اگائیں۔"

بے ستون آسمانوں کی خلقت

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے خلق کیا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب اس قید کو قید توضیحی فرض کریں۔ اور اگر یہ قید، قید احترازی ہو تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں پر کھڑا کیا ہوا ہے جو نظر نہیں آتے ہیں۔[1] اس کے بعد فرمایا کہ اس نے زمین پر اونچے پہاڑ قرار دئے ہیں جو زمین کو ہلنے نہیں دیتے۔ آج کے سائنسی علوم میں یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ زلزلہ آنے میں پہاڑوں کا بہت اہم رول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین میں مختلف قسم کے جاندار خلق کیے ہیں اور ان کے لیے آسمان سے پانی برسایا ہے تاکہ ان جاندراوں کی زندگی کا وسیلہ بنے۔ اس پانی سے نباتات اگائے ہیں جن میں جانداروں کے لیے بہت سارے فوائد پائے جاتے ہیں۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ۧ

ترجمہ: "یہ تو اللہ کی ساخت ہے پھر مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا غیر نے کیا پیدا کیا ہے، بلکہ ظالم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

خلقت اور تدبیر کے نمونے

پچھلی آیت میں اپنی خلقت اور اس کی تدبیر کے نمونے پیش کرنے اور اپنی الوہیت اور ربوبیت کا

---

[1]۔ شاید اس سے قوت جاذبہ مراد ہو جو نظر نہ آنے والے ستونوں کی طرح سیاروں کو آسمان میں اٹھائے ہوئے ہے۔ (مترجم)

ثبوت دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے رسول خداؐ سے مخاطب ہو کر فرمارہے ہیں مشرکین سے سوال کریں کہ انہوں نے جن کو اپنا رب بنا رکھا ہے اور جن کی وہ پرستش کرتے ہیں کیا انہوں نے کوئی چیز خلق کی ہے؟ کیونکہ خلقت تدبیر سے جدا نہیں ہے۔ جب معلوم ہو گیا کہ ان فرضی معبودوں نے کچھ خلق نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورے عالَم کی تدبیر میں ان کا کچھ کردار نہیں ہے، پس اللہ ہی تنہا خالق اور رب ہے۔ یہ مشرکین ظالم ہیں جو اپنی گفتار کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ زمین و آسمان اور سورج و چاند کا خالق کون ہے؟ تو کہتے ہیں اللہ ہے۔ جب ان سب کا خالق اللہ ہے تو پھر اللہ کی خالقیت کو ماننے کے بعد اپنے بنائے ہوئے معبودوں کو اپنا رب بنا کر ان کی عبادت کرنا اپنے اوپر ظلم کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔اس طرح یہ لوگ واضح اور آشکار گمراہی میں ہیں۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کرتے رہو، اور جو شخص شکر کرے گا وہ اپنے ذاتی نفع کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے گا تو اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔“

لقمان کا تذکرہ

اس آیت میں لقمان کا تذکرہ ہوا ہے کہ ان پر اللہ کا خاص انعام تھا کہ اللہ نے انہیں حکمت و دانائی عطا کی تھی۔ ”**حکمت**“ ایسی علمی معرفت کو کہتے ہیں جو مفید و نفع بخش ہو۔ جہالت اور لااُبالی پن کی درمیانی حالت اور حد وسط کو حکمت کہا جاتا ہے۔ تفکر میں زیادہ روی، زندگانی کے لیے مفید اور منفعت بخش امور کے علاوہ دیگر امور بارے غور و فکر کرنا، بے ہودہ امور، بے

مقصد معاملات کے متعلق فکر کرنے کو لااُبالی پن کہا جاتا ہے۔ حکمت، جہالت اور لااُبالی پن کی درمیانی حالت اور حد وسط ہے۔ لقمان کو حکمت کی نعمت عطا کی گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اللہ کے شاکر عبد تھے ان کے ہر عمل میں شکر کا پہلو موجود تھا کیونکہ کسی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو اس طرح استعمال کیا جائے جس میں اللہ کی مرضی ہو اور اس نعمت کے ذریعہ نعمت دینے والے کا بہتر انداز سے اظہار کیا جائے۔ اس کا لازمہ یہ ہے کہ نعمت کے ذریعے، نعمت دینے والے کی معرفت حاصل کی جائے اور اس کی نعمتوں کا اظہار کیا جائے۔

شکر گذاری اور ناشکری کا انجام

شکر بجالانے کا فائدہ خود شکر گذار کو ملتا ہے۔ اس میں نعمت دینے والی ذات یعنی اللہ تعالیٰ کا کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اسی طرح ناشکری کا نقصان بھی خود اس شخص کو ملتا ہے جو کفران نعمت کرتا ہے۔ اس کا نقصان اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا جو منعم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ بے نیاز ہے، اسے کسی کے شکر بجالانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنی نعمات کی وجہ سے لائق تعریف ہے، اسی وجہ سے کفران نعمت اسے نقصان نہیں دے سکتا۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جسے نعمت دی گئی ہے وہ شکر گذار ہو یا ناشکرا۔

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ”اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے۔“

وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: "اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہے تو (انسان) میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کرے، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: "اور اگر تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں تو میرے ساتھ اس کو شریک بنائے جس کو تو جانتا بھی نہ ہو تو ان کا کہنا نہ مان، اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے پیش آ، اور ان لوگوں کی راہ پر چل جو میری طرف رجوع ہوگئے، پھر تمہیں لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔"

لقمان کی اپنے بیٹے کو وصیت

لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک انتہائی اہم وصیت فرمائی اور وہ یہ تھی کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا اور ساتھ یہ بھی بتادیا کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے۔ ہر عمل کی عظمت اس عمل کے اثر اور اس کے نتیجہ کی روشنی میں معلوم ہوتی ہے اور اسی حوالے سے عمل انجام دینے والے سے جواب طلبی ہوتی ہے۔ اللہ کا شریک قرار دینے کا نتیجہ اس حوالے سے بڑا جرم ہے کہ اس کے فرمان کی خلاف ورزی ہے جو لاشریک ہے اور سب کا خالق ہے۔ لاشریک کی سب سے بڑی معصیت یہ ہے کہ اس کا شریک قرار دیا جائے لہٰذا اس سے بڑھ کر

کوئی اور ظلم و زیادتی نہیں ہے۔

والدین بارے اللہ کی وصیت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں والدین کے احترام کے متعلق خصوصی وصیت فرمائی ہے۔ وصیت کا مطلب کسی کی خیر و بھلائی کے لیے راہنمائی دینا ہے۔ ماں اور باپ دونوں قابل احترام ہیں لیکن ماں کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ اس کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک تو حمل کے دوران ماں جس کمزوری اور تکلیف سے گزرتی ہے باپ اس سے نہیں گزرتا، دوسری بات یہ ہے کہ دو سال تک بچے کو دودھ پلانے کے دورانیہ میں بھی ماں اپنا خون جگر پلا رہی ہوتی ہے اور ماں ہی سب سے زیادہ اپنی اولاد کے لیے زحمت اور مشقت اٹھاتی ہے اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ باپ اور ماں دونوں کا احترام کیا جائے ان کے ساتھ احسان اور نیکی کی جائے اور بالخصوص ماں کے لیے خاص تاکید کی ہے۔

والدین کے احترام میں استثناء

آیت میں والدین کے احترام کا حکم دیا گیا ہے لیکن اگر والدین اپنی اولاد کو اللہ کا شریک قرار دینے کا حکم دیں تو اس صورت میں والدین کی اطاعت نہیں کرنی۔ اگرچہ احادیث کی روشنی میں اس صورت میں بھی ان کی بے احترامی سے روکا گیا ہے۔ البتہ اس حوالے سے والدین کا اللہ کے شریک قرار دینے پر اصرار ہے اور اس کی عملی صورت کے تناظر میں والدین کی نافرمانی ہو گی۔ فرض کریں کہ کافروں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے اور والدین مشرک ہیں وہ اپنی اولاد کو حکم دیں کہ مسلمانوں کا ساتھ نہ دو تو اس صورت میں والدین کی اطاعت ساقط ہو جائے گی۔ یا والدین مسلمان ہیں لیکن اپنی اولاد کو اسلامی فرائض انجام دینے سے روکیں تو اس صورت میں بھی والدین کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح اگر والدین اولاد کو اللہ کے محرمات کا ارتکاب کرنے کا کہیں تو بھی اولاد سے والدین کی اطاعت ساقط ہے۔ مستحب، مباح اور مکروہ

اعمال میں والدین کی رضایت کا لحاظ رکھنا ہوگا اور ان ہی اعمال میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی سے منع کیا گیا ہے۔

اللہ کی جانب واپسی

مذکورہ آیت میں واضح بتا دیا گیا ہے کہ سب کی واپسی اللہ کی طرف ہے، اللہ کے ہاں سب کے اعمال پیش ہوں گے جس نے جو کیا ہے وہ اسی کا خمیازہ بھگتے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام افراد کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، ہر ایک کا احتساب ان کے اعمال کی روشنی میں ہوگا، یہ ایک طے شدہ ضابطہ ہے جس کے خلاف نہ ہوگا۔

حقوق والدین کا مسئلہ

حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتوں کے درمیان یہ دو آیات جملہ معترضہ کے طور پر بیان ہوئی ہیں جن میں والدین کے شکر کے وجوب کو بیان کیا گیا ہے جو حقیقت میں اللہ کے شکر تک جا ملتا ہے اس اعتبار سے یہ بھی عبادت ہے۔ ان آیات میں والدین کے حقوق کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ والدین کی نافرمانی گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ جس شخص نے والدین کی نفرین لی ہوگی وہ جنت الفردوس میں نہیں جائے گا۔ اس بارے ماں کے متعلق خصوصی طور پر علیحدہ وصیت کی گئی ہے۔

ماں کا احترام والد سے زیادہ

ماں کا احترام باپ سے زیادہ ہے۔ بچے کو دودھ دینے کی مدت دو سال ہے، اس آیت کو دوسری آیات کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو دو سال دودھ پلانے کے ہیں اور حمل کی کم ترین مدت چھ ماہ بنتی ہے۔

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ (سورہ احقاف آیت: ۱۵)

ترجمہ: ”اور اس کا حمل اور دودھ کا چھڑانا تیس مہینے ہیں“۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مدت حمل چھ ماہ ہے۔ حمل کے دوران اور دودھ پلانے کی مدت میں تکلیف برداشت کرنے میں ماں اکیلی ہوتی ہے اس میں باپ شریک نہیں۔ اس کی برابری کوئی نہیں کر سکتا اس لیے ماں کا احترام باپ سے زیادہ ہے۔ اس جگہ حکم دیا گیا ہے کہ انسان اپنے خالق اور اپنے والدین کا شاکر ہو اور ساتھ فرمادیا کہ اگر اس امر کی اطاعت نہ کی تو سب کی بازگشت میرے طرف ہے۔ گویا ان کی نافرمانی میری نافرمانی ہے اور ان کی اطاعت میری اطاعت ہے۔

حقیقت شناس بنیں!

انسان کو حقیقت شناس ہونا چاہیے لہٰذا اگر والدین تمہیں کسی ایسے امر کا حکم دیں جس کی حقیقت کے بارے میں تم آگاہ نہیں ہو جیسے وہ تمہیں کسی کو اللہ کا شریک قرار دینے کا حکم دیں تو یہ ایک ایسا امر ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس حقیقت کا نامعلوم ہونا اس لحاظ سے ہے کہ ایسا کوئی موجود ہی نہیں جو اللہ کا شریک ہو، جس کا وجود نہیں تو اس کا علم کہاں سے آئے گا۔ اس لیے اس صورت میں والدین کی اطاعت کا حکم ساقط ہو جائے گا کیونکہ عقیدتی پیوند اور تعلق داری خونی پیوند پر مقدم ہے۔

دنیوی معاملات میں والدین سے تعلق داری

دُنیاوی معاملات میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ ان سے رواداری سے پیش آنا ہے، ان پر غصہ نہیں کرنا، ان پر تقدم نہیں کرنا، ان پر آواز بلند نہیں کرنا، ان کی بے احترامی نہیں کرنا، دُنیاوی راہ رسم میں ان کے ساتھ چلنا ہے، ان کے دُنیاوی روابط و تعلقات میں ان کی رائے کا پاس رکھنا ہے۔ اس بارے ماں کے متعلق خصوصی تاکید کی گئی ہے کہ انکا خاص خیال رکھا جائے۔ پھر بیان کر دیا کہ اگر والدین خدا کی طرف رجوع کرنے والے اور مومن

ہیں تو ان امور میں بھی ان کی پیروی کی جائے۔ لیکن اگر وہ عقیدتی لحاظ سے مختلف ہوں تو پھر ان کی روش پر نہیں چلنا۔ قیامت کے دن تمہاری واپسی میری طرف ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی بنیاد پر تمہارا احتساب کرے گا۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿١٦﴾

ترجمہ: ''بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمان کے اندر ہو یا زمین کے اندر ہو تب بھی اللہ اس کو حاضر کر دے گا، بے شک اللہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔''

انسان کا عمل

جناب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ان کو توحید کی دعوت دینے اور شرک خدا کی نفی کرنے کے بعد معاد اور اعمال کا جائزہ لینے کی سفارش کرتے ہوئے ان سے کہا کہ تیرا ہر عمل ریکارڈ پر ہے، چاہے اچھا ہو یا برا، چھوٹا ہو یا بڑا، معمولی ہو یا غیر معمولی، وہ تیری نظر میں ناچیز ہی کیوں نہ ہو، اس کے لیے انہوں نے رائی کے دانہ کی مثال دی ہے جو انتہائی باریک ہوتا ہے کہ اسے کسی حساب میں بھی نہیں لایا جاتا۔ پھر بتایا کہ اتنا معمولی سا عمل پتھر کے دل میں ہو یا آسمان میں یا زمین کی کسی جگہ تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو حساب کے لیے حاضر کرے گا اور اس کی روشنی میں جزاء و سزا دی جائے گی۔ اللہ باریک بین ہے، دقیق حساب کرنے والا ہے، اللہ کے علم سے کچھ مخفی و پوشیدہ نہیں ہے، اس کا علم اشیاء کی گہرائی تک نفوذ رکھتا ہے۔ وہ موجودات کی حقیقت و اصلیت سے آگاہ ہے اور تمام پوشیدہ امور سے آگاہ ہے۔ اس مثال سے یہ سمجھایا ہے کہ اللہ کے سامنے حساب دینے کے لیے جانا ہوگا اور آپ کا ہر عمل

چاہے وہ رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو، اس کا بھی حساب ہو گا۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کیا کر، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں۔''

لقمانؑ کے مواعظ حسنہ

حضرت لقمان جو کہ پیغمبر نہیں تھے، حبشی تھے لیکن انتہائی نیک اور پارسا انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت و دانائی عطا کی تھی، وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو صحیح عقیدہ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے اعمال انجام دینے کی وصیتیں فرمائیں جو اسے خدا پسند بنا سکیں۔ ایسے اعمال جو ہر مومن سے مطلوب ہیں، ان اعمال میں چند ایک اس طرح ہیں:

نماز: نماز اہم اسلامی فریضہ ہے، نماز قائم کرنے کی تاکید کی۔

امر بالمعروف: نیک اعمال کا حکم دینا اہم فریضہ ہے۔

نہی عن المنکر: منکرات اور برائیوں سے روکنا۔

مصائب و مشکلات میں صبر کرنا: جب انسان پر ایسے حالات آتے ہیں جو اس کے لیے دشواری کا سبب بنتے ہیں تو اس کو ایسے حالات میں بے حوصلہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ صبر سے کام لینا چاہیے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾

ترجمہ: ''اور لوگوں سے اپنا رخ نہ پھیر اور زمین پر اترا کر نہ چل، بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

متکبرانہ چال چلنے سے منع

انسان لوگوں کے درمیان رہتا ہے تو اس کو متکبرانہ انداز نہیں اپنانا چاہئے، اپنے رُخساروں کو نہ بُھلائے رکھے بلکہ نرم خو ہو، لوگوں سے میل جول میں نرم روش اپنائے، ان میں گھل مل جائے، کسی پر بڑائی کا اظہار نہ کرے۔ جب راہ چل رہا ہو تو زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چلے، زمین پر زور زور سے پاؤں نہ مارے کہ جس سے اندازہ ہو کہ یہ کوئی بڑا آدمی ہے بلکہ انکساری، عاجزی کا اظہار کرے، چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھائے، باوقار انداز اپنائے۔ اللہ تعالیٰ مغرور، متکبر کو پسند نہیں کرتا، متواضع کو اللہ پسند کرتا ہے، کبریائی بس اللہ کے لیے ہے، وہ غنی و بے نیاز ہے، باقی سب اس کے محتاج ہیں۔

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾

ترجمہ: ''اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست کر، بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔''

چلنے میں مناسب انداز

چال ڈھال، معاشرہ کے اندر معاملات میں رویے، سب میں میانہ روی ہو، افراط اور تفریط نہ

ہو، بے جا سختی نہ کرے اور خود سری سے اجتناب کرے۔

آواز کا دھیما رکھنا

اونچا اونچا بولنا، چیخ چیخ کر بات کرنے کا رویہ درست نہیں ہے۔ گفتگو کرتے وقت اپنی آواز کو دھیما رکھا جائے، ضرورت سے زیادہ آواز اونچی نہ کی جائے، کیونکہ کرخت ترین آواز گدھے کی ہے۔ یہ مثال دے کر سمجھایا ہے کہ انسان اور گدھے میں فرق ہونا چاہیے۔ یہ تمام مواعظ بہترین انسان بنانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ اگر انسان خود کو بہترین انسان بنانا چاہتا ہے، معاشرہ کا پسندیدہ بننا چاہتا ہے اور اللہ کا پسندیدہ ہونا چاہتا ہے تو اسے ان وصیتوں پر عمل کرنا چاہیے۔[1]

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ‌ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ”کیا تم نے نہیں دیکھا جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں، اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں نہ انہیں علم ہے اور نہ ہدایت ہے اور نہ روشنی بخشنے والی کتاب ہے۔“

---

[1] ۔ روایات میں آیا ہے کہ جناب لقمان، حضرت داود کے ہم عصر اور حبشی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاق حسنہ اور نیک رفتار کی وجہ سے انہیں حکمت اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔ وہ نبی نہیں تھے۔ بحار الانوار جلد ۱۳ میں ان کے وعظ و نصیحت کے کچھ کلمات ذکر ہوئے ہیں۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی

ان آیات میں دوبارہ حضرت لقمان کے بیانات کا تذکرہ ہوا ہے جو کہ آیت: ۱۱ میں شروع ہوا تھا جس میں مشرکین سے کہا گیا تھا کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تو اللہ کی مخلوقات ہیں۔ انہوں نے کیا خلق کیا ہے اسے سامنے لے آؤ۔ وہاں پر کہا گیا تھا کہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔ اس جگہ غائب سے خطاب کی طرف رجوع کیا گیا ہے جس سے مخاطبین کی جہالت اور ہٹ دھرمی کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس نظام ہستی کے تمام اجزاء کو باہم مربوط کیا ہے اور جوڑ کر رکھا ہے اور پورا عالَم کس طرح اس نظم کے تحت مربوط ہے اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور اس پورے عالَم کی ایک اکائی ہے، اس کی تدبیر کر رہا ہے اور پورے عالَم کو کس طرح مسخر کیا ہے جو اسی نظام کے تحت ہے کہ جس سے انسان وجود میں آیا ہے اور پھر اسی نظام کے تحت کمال کو جا پہنچتا ہے۔ تسخیر کا معنی یہ ہے کہ فاعل کسی فعل کو مسخر کرنے والے کے ارادے سے انجام دے۔ پورے عالَم میں اسباب کی تاثیر ہے۔ ہر ایک کا اپنا سبب ہے اور اس کا اپنا اثر ہے اور سب جو بھی کام انجام دیتے ہیں تو اللہ کی مشیت سے انجام دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جو نظام چاہا ہے کہ وہ سب عالَم انسانی کی تدبیر کریں اور عالَم انسان کی احتیاجات و ضروریات کو پورا کریں[1] اللہ تعالیٰ نے پورے عالَم میں جو اسباب قرار دیئے ہیں ان سب کو تکوینی طور پر ہدایت دی ہے کہ وہ انسان کے تابع رہیں اور اس کی تدبیر کے تحت کام کریں۔ اس طرح پورے عالَم سے عالَم انسان کو فیض پہنچانا ہے اور انسان کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ کائنات میں موجود اسباب کو اپنی ترقی اور کمال کے لیے استفادہ کر سکے۔

---

[1]۔ تفسیر قمی میں حضرت جابر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت نقل کی ہے کہ نعمت ظاہری سے رسول اللہؐ اور توحیدی معرفت مراد ہیں جسے آپ لے کر آئے ہیں اور نعمت باطنی سے ہم اہل البیتؑ کی ولایت مراد ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر ظاہری اور باطنی نعمات کو پورا کیا ہے۔

"نعمات" سے مراد ہر وہ امر ہے جو اس کے لیے سازگار اور موافق ہو کہ انسان اس سے لطف و لذت اُٹھائے۔ اس جگہ ظاہری نعمات سے آنکھ، کان اور جسم کے اعضاء، صحت، سلامتی، عمدہ روزی مراد ہے اور باطنی نعمات سے وہ نعمات مراد ہیں جو نظر نہیں آتیں جیسے شعور، ارادہ، عقل جو حسی مشاہدہ میں نہیں آتے۔ اس کے بعد پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف توجہ کی ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جن کے پاس کچھ بھی آگہی نہیں ہے۔ آگاہی کے ذرائع علم، ہدایت اور کتاب ہیں۔ یہ اللہ کی وحدانیت اور الوہیت اور ربوبیت میں ہٹ دھرمی کرتے ہیں، جھگڑا کرتے ہیں، بلادلیل بات کرتے ہیں۔ سوائے اندھی تقلید کے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

"مجادلہ" کا معنی مخالف پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے بحث کرنا ہے۔ بحث کا مقصد غلبہ حاصل کرنا ہو چاہے دلیل و منطق ساتھ نہ بھی دے۔

"علم" سے مراد عقلی اور اکتسابی دلائل، ہدایت اور وہ حقائق ہیں جو وحی یا الہام کے ذریعہ انسان کو عطا ہوتے ہیں۔

"کتاب" آسمانی کتابیں۔ یہ تین امور علم کے حصول کے ذرائع ہیں، ان کے علاوہ چوتھا ذریعہ نہیں۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: "اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس پر چلو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا (تب بھی) اگرچہ

شیطان ان کے بڑوں کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو۔“

وَ مَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰی ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”اور جس نے نیک ہو کر اپنا منہ اللہ کے سامنے جھکا دیا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، اور آخر کار ہر معاملہ اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے۔“

مشرکین کی اندھی تقلید

توحید الوہی اور ربوبی پر مضبوط دلائل کے باوجود مشرکین ہٹ دھرمی پر قائم ہیں، بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ ہمیں تو اپنے آباء واجداد سے جو آئین اور دستور ملا ہے ہم تو اسی پر چلیں گے۔ کوئی اور بات قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا کہ اگرچہ انہوں نے شیطان کی پیروی کی ہے جس کے نتیجہ میں انہیں سخت ترین عذاب میں جانا پڑے پھر بھی وہ اسی پر قائم ہیں، ان کے پاس کوئی بھی عقلی دلیل موجود نہیں ہے، شرک کے راستہ پر بغیر کسی سہارے کے چل رہے ہیں۔ اس طرح وہ عذاب کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ بزرگان کی پیروی اس وقت کی جاتی ہے جب ان کا عمل حق پر مبنی ہو، اگر آباء واجداد خود گمراہ اور باطل پر ہوں تو پھر ان کی پیروی کا کیا جواز ہے؟ باطل کی پیروی انسان کو شقاوت، بدبختی اور جہنم کے عذاب کی جانب دھکیل دے گی۔ جو شخص صالح ہو، نیک عمل کرے اور خود کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دے، معاد پر یقین ہو، نیک اعمال کو بجالائے، تو پھر یقین رکھے کہ وہ نجات پانے والوں میں سے ہوگا۔ کیونکہ سب امور کی بازگشت اللہ کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کے لیے نجات کا وعدہ دیا ہے جو پورے وجود کے ساتھ اللہ کی طرف توجہ کریں، اللہ کو یکتا جانیں اور اعمال صالحہ بجالائیں۔ ایسے افراد نے اپنے لیے مضبوط سہارا حاصل کر لیا ہے جو انہیں خدا

کے پاس لے جائے گا اور ان کی نجات کا ذریعہ بنے گا اس طرح وہ کامیاب و کامران ہونگے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾

ترجمہ: ”اور جس نے انکار کیا پس تو اس کے انکار سے غم نہ کھا، انہیں ہمارے پاس آنا ہے پھر ہم انہیں بتا دیں گے کہ انہوں نے کیا کیا ہے، بے شک اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔“

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: ”ہم انہیں تھوڑا سا عیش دے رہے ہیں پھر ہم انہیں سخت عذاب کی طرف گھسیٹ کر لے جائیں گے۔“

رسول اللہؐ کے لیے تسلی و حوصلہ افزائی

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں، پریشان نہ ہوں، واضح اور روشن دلائل کے باوجود مشرکین کے شرک اور کافروں کے انکار پر غم نہ کھائیں کیونکہ ان سب نے ہمارے پاس پلٹ کر آنا ہے ان کے اعمال ہمارے پاس ہیں جب آئیں گے تو انہیں ان کے اعمال پیش کیے جائیں گے اور پھر ان اعمال کے برے اثرات و نتائج انہیں بھگتنا ہوں گے۔ کافروں کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ سب اسی دُنیا میں بھی ایک لمحہ کے لیے اللہ کی قدرت اور تدبیر سے باہر نہیں ہیں۔ اللہ سینوں میں چھپے رازوں سے آگاہ ہے۔ مختصر عرصہ کے لیے وہ اس دُنیا میں فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن آخر کار یہ سب اس پر مجبور ہوں گے کہ

اپنے پاؤں کے ساتھ چل کر عذاب جہنم کی جانب جائیں۔ اس دن یہ اللہ کے ارادے کے سامنے مغلوب و مقہور ہونگے۔

وَ لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، کہہ دو الحمد للہ، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

انسان کی توحیدی فطرت پر خلقت

اللہ تعالیٰ نے سب کو توحیدی فطرت پر خلق کیا ہے لہٰذا جو لوگ کافر ہیں جب ان سے پوچھا جائے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے؟ تو اپنی فطرت کے تحت یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے خلق کیا ہے لہٰذا جب ہستی وجود کا خالق اللہ ہے تو پھر اس پوری کائنات کا مدبر و مدیر بھی وہی ہے جو خالق ہے۔ خالق ہی کو پتہ ہے کہ اس نے اپنی مخلوق کو کیسے چلانا ہے۔ تدبیر خلقت سے جدا نہیں ہے۔ اس کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ کو دستور دیا کہ ان لوگوں نے اللہ کے خالق ہونے کا اعتراف کیا تو اس پر آپ اللہ کی حمد بجالاؤ۔ پھر فرمایا کہ ان کی اکثریت ایسی ہے جو اس اعتراف اور اس اعتراف پر حمد بجالانے کے معنی کو نہیں سمجھتے، بہت تھوڑے ہیں، جو اس کے معنی کو سمجھتے تو ہیں لیکن حق کے سامنے خضوع و خشوع کرنے کی بجائے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا: ''اُنھوں نے اس کا انکار کر دیا جبکہ ان کے دل اس پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب برحق ہے''۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بے شک اللہ بے نیاز سب

خوبیوں والا ہے۔"

حقیقی مالکیت

اس آیت میں اللہ کی حقیقی مالکیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جب حقیقی مالکیت اللہ کی ہے تو پھر خالق بھی وہی ہے اور وہ واحد و یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا مبدء و آغاز اور سب کو کمالات عطا کرنے والا ہے لہٰذا اللہ ہی غنی (بے نیاز) مطلق ہے، باقی سب اس کے محتاج ہیں۔ اس دلیل کی بنا پر کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی مالکیت میں ہے اور وہ اپنے ملک میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے، اس لیے پورے عالم کی تدبیر اور تصرف اسی کا ہے۔ اللہ ہی ہے جس کی تعریف ہوئی ہے وہ اپنے تمام افعال میں ستائش شدہ ہے۔ اللہ کے سارے افعال جمیل و خوبصورت ہیں، ہر فعل جمیل کی تعریف کا اختتام اللہ ہی ہے اور حقیقت میں اللہ کی تعریف ہو رہی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اللہ حمید مطلق ہے۔

وَ لَوْ اَنَّمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: "اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ سب قلم ہو جائیں اور دریا سیاہی اس کے بعد اس دریا میں سات اور دریا سیاہی کے آملیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

اللہ کے کلمات کا شمار

اس آیت میں سات کے عدد کو کثرت بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ خود سات کے عدد میں کوئی انحصار نہیں کہ فقط سات گنا مراد لیا جائے۔ بتایا یہ ہے کہ ایک سمندر ہے، اس سے بڑھ کر کئی گنا ہو جائیں، اور سب سیاہی بن جائیں اور زمین پر موجود تمام درخت قلم بن جائیں اور

اللہ کے کلمات کو لکھنا شروع کر دیں اور انہیں الفاظ میں ڈھال کر ان کی وجودی حیثیت کو بیان کر رہے ہوں تو یقینی امر ہے کہ اس پر کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ اللہ کے کلمات اور مخلوقات لامحدود ہیں،، ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

کلمتہ اللہ

کلمہ: کلمہ سے مراد اللہ کے امر سے وجود کا اضافہ ہونا ہے، جو تمام موجودات پر صادق آتا ہے یعنی ہر موجود اللہ کا کلمہ ہے۔ "کلمہ" ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جو با معنی ہو، اللہ نے جسے وجود عطا کیا ہے وہ ایک معنی پر دلالت کر رہا ہوتا ہے اور وہ یہ بتا رہا ہوتا ہے کہ اس کا خالق ہے، اس کا مصور ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ کہا گیا ہے۔ اللہ کے کلمات میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے جو کہ الفاظ پر مشتمل ہے۔

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ (سورۂ صٰفّٰت، آیت ۱۷۲)

ترجمہ: "بے شک وہی مدد دیے جائیں گے۔"

اس آیت میں اوپر بیان شدہ مطالب کی علت بیان کی گئی ہے کہ اللہ عزیز اور حکیم ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا، وہی زبردست اور غالب ہے لہٰذا یہ سارے درخت قلم ہو جائیں اور سارے پانی سیاہی بن جائیں تو اللہ کے کلمات نہ لکھ سکیں گے اور اللہ کے کلمات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ نیز اللہ حکیم ہے اس بنا پر وہ اپنے عالم کی تدبیر کا معاملہ کسی اور کے سپرد نہیں کرتا۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: "تم سب کا پیدا کرنا اور مرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا، بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔"

معاد کا اثبات

اس آیت میں معاد کے اثبات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس خیال کی نفی کی گئی ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے ؟ کیونکہ مشرکین کہتے تھے کہ جب مرنے والوں کی تعداد بے حساب ہو گی اور یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر خاک ہو جائیں گے تو پھر ان سب مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا کیسے ممکن ہے؟ مشرکین اسے ناممکن خیال کرتے تھے کیونکہ جب سب خاک ہو جائیں گے تو پھر ان مردوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا ہے: تمہارا خلق کرنا اور پھر مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا ایک شخص کو خلق کرنا جیسا ہی ہے کیونکہ کوئی بھی امر خدا کو دوسرے امر سے روکتا نہیں ہے۔ اور تعداد کا بہت زیادہ ہونا اللہ کو عاجز و ناتواں نہیں بناتا کہ وہ انہیں شمار یا جدا جدا نہ کر سکے۔ اللہ کی قدرت ایک شخص کے خلق کرنے پر اور زیادہ تعداد میں خلق کرنے پر ایک ہی ہے۔ اصولی طور پر پہلی خلقت اور پھر دوبارہ خلق کرنا اور مارنے کے بعد دوبارہ واپس اسے وجود میں لانا ان دو حالتوں میں کچھ فرق نہیں ہے کیونکہ اللہ کے فعل میں دشواری اور آسانی والی بات نہیں ہے۔ اللہ کے تمام افعال مساوی ہیں،، سب اموات کو خلق کرنا یا ایک آدمی کو خلق کرنا یہ اللہ کے لیے برابر ہے۔ اللہ کی قدرت کے دائرہ میں ہے اور اس میں کثرت و قلّت کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔ بنابرایں مختلف افردا کی نسبت سے اعمال کی کثرت اس کے حساب رسی میں فرق نہیں کرتا کوئی بھی پوشیدہ امر اس سے مخفی نہیں ہے وہ سب مخلوقات کو انکے اعمال کی نسبت سے جزا دے گا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ’’کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات

میں داخل کرتا ہے اور سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا اور یہ کہ اللہ تمہارے کام سے خبردار ہے۔"

اللہ کی قدرت کے مظاہر

رات کے دن اور دن کے رات میں داخل ہونے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض اوقات رات طولانی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے اس طرح رات دن کے حصہ میں داخل ہو جاتی ہے اور بعض ایام میں دن لمبا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے، اس طرح دن رات کے کچھ حصہ کو لے لیتا ہے۔ یہاں پر شب و روز اور شمس و قمر کے نظام کو بیان کرکے اس امر پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے آگاہ ہے کہ اللہ نے شب و روز کا نظام بنایا ہے۔ شمس و قمر اور مدار میں ان کے اوضاع (وضعی کیفیت) کی تدبیر فرمائی ہے اور مختلف فصول کو وجود میں لایا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اللہ علیم بھی ہے اور قدیر بھی ہے کیونکہ ایسا دقیق نظام ہے جو بغیر علم کے کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ اس لحاظ سے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال سے غافل ہو۔ اگر انسان اپنے اعمال اور نظام بارے دقت کرے تو دیکھے گا کہ اس کے اعمال چند جہات میں تقسیم ہوتے ہیں:

۱۔ **اعمال قُوَای ظاہری:** وہ اعمال جو اس کے قُوَای ظاہری سے انجام پاتے ہیں اور جنہیں حواس پنجگانہ سے درک کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ **اعمال قُوَای باطنیہ:** ادراک اور فعل کی قوت۔

۳۔ **تیسری جہت** یہ بھی ہے کہ انسان کے بعض اعمال ایسے ہیں جن میں اس کے تمام قُوَای کی دخالت ہوتی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں جھوٹ ہے اور اللہ ہی بلند مرتبہ بزرگ ہے۔''

حق اور باطل

ہر چیز کا آغاز اور مبدء اللہ تعالیٰ ہے۔ پورے عالَم کی تدبیر اور ان کا وجود اللہ سے ہے اور آخر میں سب کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے، یعنی ثبوت اللہ کی ذات میں منحصر ہے۔ وجود مطلق، ہستی مطلق اللہ ہی ہے، وہ ہی ثابت ہے، اس کی ذات میں نفی و بطلان کا تصور نہیں ہے۔ اللہ تمام جہات سے ثابت و موجود ہے، اس کا وجود مطلق اور کسی بھی قید و شرط سے مشروط نہیں ہے وہ واجب الوجود ہے اس کا وجود ضروری ہے، عدم اس کے لیے محال ہے، عالَم وجود میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی طرف منسوب ہے۔ تمام وجودی کمالات اسی کی ذات سے قائم ہیں۔ تدبیر کے امر میں کوئی اس کا شریک نہیں، وہی رب ہے، وہی یکتا ہے، اللہ کے سوا تمام موجودات ممکن الوجود ہیں یعنی وہ نہ تھے اور وجود میں آئے۔ ان کا وجود اپنا ذاتی نہیں بلکہ یہ وجود انہیں کسی نے عطا کیا ہے لہٰذا اللہ کو چھوڑ کر جس کو بھی پکارا جائے گا تو وہ باطل ہی ہو گا کیونکہ وہ ثابت نہیں ہے، اس کا وجود ہی نہیں، مشرکین نے جو اپنے لیے فرضی معبود قرار دیئے وہ سب باطل و غیر ثابت ہیں۔ الوہیت اور ربوبیت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے۔ آخر میں اس امر کو بیان کیا ہے کہ اللہ کی شان والا ہے وہ بلند ہے، وہ عظمت کا مالک ہے، ہر اس چیز سے اللہ منزہ ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ ذات کبریائی میں کوئی نقص نہیں، لہٰذ وہ اتمام صفات سلبیہ سے پاک و منزہ ہے۔ لفظ **''کبیر''** سے ہر

وجودی کمال اور ثبوتی صفت کی وسعت کو بیان کیا ہے کہ اللہ واجب الوجود ذات ہے جس میں تمام صفات کمالیہ و ثبوتیہ یکجا موجود ہیں اور اس میں کچھ نقص نہیں، اللہ کے ہاں احتیاج نہیں، کبریائی اسی کی ہے، وہ بلند شان والا، بزرگ اور عظمت والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے فضل سے دریا میں کشتیاں چلتی ہیں تاکہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے، بے شک اس میں ہر ایک صابر شاکر کے لیے نشانیاں ہیں۔''

وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اور جب انہیں سائبانوں کی طرح موج ڈھانک لیتی ہے تو خالص اعتقاد سے اللہ ہی کو پکارتے ہیں، پھر جب انہیں نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو بعض ان میں سے راہِ راست پر رہتے ہیں، اور ہماری نشانیوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بدعہد ناشکر گزار ہیں۔''

اللہ کی نعمت کا کفران

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سمندروں میں چلنے والی کشتیوں کی حرکت کو اپنی نعمت قرار دیا ہے کیونکہ ہواؤں کا چلنا، پانی کا سیال ہونا جامد نہ ہونا اور اجسام کا پانی میں تیرانے کا قانون کشتی کے

پانی کے اوپر چلنے کا سبب ہے۔ اس میں باء سببیت کے معنی میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی نعمت کے سبب اور وسیلہ سے کشتی سمندر میں رواں دواں ہے۔ اس طرح اللہ اپنی قدرت کی نشانیاں نمایاں کرتا ہے لہٰذا اللہ کی اس نعمت کا شکر بجالایا جائے۔ جب سمندر میں کشتی چل رہی ہوتی ہے اور نامناسب حالات کا سامنا ہوتا ہے تو جو لوگ ایسے حالات میں صبر کرتے ہیں اور الٰہی نعمات کے شکرگذار ہیں ان کے لیے تو اس سب ماجرا میں سمجھانے والی نشانیاں موجود ہیں۔[1] آیت میں دو صفات بیان ہوئی ہیں۔ (۱) صبار، (۲) شکور۔ یہ مومنین کی طرف اشارہ ہے کہ صاحبان ایمان کی کشتی جب سمندر میں ناملائم اور غیر مناسب حالات سے دوچار ہو جاتی ہے تو وہ صبر کرتے اور بے حوصلہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی نعمات پانی، ہوا اور کشتی کا تیرنا، ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے شکر بجالاتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا جب دریا میں طوفانی لہریں اُٹھتی ہیں جو بادلوں کی مانند ہوتی ہیں اور کشتی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں اور کشتی میں بیٹھے افراد ایسی حالت کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں تو اس صورتحال میں دین کو اللہ کے لیے خالص قرار دیتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں، لمبی لمبی دعائیں مانگنا شروع کر دیتے ہیں اور اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی فطرت توحید اور اللہ کی ربوبیت پر ہی ہے کیونکہ جب ہر طرف سے ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں تو ایسی حالت میں فقط اللہ ہی سے رابطہ کیا جاتا ہے اور فطرت جاگ اٹھتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کشتی کو کنارے لگا دیتا ہے اور غرق ہونے سے بچا لیتا ہے تو بہت کم ہیں جو فطرت کے توحیدی راستہ پر اور صراط مستقیم پر قائم رہتے ہیں جبکہ اکثریت شرک کی طرف ہی مائل ہو جاتی ہے اور ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں، سازش کرتے ہیں، نعمت کا انکار کرتے ہیں، اپنی نافرمانی پر قائم رہتے ہیں۔

---

[1]۔ تفسیر روُح المعانی، ج۲۱۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ
لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا، اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا، اللہ کا وعدہ سچا ہے پھر دنیا کی زندگی تمہیں دھوکا میں نہ ڈال دے، اور نہ دغا باز تمہیں اللہ سے دھوکہ میں رکھیں۔''

تقویٰ کی دعوت اور قیامت سے خبردار رہنا

پچھلی آیات میں نصائح اور مواعظ بیان کرنے اور کافی مقدار میں عقیدہ توحید و معاد پر دلائل پیش کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام انسانوں کو تقویٰ کی دعوت دی ہے کہ سب اللہ کا تقویٰ اختیار کریں، خود کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچائیں، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بننے والے کام نہ کریں، اللہ کے اوامر کی اطاعت کریں اور اللہ کی نواہی سے خود کو بچائیں اور یہ بھی بتا دیا کہ قیامت کا دن بہت ہی سخت ہوگا، اس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ ہر شخص اپنی ذات میں گم ہوگا، نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا اور نہ ہی بیٹا باپ کے کام آئے گا کوئی بھی دوسرے کے کام نہ آئے گا۔ ہر ایک کو صرف اس کا ایمان اور تقویٰ ہی فائدہ دے سکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس دن مُردوں کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا اور ان کا احتساب ہوگا، یہ برحق ہے اس کے خلاف نہیں ہونا۔ اس سب کا ہونا حتمی ہے لہٰذا دُنیاوی زندگی کی لذات اور خوش گذارنیاں آپ کو دھوکہ نہ دیں، ہوشیار رہیں۔ کوئی دھوکہ دینے والا دُنیاوی چیزوں کو سامنے پیش کرکے تمہیں دھوکہ نہ دے اور تمہیں خدا سے دُور نہ کر دے۔ خاص کر شیطان سے بچنا

کہ جس نے تمام انسانوں کو خدا سے دُور کرنے کی قسم اُٹھا رکھی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے، اور وہی مینہ برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہوتا ہے، اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین پر مرے گا، بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔''

علم الٰہی کے ساتھ خاص امور

چند امور ایسے ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ ان میں چند کو اس آیت میں بیان کیا ہے:۔

۱۔ قیامت کے قائم ہونے کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ اللہ کے سوا اس کے بارے کسی کو خبر نہیں۔ ''اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۚ'' بتحقیق اللہ ہی کے پاس قیامت کے برپا ہونے کا علم ہے۔

۲۔ بارشوں کے اُتارنے کا علم بھی صرف اللہ کے پاس ہے۔

۳۔ جو کچھ ماؤں کے رحم میں ہے کہ اس نطفہ نے کیا بننا ہے، لڑکی یا لڑکا؛ تو اس کا علم بھی فقط اللہ کے پاس ہے۔ البتہ ان دو چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو بھی عطا کر سکتا ہے۔[1]

---

[1] ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان امور کا علم کسی کو عطا کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اختصاصی علوم میں سے نہ ہوگا۔ جیسے آج کل محکمہ موسمیات والے اپنے سائنسی وسائل سے بارش کی پیش گوئی مشاہداتی بنیاد پر کرتے ہیں۔ لیکن اس کا اصل علم اللہ کے پاس ہی ہے کہ کب بارش کے اسباب مکمل کرکے بارش برسانا ہے۔ اسی طرح آج کل طبی ماہرین جدید ترین وسائل کے ذریعہ یہ بتا

۴۔انسان کے مستقبل کے بارے مکمل آگہی بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کچھ علوم جیسے علم الاعداد، علم النجوم، علم رمل وغیرہ کے ذریعہ انسان کے مستقبل کے بارے کچھ ناقص معلومات تو حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کسی کو نہیں پتہ کہ اس نے کل کیا کمائی کرنا ہے، کل اس کے ساتھ کیا ہوگا؟ ظاہری قرائن واسباب سے کچھ نہ کچھ سمجھا جاسکتا ہے لیکن تمام تر وسائل واسباب کے مہیا ہونے کے باوجود سب کچھ الٹ بھی ہوسکتا ہے، جو سوچا تھا وہ نہیں ہوتا۔ اس بارے امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے پختہ فیصلوں اور حتمی ارادوں کے ٹوٹ جانے سے اللہ کی معرفت حاصل کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی غیبی ذات ہے جس کے ہاتھ میں سب امور ہیں۔ اسباب کی تاثیر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

۵۔انسان کی موت کی خبر بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ اس نے کب اور کس سرزمین پر مرنا ہے۔

آخری دو امور کو بیان کرکے اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ اللہ ہی ہے جو ہر چھوٹے بڑے امر کا علم رکھتا ہے، قیامت کے علم سے لے کر بندوں کے حالات اور ان کے اقوال و بیانات تک کا علم اللہ کے پاس ہے جبکہ انسان آنے والے حوادث و واقعات سے بے خبر ہے۔ اگر انسان کو غیب کی خبر ہوتی تو تمام خیرات کو اپنی طرف کھینچ کر لے آتا اور تمام ناخوشگوار اور ناپسندیدہ امور کو اپنے سے دُور کر دیتا لیکن دُنیا کا نظام زندگی الٰہی بنیاد پر قائم ہے کہ بعض معاملات انسان

سکتے ہیں کہ رحم مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی یہ بھی اس مرحلہ پر ہے جب بچہ رحم میں تشکیل پا جاتا ہے لیکن نطفہ کیسا ہے؟ لڑکی بنانے والا یا لڑکا بنانے والا، اس کا علم اللہ کے سپاس ہے۔ (مترجم)

پر روشن وظاہر ہیں جبکہ بعض اُمور اس سے پوشیدہ و مخفی ہیں۔ یہ اس لیے کہ آزمائش اور الٰہی امتحان کا نظام درست ہو اور امتحان کے بعد اس کا انجام اور محضر حق میں پہنچ کر اس کا نتیجہ لینے کا عمل انجام پا سکے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور اس کا علم مطلق ہے اور انسان کا علم ناقص ہے اور اس کا علم جزئیات سے متعلق ہے۔ لہٰذا انسانوں کو چاہیے کہ وہ فقط اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کے اوامر کی پیروی کریں اور اللہ کی دعوت سے منہ نہ موڑیں۔ ایسی صورت میں یہ لوگ خود کو ہلاکت و بربادی میں ڈال دیں گے۔

سورۃُ السجدۃ

(مکی۔آیات 30)

اس سورت کے مطالب

مبدء و معاد کا بیان، مبدء و معاد پر دلائل، معاد کے متعلق شبہات کا جواب، نبوت و رسالت اور کتاب کے نزول کا بیان، مومن اور فاسق کی جدائی، مومنین و صالحین کے لیے جنت اور

مجرمین کے لیے جہنم کا وعدہ اور دیگر اخلاقی مسائل کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾

ترجمہ: ''الف، لام، میم''

(الف، لام، میم) حروف مقطعات میں سے ہیں۔ یہ حروف قرآن کے معجزہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ حروف تہجی وہی حروف ہیں جنہیں تمام عرب زبان استعمال کرتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے لیے شاہکار کلام تیار کرتے ہیں۔ ان ہی حروف سے بے مثال کتاب تیار ہوئی ہے جس کا بدل کوئی نہیں لاسکتا۔ پیغمبر اکرم ﷺ مخالفین کی زبانیں بند کرنے کے لیے ان حروف مقطعات کو پیش کرتے تھے۔ ان حروف سے اس سورہ میں موجود مطالب کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ ان سے اللہ کے اسرار و رموز مراد ہیں جن کا علم رسول ﷺ اور ان کے اوصیاء کے پاس ہے۔

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کتاب جہان کے پالنے والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔''

قرآن الٰہی کتاب

اس آیت میں بیان کیا گیا کہ یہی حروف تہجی ہی ہیں جن سے یہ کلام تیار ہوا ہے۔ ان ہی حروف سے اس کتاب کے تمام بیانات تیار ہوئے ہیں جس میں شک نہیں ہونا چاہیے کہ یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے نازل ہوئی ہے۔ اس عبارت میں براعت استھلال [1] کا استعمال کیا گیا

[1]۔ یہ علم معانی و بیان و بلاغت کی اصطلاح ہے۔

ہے تاکہ اس سورہ کے آغاز میں قاری کو یہ سمجھا دیا جائے کہ اس سورہ میں اللہ کی وحدانیت اور معاد بارے گفتگو ہونی ہے کہ اللہ ہی پورے عوالم کا رب ہے، سب کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے، اللہ ہی صاحب تدبیر ہے، جتنے جہاں ہیں، جتنے عوالم ہیں سب کی تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اللہ مشرکین کی بات سے بری و منزہ ہے کہ انہوں نے اس عالم کے ہر حصہ کے لیے جداگانہ رب قرار دیا ہوا ہے۔ اس میں بتادیا کہ رب العالمین بس ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے اور اسی اللہ نے یہ کتاب قرآن نازل فرمائی ہے جسے حروف تہجی سے ہی بنایا گیا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳

ترجمہ: ''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود بنائی ہے، بلکہ یہ سچی کتاب تیرے رب کی طرف سے ہے تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ پر آئیں۔''

قرآن کے متعلق کافروں کا خیال

کفار اور مشرکین قرآن کے متعلق یہ خیال کرتے تھے کہ یہ کلام اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اسے یا تو محمد ﷺ نے خود سے تیار کیا ہے یا تو جنات نے یہ کلام ان کو القاء کیا ہے یا گذشتہ زمانوں کے قصہ و کہانیوں کو جمع کرکے انہوں نے اسے کتابی شکل دی ہے۔ ان کی یہ بات اللہ پر افتراء ہے اور وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کا جواب دیا ہے کہ مشرکین اور کفار کا خیال باطل ہے۔ قرآن حق ہے، حقیقت ہے، اور تیرے پروردگار کی طرف سے اُترا ہے۔ تاکہ آپ اس جماعت کو اللہ کا کلام پڑھ کر سنائیں اور

موت کے بعد کے حالات سے انہیں آگاہ کریں جن کے پاس آپ سے پہلے نہ تو کوئی شریعت آئی اور نہ ہی ان کے درمیان سے کوئی ان کے پاس ڈرانے والا آیا۔ تاکہ آپ ان کو دعوت حق نہ ماننے کی وجہ سے ملنے والے عذاب سے ڈرائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح ہدایت پا جائیں اور گمراہی سے بچ جائیں۔ احتمال ہے کہ اس جماعت اور قوم سے مراد قریش ہوں کیونکہ ان کے پاس اس سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا۔[1] بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے **"فترت"** کے عرصہ میں موجود لوگ مراد ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آپؐ تک کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا۔[2] لیکن یہ نظریہ مقبول نہیں ہے کیونکہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی اپنی قوم ہی مراد ہے اور وہ قریش ہی ہیں۔

"لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ" اس جملہ میں آرزو اور اُمید کا اظہار ہوا ہے۔ ان لوگوں کے ہدایت پا جانے کی اُمید، مخاطبین کے حوالے سے ہے نہ کہ متکلم کی جانب سے کیونکہ بات تو اللہ کر رہا ہے، اللہ کو تو علم ہے کس نے ہدایت پانا ہے اور کس نے نہیں پانی۔ اللہ تو جہل سے منزہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تبلیغ کے نتیجہ میں مخاطبین ہدایت پا سکتے ہیں اور یہ اُمید پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۴

ترجمہ: "اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے چھ روز میں

---

[1] ۔ تفسیر کشاف، ج ۳۔

[2] ۔ تفسیر فخر رازی، ج ۲۵۔

بنایا پھر عرش پر قائم ہوا، تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ سفارشی، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔"

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞

ترجمہ: "وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر کام کی تدبیر کرتا ہے پھر اس دن بھی جس کی مقدار تمہاری گنتی سے ہزار برس ہوگی وہ انتظام اس کی طرف پلٹے گا۔"

عالم کی خلقت اور انسان کے اعمال

اللہ تعالیٰ نے عالَم مشہود کو چھ دن میں خلق کیا ہے۔ ہم بیان کر آئے کہ یوم سے مراد ایک مرحلہ ہے کہ اللہ نے پورے عالَم کو چھ مرحلوں میں خلق فرمایا ہے۔[1] اس عالَم کو اللہ تعالیٰ ہی عدم سے وجود میں لے آیا پھر اس کے امور کی تدبیر کو انجام دیا اور ہر ایک کو اس طرح قرار دے دیا جو اس کے وجودی افادیت کا تقاضا ہے۔

عرش سے مراد

عرش تمام موجودات کی تدبیر سے کنایہ ہے۔ اس سے تمام موجودات کو ایک عمومی نظام کے تحت لے آنا اور بلا وقفہ پورے عالَم پر تسلط اور اقتدار حاصل کرنا مراد ہے۔ " اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ " یعنی اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں پورا عالم ہے، عالَم کو خَلق کرنے کے بعد اس نے سب کی تدبیر کر دی اور اپنے اختیار میں اس کا قرار لے لیا۔ اس کلام سے توحید الوہی اور ربوبی کو ثابت کر دیا ہے۔

---

[1]۔ اس کے متعلق تفصیلی بیان سورہ اعراف کی آیت ۵۴، سورہ یونس آیت ۳، سورہ ھود آیت ۷ میں گزر چکا ہے۔ (مصحح)

اللہ ہی ولی اور شفیع

اللہ ہی سب کا سرپرست ہے۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کا سرپرست نہیں ہے اور نہ کوئی کسی کا شفیع ہے۔ شفاعت کا مالک بھی اللہ ہے۔ ولی ایسے مالک کو کہا جاتا ہے جس کے اختیار میں کسی امر کی تدبیر ہو۔ اس اعتبار سے کہ ہمارے تمام امور، سارے معاملات اور ہماری زندگانی کے تمام حالات و کیفیات اللہ کی ذات سے وابستہ ہیں، وہی ہمارا مدبر اور ولی ہے اس امر میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ شفیع وہ ہوتا ہے جو ناقص سبب کے ساتھ ملتا ہے تاکہ اس کے نقص کو پورا کردے اور اس کی تاثیر مکمل ہوسکے۔ اس طرح پورے عالم میں جتنے اسباب ہیں یہ سب ایک دوسرے کے شفیع ہیں کہ جب ایک سبب میں نقص ہو تو دوسرا اسے پورا کر رہا ہے۔ خشک لکڑی خود بخود جلانے کا کام نہیں کرتی اس پر آگ لگائیں گے تو وہ آگ پکڑے گی، پانی خود بخود پیاس نہیں بجھائے گا، اسے پیا جائے گا تو پیاس بجھائے گا۔ اس طرح پانی سبب ہے، بجلی خود بخود روشنی نہیں دے گی اس کو کچھ مراحل سے گزاریں گے تو روشنی دے گی، جب بلب لگائیں گے، تار کا استعمال کریں گے، مرکز سے جوڑیں گے، بٹن آن کریں گے تو بجلی روشنی دے گی۔ اسی طرح ہوا بادل، بارش، روشنی، آفتاب، مہتاب، سایہ، دھوپ سب ایک دوسرے کے شفیع ہیں۔ جو نباتات پر اپنے اثرات چھوڑتے ہیں۔ اس طرح اگر شرائط پوری نہ ہوں تو نہ گھاس اُگے گی، نہ سبزہ وجود میں آئے گا اور نہ ہی اجناس تیار ہوں گے۔ سب اسباب کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا حقیقی شفیع اللہ ہے، اللہ کے سوا کوئی شفیع نہیں ہے۔

پھر اللہ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم متذکر کیوں نہیں ہوتے؟ اتنے سارے عقلی دلائل موجود ہیں جو تمہارے لیے اللہ کی مالکیت اور تدبیر کو بیان کر رہے ہیں بتا رہے ہیں کہ معبود برحق و یکتا صرف اللہ ہے۔ تم کیوں اس سے روگردانی کرتے ہو؟ پھر موجودات کی تدبیر کو بیان کیا گیا ہے۔ "تدبیر" دَبّر سے ہے جس کا معنی پیچھا اور عقب کا ہے۔ تدبیر کا معنی

ہے ایک چیز کو دوسری چیز کے پیچھے قرار دینا۔ اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حوادث کے وجود کو ایک زنجیر کے حلقہ کی طرح ایک کو دوسرے کے پیچھے قرار دیتا ہے اور ایک کو دوسرے سے متصل و مربوط قرار دیتا ہے۔ آسمان اور زمین کے درمیان اتصال ہے، آسمان اور زمین کے درمیان جتنے موجودات ہیں ان کے درمیان اتصال ہے وہ اس حال میں ان امور کی تدبیر کرتا ہے کہ اسے نازل کرنے والا بھی وہی ہے۔ سرانجام ہر ایک نے اللہ کی طرف پلٹنا ہے۔ سماء سے مراد اوپر والی جہت نہیں کہ جو عالم مادی کا ایک حصہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عروج بھی اس کی جانب ہے جہاں سے امور نیچے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس تدبیر کو ایک مدت اور عرصہ میں انجام دیا ہے اگر اس کا حساب زمینی حوادث اور نظام حرکت سے کیا جائے تو ایک ہزار سال کے برابر بنتا ہے۔ عُروج امر کے دن سے ''قیامت کے پچاس مواقف میں سے'' ایک موقف مراد ہے۔ اللہ ہی حقیقت کو جانتا ہے بہر حال ہر شئی اللہ کے اختیار اور اسی کی قدرت کے تحت ہے وہ واحد و یکتا ہے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ﴿٦﴾

ترجمہ: ''وہی چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا زبردست مہربان ہے۔''

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ﴿٧﴾

ترجمہ: ''جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔''

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ﴿٨﴾

ترجمہ: ''پھر اس کی اولاد نچڑے ہوئے حقیر پانی سے بنائی۔''

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٩﴾

ترجمہ: ''پھر اس کے اعضا درست کیے اور اس میں اپنی روح پھونکی، اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنایا، تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو۔''

اللہ کا علمی احاطہ

پچھلی آیات میں اللہ کے اوصاف اور افعال کا تذکرہ کیا گیا اور بیان ہوا کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو مطلق علم رکھتا ہے (علی الاطلاق عالِم ہے) غیب و شہود کے جتنے عوالم ہیں ان سب پر اس کا علم احاطہ کیے ہوئے ہے۔ عالَم شہود و غیب ہمارے حوالے سے ہے وگرنہ اللہ کا علم مطلق ہے۔ اس کے لیے کچھ بھی غیب نہیں ہے، اس کے سامنے سب کچھ حاضر ہے۔ اس کے لیے سب عالَم شہود ہے۔ اور وہ ایسا عزت مند ہے کہ کوئی بھی اس پر غالب نہیں وہ ہر شئی پر غالب ہے۔ عزت صرف اسی کے لیے ہے۔ وہ مہربان ہے کہ اپنی تمام مخلوقات پر رحمت کی نظر ڈالتا ہے سب کے لیے مہربان ہے اور انہیں ہدایت دیتا ہے۔

مخلوقات کی بہترین صورت میں خلقت

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کو بہترین صورت میں بنایا ہے۔ اللہ کی خلقت مضبوط ہے جس کو خلق کیا ہے اسے خوبصورت بھی بنایا ہے۔ ہر وہ چیز جس کو دیکھ کر سرور ملے تو اس کو حَسَن کہا جاتا ہے۔ اللہ نے ہر شئی کو اچھا بنایا ہے، ایسا بنایا ہے کہ انہیں دیکھ کر انسان خوشی محسوس کرتا ہے اور مسرور ہوتا ہے۔ حَسَن بعض اوقات عقلی لحاظ سے ہے بعض اوقات نفسانی خواہشات کے اعتبار سے ہے اور بعض دفعہ حَسَن حسی و محسوسات ہوتا ہے۔ حَسَن کی حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کے جتنے اجزاء ہیں ان کا آپس میں رابطہ ہو، سارے اجزاء جس غرض کے لیے ہیں اس سے مناسبت رکھتے ہوں۔ اس غرض سے باہر نہ ہو، اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ موافق اور مناسب ہوں، ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوں اور تمام اجزاء اس طرح ہوں کہ کمال تک پہنچانے کے لیے جو وسائل درکار ہیں وہ مہیا ہوں اور اس چیز سے جو سعادت

مطلوب ہے اس کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں کہ اس سے کامل تر اور بہتر نہیں ہو سکتا ہو لہٰذا موجودات میں سے ہر ایک فی نفسہ اور اپنی ذات کے لیے حَسَنْ اور اچھا ہے۔ اگر ہم کسی موجود کو برا یا ناپسند قرار دیتے ہیں تو اس کے دو سبب ہیں: ۱۔ اس میں کوئی ایسا عنوان موجود ہو جو برائی اور ناپسندیدگی کا سبب بنے جیسے ظلم اس لحاظ سے برا ہے کہ وہ کسی حق کو معدوم یا باطل کرتا ہے۔ ۲۔ بعض اوقات کوئی موجود اس لحاظ سے برا ہو سکتا ہے کہ جب اس موجود کا دوسرے موجودات سے تقابل کیا جاتا ہے۔ اس تقابل سے برائی یا ناپسندیدگی اس موجود کی جانب آتی ہے جیسے کانٹے کی نسبت جب پھول کی طرف دی جائے تو کانٹا برا ہے اور پھول اچھا ہے لیکن خود کانٹا اپنی ذات میں حَسَنْ ہے اس میں کچھ کمی نہیں ہے جو اس کے لیے ہونی چاہیے۔ اسی طرح پھول فی نفسہ اور اپنی ذات میں اچھا ہے۔ لہٰذا تمام اشیاء اور سارے موجودات کو جب خود ان کی اپنی ذات کے حوالے سے دیکھیں گے تو ان میں حُسَن ہے اور وہ اچھے ہیں۔

انسان کی خلقت

تمام موجودات کی خلقت کے حُسَن ہونے کی بات کرنے کے بعد انسان کی خلقت کا تذکرہ ہوا ہے اور اس بارے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو گیلی مٹی سے (گوندھی ہوئی مٹی) سے خلق کیا ہے۔ یعنی ابوالبشر حضرت آدم اور ان کی زوجہ حضرت حوا کو گیلی مٹی سے خلق کیا ہے۔ پھر انسان کی نسل کے بارے بیان کیا کہ ہم نے انسان کی نسل کو معمولی پانی کے قطرہ سے خلق کیا ہے۔ ایسا معمولی قطرہ جو کہ نجس، پست اور حقیر تھا، اس جگہ آدم کی ذریت اور اولاد کی حقیقت کا بتایا ہے کہ انہیں نطفہ سے خلق کیا گیا ہے۔ پھر اسے شکل و صورت دی، اسے کامل بنایا، جنین کی خلقت کی تکمیل کے بعد اس میں رُوح ڈالی گئی۔ رُوح

کی نسبت اللہ کی طرف دی گئی ہے، اس میں روح کی شرافت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے ایک شریف روح اور اپنی طرف منسوب مخلوق کو انسان کے وجود میں ڈال دیا ہے۔ پھر اے انسان تمہارے لیے کان، آنکھ، دل قرار دیا، آنکھ اور کان سے مراد حسی ادراکات ہیں۔ قلب و دل سے فکری ادراکات مراد ہیں جو تمام جزئی، خیالی اور تمام کلی اور عقلی ادراکات کو شامل ہے۔ آخر میں بتایا کہ شکر بجالانے والے بہت کم ہیں، یعنی ان الٰہی نعمات کے مقابلے میں انسان کا شکر بہت کم ہے، حالانکہ اس نے اے انسان تیری اس طرح پرورش کی ہے، تجھے اتنی ساری نعمات سے نوازا ہے، حیات کی نعمت دی ہے تجھے بہت زیادہ شاکر ہونا چاہیے، تم شکر بجا لانے میں کوتاہی کرتے ہو۔ یہ بات گلایہ کے انداز میں ہے اور ایک طرح سے انسان کی توبیخ ہے۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ ءَاِنَّا لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۬ؕ بَلۡ هُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں کہ ہم جب زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے، بلکہ وہ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں۔''

منکرین قیامت

منکرین قیامت اپنے مدعی پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے وہ فقط یہ کہتے ہیں کہ ایسا ہونا بعید ہے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اس حوالے سے کہتے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہمارا بدن خاک میں مل جائے گا اور اس کے اجزاء زمین میں پھیل جائیں گے اور دوسرے اجزاء کے ساتھ گم جائیں گے اور ناقابل شناخت ہو گئے اور پتہ نہ چلے کہ کون سا جز کس کا ہے؟ تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ دوبارہ خلق ہوں اور پہلی صورت میں واپس آجائیں اور دوبارہ مبعوث

ہوں ؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کے انکار کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں، ان کے اس نظریہ کا لازمہ ہے کہ وہ حیات بعد از مرگ کا انکار کریں۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ''کہہ دو تمہاری جان موت کا وہ فرشتہ قبض کرے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔''

ملک الموت کا کام

''توفی'' کسی چیز کو مکمل اور پوری طرح سے وصول کرنے کے معنی میں ہے۔ جب کسی کو کچھ دیا جائے اور اس سے پورا پورا واپس لیا جائے تو اس کو کہتے ہیں کہ اس نے ''توفی'' پورا واپس لے لیا۔ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو بتا دیں کہ موت نابودی نہیں۔ ملک الموت کو تمہیں مارنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ تمہیں بغیر اس کے کہ تمہاری کوئی چیز کم ہو پوری طور پر لے لیتا ہے۔ وہ تمہاری ارواح کو تمہارے ابدان سے جدا کرتا ہے، جو چیز تبدیل ہوئی ہے تو وہ تمہارا بدن ہوتا ہے۔ آخر کار تم سب اللہ کے پاس پلٹائے جاؤ گے اور یہ رُوح دوبارہ تمہارے ابدان میں لوٹائی جائے گی۔[1]

[1] ۔ معالم الزلفی کتاب میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے صحیح روایات میں نقل ہوا ہے کہ انسان کے بدن میں ریڑھ کی ہڈی میں جو جوڑ ہیں، ان میں ایک حصہ موجود ہے جو انسان کی طینت اور بنیادی حصہ کو تشکیل دیتا ہے کہ انسان کی نشو و نما کی ابتداء رحم مادر میں اسی طینت سے ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد بدن کے سارے اجزاء خاک میں بوسیدہ ہو جاتے ہیں لیکن وہ طینت باقی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت مطلقہ سے انسان کو دوبارہ اسی مرکزی نقطہ سے خلق کرے گا۔ (مصحح)

وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: ''اور اگر جب توں دیکھے کہ جس وقت منکر اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے، اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ اور سن لیا اب ہمیں پھر بھیج دے کہ اچھے کام کریں ہمیں یقین آ گیا ہے۔''

قیامت میں اللہ کی ملاقات کا انکار کرنیوالوں کا حال

اللہ تعالیٰ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کے ارشاد فرمارہا ہے مجرموں اور گناہگاروں کی اس وقت کیا حالت ہو گی جب آپ ان کو دیکھو گے کہ وہ اللہ کے سامنے حاضر ہو چکے ہیں، سر جھکائے ہوئے ہیں۔ الٰہی ملاقات کے مواقف میں سے ایک موقف میں کھڑے ہوں گے، بہت ہی بیچارگی کا منظر ہو گا۔ ذلت وندامت اور پشیمانی کے عالم میں کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنی دونوں آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا ہے اور اپنے دونوں کانوں سے سب کچھ سن لیا ہے ہم تسلیم ہوئے اور سب کو مان لیا ہے۔ لہٰذا آپ ہمیں واپس پلٹا دیں، ایک دفعہ دُنیا میں چلے جائیں تو وہاں اعمال صالحہ بجالائیں گے۔ اب ہمارے لیے یقین حاصل ہو گیا ہے۔ لیکن یہ درخواست ایک ایسے امر بارے ہے جس کا پورا ہونا ممکن نہیں، وہ ہرگز دُنیا کی طرف واپس پلٹ کر نہ آئیں گے۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت پر لے آتے لیکن ہماری بات پوری ہو

کر رہی کہ ہم جنوں اور آدمیوں سے جہنم بھر کر رہیں گے۔"

ہدایت کا اختیار اللہ کے پاس

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو سارے کافروں کو مومنوں کی طرح ہدایت دے دیتے۔ لیکن ہم نے مومن اور کافر میں سے ہر ایک کو وہی دیتے ہیں جو اس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے تاکہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے ہدایت کی طرف جائیں۔ کیونکہ اگر ہدایت اجباری ہوتی تو اس صورت میں دنیا میں ذمہ داریاں دینا اور پھر آخرت میں احتساب کرنے کا قانون سب باطل اور بے فائدہ ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ایسا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس بارے تو ہم نے ہدایت کے ذرائع بتا دیئے ہیں ہر شخص اپنے اختیار سے ہدایت پر آئے یا گمراہ ہو جائے۔ یہ ہمارا فیصلہ ہے کہ انسانوں پر ذمہ داریاں عائد کی جائیں۔ انہیں مکلّف بنایا جائے اسے آزمائش سے گزارا جائے اور پھر اس لحاظ سے اس کا احتساب کیا جائے، نافرمانی پر سزا دی جائے اور اطاعت پر اجر و ثواب دیا جائے اور یہ فیصلہ حتمی ہے کہ انسانوں اور جنات سے جو بھی بغاوت اور مخالفت کریں گے، ہمارے اوامر و نواہی کی مخالفت کریں گے تو انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: "تو اب اس کا مزہ چکھو کہ تم اپنے اس دن کے آنے کو بھول گئے تھے، ہم نے تمہیں بھلا دیا، اور اپنے کیے کے بدلہ میں ہمیشہ کا عذاب چکھو۔"

قیامت کا دن بھلانے کا انجام

اللہ تعالیٰ نے کافروں اور فاسقوں کے بارے بتا دیا کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس آیت میں بیان

کیا ہے کہ دُنیا میں بتایا گیا تھا کہ قیامت کا دن آئے گا اور اللہ سے ملاقات کا دن ضرور آئے گا لیکن انہوں نے دُنیا میں رہ کر اس اہم دن کو بھلا دیا اور کہتے رہے کہ ایسا دن نہیں آئے گا۔ اب جبکہ یہ دن آگیا ہے تو کل دنیا میں تم لوگوں نے اس دن کو بھلا دیا تھا تو آج تمہیں بھلا دیا جائے گا۔ تمہارے اعمال کا نتیجہ آج کے دن تمہیں ملے گا۔ تمہیں جہنم کے عذاب کا مزہ چکھنا ہے کیونکہ تم نے آج کے دن کے لیے نیک اعمال انجام نہیں دیئے لہٰذا آج سعادت اور نجات تمہارے لیے نہیں اور تمہارے بارے کچھ توجہ نہ دی جائے گی تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے اور تم نے اس عذاب میں ہمیشہ رہنا ہے۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ السجدۃ

ترجمہ: ''بس ہماری آیتوں پر وہ ایمان لاتے ہیں کہ جب انہیں وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔''

مومنین کی خصوصیات

اس آیت میں مومنوں کی خصوصیات کو بیان کیا جارہا ہے کہ ہماری آیات پر وہی ایمان لاتے ہیں جنہیں جب عذاب سے ڈرایا جاتا ہے انہیں یاد دہانی کروائی جاتی ہے، ان کے سامنے مواعظ ونصائح پر مشتمل بیانات پیش ہوتے ہیں تو وہ یہ سب کچھ سن کر اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں، اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، اللہ کی الوہیت و ربوبیت کے سامنے خضوع و خشوع کرتے ہیں، تکبر نہیں کرتے، عمل کے لحاظ سے خود کو اللہ کے سامنے جھکاتے ہیں، ان میں ذرا برابر غرور نہیں ہے۔ مومنین کی خصوصیات میں سے اللہ کے احکام کی بجاآوری میں خاضع و خاشع ہونا

ہے۔

تَتَجَافٰى جُنُوۡبُهُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ''اپنے بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے گئے مال میں سے کچھ خرچ بھی کرتے ہیں۔''

یہ آیت بھی پچھلی آیت سے مربوط ہے۔ کیونکہ پچھلی آیت میں مومنین کے بعض اعمال اور اوصاف بیان ہوئے۔ اس آیت میں اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے استراحت اور آرام کے بستروں کو چھوڑتے ہیں اور نیند سے اُٹھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں، رات کی تاریکی میں اللہ سے راز و نیاز کرتے ہیں، ان کے دل میں اللہ کے غضب و ناراضگی کا خوف ہوتا ہے اور وہ اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں، اپنی دعا کو عبودیت کے آداب کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ رات کے وقت اللہ کو پکارنے سے مراد رات میں نماز تہجد پڑھنا ہے۔ مومنین کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رزق و روزی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''پھر کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے عمل کے بدلہ میں ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے، یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔''

اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ ۞۱۸

ترجمہ: ''کیا مومن اس کے برابر ہے جو نافرمان ہو، برابر نہیں ہو سکتے۔''

نیک اور برے اعمال کا بدلہ

اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال انجام دینے والوں کے لیے اپنے انعامات قرار دیئے ہیں جن کو دیکھ کر مومنین کی آنکھوں کو سرور ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات بہت زیادہ ہیں جس سے اس وقت کوئی آگاہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ نیک اعمال انجام دینے والے مومنین بے عمل اور معصیت کاروں کے مانند نہیں ہو سکتے۔ مومن جب ایمان لاتا ہے تو اس کا ایمان اسے پابند بنا دیتا ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور اللہ کی معصیت سے خود کو بچائے۔ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد اطاعت نہ کرے اور ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تو اسے فاسق کہا جاتا ہے۔ فسق کا معنی ہے باہر نکل جانا۔ بندگی کی روش سے نکل جانے کو فسق کیا گیا ہے۔ روش بندگی پر قائم رہنے والے اور بندگی کی روش سے باہر نکل جانے والے برابر نہیں ہیں۔

امام حسنؑ کا احتجاج

کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت امام حسن علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے معاویہ کی موجودگی میں ولید بن عقبہ سے اس طرح احتجاج کیا: آپؑ نے فرمایا: اے ولید میں اللہ کی قسم اُٹھا کر کہتا ہوں کہ میں اس لحاظ سے تیری مذمت و ملامت نہیں کرتا کہ تو علی امیر المومنین علیہ السلام سے دشمنی رکھتا ہے کیونکہ حضرت علی علیہ السلام نے شراب پینے پر تجھے اسی (۸۰) کوڑے مارے تھے اور تیرے باپ کو جنگ بدر میں بدترین شکل میں ہلاک کیا تھا۔ میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دس آیات میں حضرت علی علیہ السلام کو مومن کہا ہے

اور تجھے فاسق کہا ہے۔ اور پھر یہ آیت پڑھی کہ "کیا مومن اور فاسق ایک جیسے ہیں؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے"۔ یہ امر واضح ہے کہ مومن جو اپنے ایمان کے تقاضا کو پورا کر رہا ہے اور جو ایمان لانے کے بعد فسق کرتا ہے اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔

اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰی ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: "سو وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کی مہمانی میں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں، ان کاموں کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے"

وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا وَ قِیۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: "اور جنہوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا آگ ہے، جب وہاں سے نکلنے کا ارداہ کریں گے تو اس میں پھر لوٹا دیے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا آگ کا وہ عذاب چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔"

مومنوں اور فاسقوں کا انجام

نیک اعمال بجالانے والے مومنین کی قیامت کے دن اچھی پذیرائی ہو گی۔ انہیں ہر عطیہ سے نوازا جائے گا، بڑے انعامات دیئے جائیں گے۔ یہ سب ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا۔ اور جو لوگ فاسق ہیں، جنہوں نے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کیے، معاد کا انکار کیا تو قیامت کے دن

ایسے افراد کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ مجرم جہنم سے باہر نکلنے کے لیے کنارے پر آئیں گے تو انہیں فرشتے جو جہنم کے کنارے پر مامور ہیں انہیں واپس آگ میں دھکیل دیں گے اور ان سے کہیں گے کہ تم دنیا میں قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے، جہنم کے وجود کا انکار کرتے تھے تو جس جہنم کا انکار کرتے تھے اب اس میں موجود ہو۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا، اب تم آتش جہنم کا مزہ چکھو۔ تمہیں آج دنیا میں مومنوں کا مذاق اڑانے کی سزا دی گئی ہے۔

وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: ”اور ہم انہیں قریب کا عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھائیں گے تاکہ وہ باز آجائیں۔“

دُنیاوی عذاب

گناہگاروں سے کہا جارہا ہے کہ اللہ کا عذاب قریبی عذاب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دُنیا میں جو سختیاں آتی ہیں جیسے وبائی بیماری، قحط، زلزلہ، سیلاب، باہمی جنگ وجدال، دنیا میں یہ سب ایک طرح کی سزا ہے۔ اسے عذاب ادنی کہا گیا ہے کہ جس کا معنی ہے قریب ترین اور نزدیک ترین عذاب۔ اس سے دُنیاوی عذاب مراد ہے۔ قیامت کے دن دیئے جانے والے عذاب کو عذاب اکبر کہا گیا ہے۔ دُنیا میں اس لیے عذاب دیا جاتا ہے تاکہ انسان متوجہ ہو جائے اور اللہ کی جانب واپس آجائے کیونکہ دُنیا میں جو سختیاں آتی ہیں ان کی بنیاد پر اگر کوئی جاگ جاتا ہے اور توبہ کر لیتا ہے اور نیک بن جاتا ہے تو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا لیکن آخرت کے

عذاب سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ اس مقام پر معذرت بھی قبول نہ ہو گی اور نہ ہی عذاب میں کمی واقع ہو گی لہٰذا دُنیا میں عذاب ادنی مومنوں کے گناہوں کا کفارہ ہے اور ان کے گناہوں سے طہارت کا وسیلہ بھی ہے۔

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اس کے رب کی آیتوں سے سمجھایا جائے پھر وہ ان سے منہ موڑے، ہمیں تو گنہگاروں سے بدلہ لینا ہے۔“

سب سے بڑا ظالم

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہیں سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے جن کے پاس اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں اور آیات آتی ہیں، وہ ان آیات کی روشنی میں ایمان لانے کی بجائے ان آیات کو جھٹلاتے ہیں، ان سے رُخ موڑ لیتے ہیں، یاد دہانی سے کچھ اثر نہیں لیتے۔ ایسے افراد مجرم اور گناہگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ہم ان سے اس مذاق اڑانے اور آیات کا انکار کرنے کا انتقام لیں گے۔ وہ ظالم ہیں، ظالم ہر گز یہ خیال نہ کرے کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائے گا“۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ وعدہ دیا ہے کہ وہ ان ظالموں کے بارے یہ نہ سوچیں کہ شاید یہ الٰہی سزا سے بچ جائیں گے۔[1]

---

[1] - وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ (سورۂ روم آیت ۴۷) ”ہمارے اوپر یہ بات ثابت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مومنوں کی مدد کرتا ہے“۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی پھر آپ اس کے ملنے میں شک نہ کریں، اور ہم نے ہی اسے بنی اسرائیل کے لیے راہ نما بنایا تھا۔''

موسیٰؑ کی قوم پر اللہ کا احسان

جس طرح رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی عنایت ہوئی کہ انہیں قرآن جیسی کتاب عطا کی گئی، اللہ فرمارہا ہے کہ ہم نے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر مہربانی کی اور انہیں کتاب توریت عطا کی۔ توریت بنی اسرائیل کے لیے کتاب ہدایت قرار دی گئی۔ آپ کی اے رسولؐ موسیٰؑ سے ملاقات ہوگی، اس بارے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا ''لِّقَآئِهٖ'' کی ضمیر ''ھا'' موسیٰ علیہ السلام کی طرف پلٹتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ شب معراج میں آپؐ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔[1] دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے روز قیامت کی ملاقات مراد ہے۔[2] بعض نے کہا ہے کہ یہ ضمیر کتاب کی طرف پلٹتی ہے۔[3] کہ اس کتاب کے ملنے بارے شک نہ کریں یعنی توریت بھی آپ کو ملے گی۔

لیکن ہمارا (صاحب المیزان) نظریہ یہ ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف پلٹتی ہے اس صورت میں معنی اس طرح ہوگا کہ اے رسول ﷺ قرآن میں جو معاد کا تذکرہ ہے اور اللہ کی ملاقات کا ذکر موجود ہے تو اس بارے شک میں نہ رہیں کیونکہ اگر اس ملاقات بارے شک ہوا تو پھر پوری

---

[1]۔ تفسیر رُوح المعانی جلد ۲۱۔

[2]۔ تفسیر رازی فخر رازی، جلد ۲۵۔

[3]۔ تفسیر کشاف، جلد ۳۔

کتاب بارے شک ہوگا۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ روزِ بعث اللہ سے ملاقات مراد نہ ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہو کہ جب قرآن نازل ہو رہا ہوتا ہے تو اس وقت اللہ کی طرف توجہ رہے اور دل کو غیر خدا سے منقطع کر دو۔ یہ معنی بعض روایات میں بھی نقل ہوا ہے کہ جب وحی اُتر رہی ہو تو اللہ سے بات ہو رہی ہوتی ہے جو کہ اللہ کی ملاقات کی بمنزلہ ہے تو اس میں شک نہ کریں۔ (واللہ العالم)

وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے جب انہوں نے صبر کیا تھا، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے۔''

ہدایت دینے والے ائمہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بیان کی ہے کہ بنی اسرائیل سے ہم نے کچھ افراد کو پیشوا او رہنما بنایا، ان کی ذمہ داری قرار دی کہ وہ لوگوں کو ہمارے امر کی ہدایت دیں۔ ان ائمہ کی خصوصیات یہ تھیں کہ وہ دین کے سلسلہ میں آنے والی مشکلات پر صبر کرنے والے تھے اور پہلے سے ہماری آیات بارے یقین رکھتے تھے اور ان آیات کی حقیقت پر انہیں یقین تھا۔ کتاب توریت بابرکت کتاب تھی، وہ فی نفسہ ہدایت تھی کہ اس کتاب نے اپنے دامان میں بہت سارے افراد کو تربیت دی، اور وہ اس مقام پر پہنچ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں امامت کا منصب عطا کر دیا۔ اس سے مراد تبلیغی پیغمبر ہیں جن پر وحی تو نہیں آتی اور وہ صاحب شریعت نہیں ہوتے لیکن صاحب شریعت رسول کی شریعت کی طرف دعوت دے رہے ہوتے تھے۔ ان کی لیاقت تھی کہ اللہ نے انہیں امامت اور پیشوائی کا فریضہ سپرد کر دیا۔ اس سے یہ امر بھی واضح

ہوا کہ امامت کا عہدہ اللہ کی عطا ہے، یہ عوامی عہدہ نہیں کہ لوگ کسی کو الٰہی دین کی دعوت دینے کا امام مقرر کریں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''بے شک تیرا رب ہی قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا جس بات میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

دین کے امر میں اختلاف کا فیصلہ

دُنیا میں ان لوگوں نے دین کے امر میں اختلاف کیا جن کے پاس اللہ کی جانب سے علم آیا، ہدایت آئی، واضح دلائل آئے لیکن ظلم و زیادتی اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر انہوں نے دین کے بارے اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ'' (سورہ جاثیہ، آیت: ۱۷)

ترجمہ: ''پھر انہوں نے اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد صرف آپس کی ضد سے''

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ دے گا۔

اَوَ لَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''کیا انھیں اس سے بھی راہنمائی نہ ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتیں ہلاک کر دی ہیں جن کے گھروں میں یہ چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں، پھر کیا وہ سنتے بھی نہیں۔''

سابقہ اقوام کی ہلاکت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا حوالہ دیا ہے کہ گذشتہ ادوار میں کتنی اقوام گزری ہیں جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور دعوت حق کو ٹھکرایا توان کے ظلم وزیادتی پر انہیں ہلاک کر دیا گیا اور ان کی آبادیاں ختم ہو گئیں۔ اب یہ لوگ ان کی ویران شدہ زمینوں اور ویران رہائش گاہوں سے گزرتے ہیں۔ ان آثار قدیمہ میں تذکر و یاددہانی ہے لیکن یہ لوگ (اس سے مشرکین مکہ اور دیگر کافر مراد ہیں) ان سے عبرت نہیں لیتے لہٰذا وہ ہدایت نہیں پاتے اور حق کو قبول نہیں کرتے۔ اس میں انہیں تنبیہ بھی ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: ”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف رواں کرکے اس سے کھیتی نکالتے ہیں جس سے ان کے چار پائے اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، پھر کیا وہ دیکھتے نہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی حُسنِ تدبیر

اس آیت میں الٰہی تدبیر کی عمدگی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں زندہ موجودات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح بادلوں سے پانی برساتا ہے اور جب پانی زمین پر اُترتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک جگہ نہیں رہتا بلکہ غیر آباد زمینوں میں رواں دواں ہوتا ہے اور زمین میں رچ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں زمین پر کھیتی باڑی کا امکان پیدا ہوتا ہے، گھاس اُگتی ہے، فصلیں لگتی ہیں، باغات تیار ہوتے ہیں، ہر قسم کی غذائی اجناس بوئی جاتی ہے، پھر جو کچھ زمین پر تیار ہوتا ہے اس سے انسانوں کی غذا تیار ہوتی ہے جس سے انسان کی زندگی کا انتظام ہوتا ہے

۔اس کے علاوہ جن حیوانات سے انسان استفادہ کرتا ہے وہ بھی زمین سے اگنے والی سے اشیاء سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جن کے گوشت کو استعمال میں لاتے ہیں، جن کے اون و بالوں سے لباس بناتے ہیں ان سب حیوانات کی غذا بھی اسی زمین سے تیار ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ کی ہے کہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ تم اس سب کچھ سے درس نہیں لیتے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہوگا۔''

قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِیْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ''کہہ دو کہ فیصلہ کے دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔''

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ انْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: ''سو ان سے کنارہ کر اور انتظار کر، وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔''

فتح وکامرانی کا دن

فتح تالے کے کھل جانے یا کسی مشکل کے حل ہو جانے کے معنی میں ہے۔ اس آیت میں دُنیاوی فتح و کامرانی کا منظر مراد ہے کہ جس کا مومنوں کو وعدہ دیا گیا تھا۔ یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ اس سے جنگ بدر کی فتح یا فتح مکہ مراد ہو۔ تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مکمل کامیابی ہو جس نے آخری زمانہ میں وقوع پذیر ہونا ہے۔ بعد والی آیت کو مد نظر رکھتے ہوئے

اس سے مراد قیامت سے پہلے آخری زمانہ کی فتح و کامیابی مراد ہو سکتی ہے جب پوری روئے زمین پر اللہ کی حکومت ہو گی، کافروں، منافقوں اور ملحدوں کا خاتمہ ہو گا۔ مشرکین مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور تمسخر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ جس فتح کا تمہیں وعدہ دیا جارہا ہے وہ کب ہو گی؟ تم تو ذلیل و خوار ہو۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ تم تو ابھی بھی عاجز ہو فتح تمہیں کیوں نہیں مل رہی؟ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دستور دیا کہ ان مشرکین کو جواب دیں کہ کافر اس دن ایمان لانے پر مجبور ہوں گے لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا انہیں فائدہ نہ دے گا انہیں بالکل مہلت نہیں دی جائے گی اور وہ اس دن اپنے اعمال کی سزا سے نہ بچ سکیں گے۔ لہٰذا اے مشرکو! تم جلدی میں کیوں ہو؟ کیونکہ تمہاری ہلاکت تو حتمی اور یقینی امر ہے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان کافروں سے رُخ موڑ لیں اور آخری فتح کے انتظار میں رہیں اور ان سے کہیں وہ بھی اپنی کامیابی کا انتظار کریں۔ کفار سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ رحلت فرمائیں گے یا قتل ہو جائیں گے تو اس کے بعد یہ دعوت حقہ ختم ہو جائے گی۔ اے رسولؐ آپ مطمئن رہیں، ناکامی ان کے لیے ہے، یہ دعوت حق پر ہے اس نے باقی رہنا ہے اور اس دعوت نے پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ آپ کی فتح و کامرانی حتمی ہے، اور دین نے ضرور محقق ہونا ہے۔ ان کافروں کو بچنے کی جگہ نہ ملے گی۔ جنگ بدر میں کافروں کو جس ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا وہ بھی آپ کے اعلان کی حقانیت پر دلیل تھا۔ اسی طرح فتح مکہ نے کافروں کی تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا اور آخری فتح بھی اسی طرح ضرور متحقق ہو گی جس طرح جنگ بدر اور فتح مکہ متحقق ہوئی اور کافروں کو ہزیمت اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

سورۃُ الاحزاب

(مدنی۔ آیات 73)

اس سورت کے مطالب

مومنوں اور منافقوں کے درمیان امتیازی خصوصیات، جہاد کا بیان، ازواج پیغمبرؐ کا تذکرہ، اہل البیت علیہم السلام سے متعلق تقویٰ، احسان، اعمال صالحہ، کافروں اور منافقوں کے بارے احکام۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَ لَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: ''اے نبی اللہ سے ڈر اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مان، بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

جنگ اُحد کے بعد قریش کے بڑوں کی تجویز

بیان ہوا کہ جنگ اُحد کے بعد قریش کے بڑوں سے چند افراد مدینہ میں آئے اور رسول اللہؐ کو تجویز دی کہ آپ ہماری بت پرستی سے سروکار نہ رکھیں اور ہم آپ کی یکتاپرستی اور توحید بارے کچھ نہ کہیں گے، آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور ہم آپ کو اپنے حال پر چھوڑتے ہیں۔ آپ اپنے دین پر چلیں اور ہم اپنے دین پر، تو یہ واضح آیات نازل ہوئیں جس میں رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی تجویز کو رد کر دینے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست کو ٹھکرا دیا اور اس آیت کے آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ اللہ ہی ان کی نیتوں سے آگاہ ہے اور یہ کہ اس درخواست کے رد کرنے کے کیا اثرات ہوں گے اس سے بھی آگاہ ہے اللہ حکیم و دانا ہے، اس کے تمام احکام مصلحت و حکمت کے تحت ہوتے ہیں۔

اسی کے ساتھ منافقوں کے بارے بھی فرمادیا کہ یہ لوگ بھی آکر بعض تجاویز پیش کریں گے یا قریش مکہ کی تجویز قبول کرنے کی بات کریں گے اور اپنی ہمدردی کا اظہار کریں گے کہ ایسا کرنے سے یہ فوائد حاصل ہوں گے تو آپ کو ان کی باتیں ماننے کی ضرورت نہیں اور پریشان بھی نہیں ہونا؛ اللہ ان کے بارے آگاہ ہے اور اللہ حکیم ہے۔

وَّ اتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: ''اور اس کی تابعداری کر جو تیرے رب کی طرف سے تیری طرف بھیجا گیا ہے، بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔''

وَّ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۳﴾

ترجمہ: ''اور اللہ پر بھروسہ کر اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔''

اللہ کے فرمان کی اتباع

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو واضح حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ جو کچھ آپ کو وحی کیا جاتا ہے آپ اسی پر عمل کریں۔ البتہ اس آیت کو پہلی آیت کے سیاق میں دیکھا جائے تو اس میں تاکید ہے کہ کافروں اور منافقوں کے بارے جو کچھ کہا گیا ہے اسی پر ہی عمل کرو۔ اس لحاظ سے یہ پہلے حکم بارے مزید تاکید ہے اور ساتھ فرمادیا کہ آپؐ جو کچھ بھی انجام دیتے ہیں اللہ اس سے آگاہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر آپؐ نے عمل کرنا ہے اللہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اللہ کے علم میں ہے کہ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں کیا، کیا ہے۔

اللہ پر توکل کا حکم

کافروں اور منافقوں کی درخواست کو کلی طور پر ٹھکرا دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی کہ آپ اپنے تمام امور میں اللہ پر بھروسہ و اعتماد کریں اگرچہ اللہ پر توکل کرنے کا حکم مطلق ہے لیکن سابقہ آیات کے ضمن میں اس آیت کا مضمون یہ ہوگا کہ کافروں کی درخواست رد کر دینے کی بنا پر احتمالات، خطرات سے مقابلہ کرنے کے لیے اللہ پر اعتماد کرو۔ اللہ ہی بہترین سہارا ہے۔ جس کا سہارا خدا ہو اسے کسی قسم کی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ سب امور سے آگاہ بھی ہے اور ان کے بارے جو بہتر ہے اسے انجام دینے پر قادر بھی ہے۔ اللہ ہی کو تمام امور میں اپنے معاملات کا وکیل قرار دو، اللہ ہی کافی ہے۔ اللہ کے ہوتے ہوئے کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝۴

ترجمہ: ''اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے، اور نہ اللہ نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں بنایا ہے، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے، یہ تمہارے منہ کی بات ہے، اور اللہ سچ فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے۔''

حقیقی ماں اور حقیقی اولاد کے بارے

اس آیت میں ایک اہم مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلی بات **ظہار** سے متعلق ہے۔ **''ظہار''** کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی سے کہے کہ تیری پشت میری ماں کی مانند ہے۔ اس سے وہ بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ البتہ وہ کفارہ ادا کرکے اسے اپنے اوپر حلال کر سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس بات سے وہ بیوی اس کی ماں بن جاتی ہے اور ماں والے احکام اس پر جاری ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم **ظہار** کرتے ہو تمہاری ماں نہیں بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ امکان نہیں کہ اللہ دو متناقض اعتقادات کو ایک قرار دے۔ جو دو عقیدے ہیں تو وہ دو ہی رہیں گے جب دو میں تناقض ہے، اختلاف ہے، تنافی اور منافات ہے تو وہ پھر ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟

ظہار اور منہ بولا بیٹا

عربوں میں رائج تھا کہ جب کوئی اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تیری پشت میری ماں کی مانند ہے تو پھر وہ اس پر اپنی ماں والے احکام جاری کرتے۔ اسی طرح جب کوئی کسی کے بارے اعلان کر دیتا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو پھر اس پر اولاد والے احکام جاری کرتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نظریات کو رد کر دیا۔

پہلی بات یہ کہ **ظہار** کی وجہ سے ایک عورت میں زوجیت اور ماں کے عنوان کا جمع ہونا یہ دونوں آپس میں متناقض اور متنافی امور ہیں، یہ ایک نہیں ہو سکتے، زبان سے کہنے سے زوجہ ماں نہیں بن جاتی۔

دوسری بات یہ کہ کسی کو اپنا بیٹا بنا لینے سے وہ اس شخص کا حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا۔ فقط زبان سے کہہ دینے سے وہ انسان کا اصلی بیٹا نہیں بن جاتا۔ ہمارے خیال میں اس آیت میں پچھلی آیات میں بیان شدہ حکم کی علت بیان کی گئی ہے۔ پچھلی آیات میں بیان ہوا کہ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہیں کی جانی چاہیے، اس آیت میں اس کی دلیل بیان کی جارہی ہے کہ بت پرستی اور توحید پرستی دو متناقض اور ایک دوسرے کے منافی عقیدے ہیں، یہ اکٹھے کیسے ہو سکتے ہیں؟ کہ اللہ کی ولایت کو مانا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی ولایت کو بھی قبول کر لیا جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا جس طرح ایک بدن میں دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح توحید اور شرک کا عقیدہ باہم جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

اسلام نے ظِہار کے مسئلہ کے متعلق واضح کر دیا کہ انسان کی بیوی ظِہار کی وجہ سے ہرگز اس کی ماں نہیں ہو سکتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یا تو ظِہار کرنے والا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے یا ظِہار کا کفارہ ادا کرے اور ناحق بات کرنے کا کفارہ دینے کے بعد اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہو گی۔

اسی طرح منہ بولا بیٹا بھی حکم شرعی کے اعتبار سے صلبی بیٹا کی مانند نہیں ہے اور اس پر وراثت کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں میں یہ رسم تھی کہ وہ جو زبان پر جاری

کرتے تھے اسے حقیقت مانتے تھے لیکن زبان سے کہی گئی بات کسی شئی کی واقعیت واصلیت کو نہیں بدل سکتی۔ اللہ تعالیٰ جو کہتا ہے وہ حق و حقیقت پر مبنی ہے اور واقعیت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو انسان کے لیے اس راستہ کی ہدایت و راہنمائی دیتا ہے جس میں انسان کی سعادت اور خوش بختی ہوتی ہے لہٰذا اپنی باتوں کو چھوڑو، جو اللہ کی بات ہے اسے اپناؤ کہ وہ حقیقت پر مبنی ہے۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۵

ترجمہ: ''انہیں ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارو اللہ کے ہاں یہی پورا انصاف ہے، سو اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں، اور تمہیں اس میں بھول چوک ہو جائے تو تم پر کچھ گناہ نہیں لیکن وہ جو تم دل کے ارادہ سے کرو، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

منہ بولے بیٹے

اس آیت میں منہ بولے بیٹے کے متعلق واضح حکم دیا گیا ہے کہ جن کو آپ نے اپنا بیٹا بنایا ہے انہیں ان کے باپ کے نام سے پکارو۔ ان سے ان کے باپ کی نفی نہ کرو یہ بات اللہ کے ہاں انصاف کے زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس کے کہ تم انہیں ان کے باپ کے علاوہ کسی اور کے حوالے سے پکارو۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لڑکے جن کے باپ کا علم نہیں ہے تو ان کے بارے کیا کیا جائے تو اس بارے فرمادیا کہ انہیں اپنا دینی بھائی قرار دو یا پھر وہ آپ کے دوست ہیں جو آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن اگر غلطی سے یا بھول کر انہیں ان کے باپ کے علاوہ

کسی اور سے نسبت دے دو تو اس پر تمہارے اوپر کفارہ نہیں ہے لیکن اگر آپ جان بوجھ کر ایسا کرو گے اور اس کے باپ کی بجائے کسی دوسرے سے اس کی نسبت دو گے تو پھر تم گناہگار ہو گے البتہ اللہ کیونکہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور ان کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے تو وہ اس طرح تمہاری خطاؤں کی تلافی فرما دیتا ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾

ترجمہ: ”نبی مسلمانوں کے معاملہ میں ان سے بھی زیادہ دخل دینے کا حقدار ہے، اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں، اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ سلوک کرنا چاہو، یہ بات لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔“

رسول اللہؐ کا مومنین سے تعلق

رسول اللہ ﷺ مومنین پر بالادست ہیں، بلکہ مومنین کو اپنی ذات پر جو اختیار حاصل ہے اس سے زیادہ مومنین کے مال و جان پر رسول اللہ ﷺ کا اختیار ہے لہٰذا مومنین کو چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حقوق اور ان کے منافع و مفادات کو اپنے حقوق و منافع اور مفادات پر مقدم رکھیں۔ رسول خدا ﷺ تمام دینی اور دُنیاوی معاملات میں مومنین پر تقدم رکھتے ہیں۔

رسول اللہؐ کی ازواج کا حکم

رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے بارے فرمایا کہ وہ مومنوں کی مائیں ہیں، ان کا اپنی ماؤں جیسا احترام کریں۔ مومنوں پر رسول خدا ﷺ کی ازواج سے شادی کرنا حرام ہے البتہ ماں کے دوسرے تمام احکام ازواج پیامبر پر جاری نہ ہوں گے جیسے مال کی وراثت۔

رشتہ داروں کے بارے حکم

انسان کے نسبی اور سببی رشتہ دار وراثت کے احکام میں دوسروں پر مقدم ہیں۔ انہیں باقی مومنین پر ترجیح دی جائے گی۔ یہ حکم دینی ولایت اور برادری میں وارث بننے کے قانون کو منسوخ کر رہا ہے کیونکہ اس حکم سے پہلے دینی برادر ایک دوسرے سے ارث لیتے تھے۔ اس عمومی حکم سے ایک چیز کو استثناء کیا گیا ہے کہ اگر کوئی وصیت کرے تو اسلام میں انسان اپنے مال میں سے تیسرا حصہ کے متعلق وصیت کر سکتا ہے۔ وصیت زیادہ سے زیادہ کل مال کا تیسرا حصہ ہو سکتی ہے، اس سے کمتر مقدار بارے وصیت کی جائے تو بہتر ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کے لیے ایسی وصیت کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس صورت میں پہلے میت کے ترکہ سے تیسرا حصہ یا جتنی مقدار وصیت کی ہے اسے علیحدہ کیا جائے گا پھر باقی مال کو ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ وصیت کے عمل کو احسان اور نیکی سے تعبیر کیا گیا ہے کہ ایسا کرنا ایک اچھا عمل ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا حکم کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کتاب سے یا تو لوح محفوظ مراد ہے، یا قرآن کریم یا وہ سورہ مراد ہے جس میں یہ حکم بیان ہوا ہے۔

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَهُمۡ وَ مِنۡكَ وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ۪ وَ اَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ۙ﴿۷﴾

ترجمہ: "اور جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور

موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے بھی، اور ان سے ہم نے پکا عہد لیا تھا۔"

پیغمبروں سے میثاق

اللہ تعالیٰ نے جن ذوات مقدسہ کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے انتخاب کیا ہے اس آیت میں ان کے متعلق یہ بتایا ہے کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کو ذمہ داری سونپنے سے پہلے عہد و پیمان لیا۔ یہ عہد و پیمان اس عمومی میثاق کے علاوہ ہے جو عالم ذر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید و خالقیت و مالکیت کے بارے سب سے لیا تھا۔ اسی طرح کا بیان سورہ انبیا کی آیت ۹۲ اور سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳ میں بھی آیا۔[1]

انبیاء سے میثاق

ان تمام بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میثاق سے مراد دین کی بات کا ایک ہونا، دینی وحدت ہے اور یہ کہ سب نبیوں کو ایک ہی پروگرام دیا گیا ہے اور اس بارے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تمام نبیوں کا حوالہ دیا کہ سب سے عہد و پیمان لیا ہے۔ پھر پانچ بڑے اور اولوالعزم پیغمبروں کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے۔ باقی پیغمبروں سے رسول اکرم ﷺ کا نام پہلے ذکر کرکے ان کی فضیلت و برتری کو بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا کہ یہ پیمان ڈھیلا ڈھالا نہ تھا بلکہ ایک مستحکم و مضبوط پیمان لیا گیا کہ سب اس پر کار بند رہیں۔

---

[1] اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ "بتحقیق یہ تمہاری اُمت جو کہ ایک ہی ہے پس تم سب میری عبادت کرو"۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ "تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور اسی راستہ کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا، کہ اسی دین پر قائم رہو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا"۔

اس سے واضح ہوا کہ اللہ کا دین ایک ہے، سارے انبیاء اسی ایک دین کی دعوت دیتے رہے ہیں کوئی بھی دین کے معاملے پر دوسرے نبی سے مختلف نہیں ہے، ہر ایک نے اپنے اپنے زمانہ میں اس دور کے تقاضوں کے مطابق دین کو بیان کیا، بعد والے نبی نے پہلے والے نبی کی تائید کی اور جو کچھ اس نے بیان نہیں کیا اسے مزید بیان کیا اور اس طرح حضور پاک ﷺ پر آکر دین مکمل ہو گیا۔

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸

ترجمہ: ”تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا حال دریافت کرے، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔“

سچوں کی بازپرس

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صادقین سے پوچھا جائے گا کہ وہ جس سچائی پر تھے تو کیا اُنہوں نے اپنی اس باطنی سچائی کا اظہار کیا اور مقام عمل میں اسی سچ کے مطابق عمل کیا یا اس سلسلہ میں سستی سے کام لیا؟ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ انبیاء سے میثاق لیا گیا تو ان سے سوال بھی ہو گا کہ انہوں نے اس میثاق کے مطابق عمل کیا جو کہ سچائی سے عبارت ہے؟ کافروں کے بارے میں بتا دیا گیا کہ وہ اس میثاق میں نہ تھے بلکہ انہوں نے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیا۔ ان کی حمایت نہ کی اس لیے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر ہوا جب تم پر کئی لشکر چڑھ آئے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور وہ لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا، اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ دیکھ رہا تھا۔''

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝١٠

ترجمہ: ''جب وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر کی طرف اور نیچے کی طرف سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔''

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝١١

ترجمہ: ''اس موقع پر ایماندار آزمائے گئے اور سخت ہلا دیے گئے۔''

جنگ خندق کے بارے بیان

ان آیات میں جنگ خندق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس جنگ میں تمام شیطانی جماعتیں اکٹھی ہو گئیں اور انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ اسی وجہ سے اسے جنگ احزاب کہا گیا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے علاوہ جتنے گروپ اور پارٹیاں تھیں وہ سب اسلام کے خلاف جمع ہو گئیں اور اسلامی حکومت کے خاتمہ کے لیے ایکا کرکے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا دفاع کرنے کے لیے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے خندق کھود دی۔ خندق کی وجہ سے کفار پیش قدمی نہ کر سکے۔ البتہ ان کا ایک بڑا بہادر نامی گرامی شجاع دلیر عمرو بن عبدو خندق کو عبور کرکے اندر

آگیا اور اس نے آواز دی کہ کون ہے جو میرے مقابلہ میں آئے؟ اصحاب پیغمبرؐ پر سکوت طاری تھا، حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے بالآخر حضرت علی علیہ السلام کو بڑی شان سے تیار کیا اور فرمایا کہ "پورے کا پورا ایمان (علیؑ کے وجود میں) پورے کے پورے کفر (عمرو بن عبدو کی صورت میں) مقابلہ کے لیے چلا ہے"۔ علی علیہ السلام کو فتح و کامرانی ملی۔ اس فتح پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ تمغہ دیا کہ:

"ضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین"

"عمرو بن عبدو کو قتل کرنے کے لیے علی علیہ السلام کی تلوار کی ایک ضربت ثقلین (جن و انس) کی عبادت سے افضل و اشرف ہے۔"

اس جنگ میں مسلمانوں کے لیے ظاہری صورتحال پریشان کن تھی اس لیے دفاعی لحاظ سے خندق کھودی گئی لیکن پھر بھی مسلمان انتہائی پریشان تھے، آنکھیں حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی، دن گزر رہے تھے اور اللہ کی نصرت کے متعلق دلوں میں شکوک و شبہات آنے شروع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس وقت کو یاد کرو جب تم جہالت میں تھے تو ہم نے تمہیں ایمان کی نعمت سے نوازا۔ اب بھی منافق و بیمار دل یہ سوچ رہے ہیں کہ اب کافروں کا غلبہ ہوگا اور مسلمان نابود ہو جائیں گے اور زمانہ جاہلیت لوٹ آئے گا۔ بعض نے تو یہ بھی کہا کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے نصرت کا جھوٹا وعدہ دیا ہے۔ اس طرح وہ دھوکہ میں آگئے اور اللہ کے بارے باطل خیالات اپنے دلوں میں لے آئے۔ مومنین کے لیے بہت ہی سخت امتحان تھا، اس دوران اللہ تعالیٰ نے ایسی افواج سے ان کی مدد کی جسے لوگ دیکھ نہیں سکتے تھے، اس میں ایک تو سخت آندھی کا چلنا بھی شامل تھا اور حضرت علی علیہ السلام کے ذریعے **عمرو بن عبدود** کو قتل کر کے فتح کا آغاز کر دیا، جسے مسلمان نہ سمجھ سکے اور انتہائی گھبراہٹ میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت میں اس بارے مزید تفصیل بیان کی ہے۔

وَ اِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲﴾

ترجمہ: "اور جب کہ منافق اور جن کے دلوں میں شک تھا کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا صرف دھوکا ہی تھا۔"

وَ اِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ یٰۤاَہۡلَ یَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمۡ فَارۡجِعُوۡا ۚ وَ یَسۡتَاۡذِنُ فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمُ النَّبِیَّ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ بُیُوۡتَنَا عَوۡرَۃٌ ؕ وَ مَا ہِیَ بِعَوۡرَۃٍ ۚ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

ترجمہ: "اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی اے مدینہ والو! تمہارے لیے ٹھہرنے کا موقع نہیں سو لوٹ چلو، اور ان میں سے کچھ لوگ نبی سے رخصت مانگنے لگے کہنے لگے کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں، اور حالانکہ وہ اکیلے نہ تھے، وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔"

منافقین کا رویہ

اس آیت میں منافقوں کا رویہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے کافروں کے لشکر کی کثرت کو دیکھا اور اپنی بے بسی انہیں نظر آئی کہ ہماری تعداد تو بہت کم ہے، اسلحہ بھی ویسا نہیں ہے تو بہت ہی گھبرا گئے اور انہوں نے یہ نعرہ بلند کر دیا کہ اے یثرب والو واپس چلو، تمہارے لیے اب کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ حالات بہت برے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے فتح و نصرت کے متعلق جو وعدہ دیا تھا وہ جھوٹ اور فریب ہے۔ کچھ افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں کوئی چار دیواری نہیں، ان کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں، آپ اجازت دیجئے کہ ہم جائیں اور اپنے گھروں کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں ایسا نہیں ہے ان کے گھر محفوظ ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ دشمن سے ڈر گئے ہیں اور جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا وعدہ جس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ تھا کہ اس دین نے تمام ادیان پر غلبہ حاصل کرنا ہے تو یہ کہنے لگے اب تو کافر آگئے ہیں، اتنا بڑا لشکر ہے وہ ہمارے اوپر غالب آجائیں گے اور ہمارا تیا پانچا کر دیں گے لیکن ان دل کے اندھوں کو پتہ نہیں تھا کہ اللہ قادر مطلق ہے، ہر شئی اس کے اختیار میں ہے اور اللہ ایسے انداز سے اسلام اور مومنین کی مدد کرے گا جسے انہوں نے سوچا تک نہیں تھا۔

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾

ترجمہ: ''اور اگر کسی طرف سے کوئی ان پر گھس آتا پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاتی تو فساد پر آمادہ ہو جاتے اور دیر نہ کرتے مگر بہت ہی کم۔''

وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾

ترجمہ: ''حالانکہ اس سے پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے، اور اللہ سے عہد کرنے کی بازپرس ہوگی۔''

منافقین کے بہانے

وہ لوگ جو اپنے گھروں کو واپس جانے کے لیے رسول اللہ سے اجازت مانگ رہے تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ہیں۔ حالانکہ اگر وہ گھروں میں موجود ہوں اور مشرکین ان کے پاس آجائیں اور ان سے کہیں کہ تم اس دین کو چھوڑ دو تو بلا فاصلہ یہ لوگ دین چھوڑ کر ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ ان میں سے بہت تھوڑے ایسے ہیں جو دین پر قائم رہیں گے، ان کی اکثریت ایسی ہے جو دین میں ثابت قدم نہیں ہیں۔ یہ اس وقت تک دین پر قائم رہتے ہیں جب تک ان کے مفادات اور منافع خطرہ میں نہ پڑ جائیں جبکہ خطرات میں یہ دین کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے اس سے پہلے عہد و پیمان باندھا تھا کہ وہ اسلام اور اللہ کے فرمان پر رہیں گے اور دین کو نہیں چھوڑیں گے۔ بہر حال الٰہی عہد و پیمان کے بارے ضرور سوال ہوگا جیسا کہ شروع میں فرمایا کہ سب واقعات آزمائش ہیں تاکہ سچوں کا سچ معلوم ہو جائے اور پیچھے رہ جانے والے جھوٹے اور گمراہ افراد کے بارے بھی معلوم ہو جائے۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ”کہہ دو اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اس وقت سوائے تھوڑے دنوں کے نفع نہیں اٹھاؤ گے۔“

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”کہہ دو کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے، اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔“

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآىٕلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَ لَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ: ''بتحقیق اللہ تم میں سے روکنے والوں کو جانتا ہے اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ، اور لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں۔''

فراریوں کے بارے بیان

ان آیات میں مختلف بہانوں سے جنگ سے فرار کرنے والوں کے حوالے سے گفتگو ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ ان سے کہہ دو:

ا۔ تمہارا یہاں سے فرار کرنا تمہیں فائدہ نہ دے گا۔ تم خود کو موت سے بچانا چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ جنگ میں مارے نہ جاؤ، تمہیں معلوم رہے کہ موت ہر شخص کے لیے حتمی ہے، اس کا وقت معین ہے، اس نے ہر صورت آنا ہے اس سے کوئی فرار نہیں کر سکتا۔ اگر چند دن زندہ رہو بھی تو موت نے تو آجانا ہے۔ جنگ سے فرار تمہاری موت کو مؤخر کرنے میں مددگار نہ ہوگا۔

۲۔ خیر و شر اور فائدہ و نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اللہ تمہیں نقصان دینا چاہے تو کوئی طاقت تم سے اس نقصان کو ٹال نہیں سکتی اور اگر تمہیں فائدہ دینا چاہے تو کوئی طاقت اس فائدے کو تم سے روک نہیں سکتی۔ یہ سب اللہ کا اختیار ہے کسی اور کا نہیں۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا ہے جسے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ انسان اپنے معاملہ کو اللہ کے سپرد کردے، اللہ پر توکل رکھتے ہوئے آرام و سکون سے رہے، اللہ کے امر میں ثابت قدم رہے کیونکہ اللہ کے سوا کسی کے لیے کوئی بھی یار و سرپرست نہیں ہے۔

۳۔ اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو خود بھی جنگ کے لیے نہیں آنا چاہتے اور دوسروں کو بھی

جنگ کے لیے آنے سے روکتے ہیں، اللہ پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ وہ اپنے ایمانی بھائیوں سے کہتے ہیں تم ہمارے پاس آجاؤ اور جنگ پر نہ جاؤ۔ ان میں سے بہت تھوڑے ہی ہیں جو جنگ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس آیت میں واضح کہا گیا ہے کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ تمہارے ارادے، منصوبے اور تمہاری سازشوں کا اللہ کو علم نہیں ہے۔ اللہ سب کچھ سے جانتا ہے۔

اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ‌ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ‌ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ‌ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ۝١٩

ترجمہ: ''تم سے ہمدردی کرتے ہوئے، پھر جب ڈر کا وقت آجائے تو تو انہیں دیکھے گا کہ تیری طرف دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں پھرتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی آئے، پھر جب ڈر جاتا رہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنہ دیتے ہیں مال کے لالچی ہیں، یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیے، اور یہ بات اللہ پر بالکل آسان ہے۔''

جنگ سے فراریوں کی حالت

اس آیت میں جنگ سے فرار ہونے والوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ یہ لوگ حقیقت میں اپنی جان سے بہت پیار کرتے ہیں اور آپ کے راستہ میں، جو دین کا راستہ ہے اپنی جان دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ خوف وخطرہ کے وقت ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ خوف کے مارے ایسے لگ رہے ہوتے ہیں جیسے نیم بے ہوشی میں ہوں۔ ان کی آنکھوں کے ڈھیلے باہر آنے کو

ہوتے ہیں، بدن کانپ رہا ہوتا ہے، ایسے لگتا ہے جیسے جانکنی کی حالت میں ہوں کہ ابھی ان کی جان نکلے گی۔ خوف کے مارے ان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں لیکن جیسے ہی خطرہ ٹل جاتا ہے تو بے خوف ہو جاتے ہیں۔ حالات معمول کے مطابق ہو جائیں تو پھر جو فتح و کامرانی آپ کو ملی ہے اس سے پریشان ہوتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کاش ان کو یہ سب کچھ نہ ملتا۔ ان کی زبان چلنا شروع ہو جاتی ہے، آپؐ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں، اپنے لیے بہت کچھ چاہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے لوگ مومن نہیں ہیں، ایمان ان کے دلوں میں آیا ہی نہیں، اگرچہ زبان سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ جب ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال کو حبط کر دیا اور ان کا کچھ ثواب انہیں نہ ملے گا۔ یہ اللہ کے لیے آسان ہے کہ وہ ہر ایک کے دل میں موجود تمام رازوں سے واقف ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۟ؒ (۲۰)

ترجمہ: ”خیال کرتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں، اور اگر فوجیں آ جائیں تو آرزو کریں کہ کاش ہم باہر گاؤں میں جا رہیں تمہاری خبریں پوچھا کریں، اور اگر تم میں بھی رہیں تو بہت ہی کم لڑیں۔“

منافقوں کے خوف کی حالت

منافقین اس قدر مشرکین سے خوفزدہ تھے کہ وہ سوچ رہے تھے کہ مشرکین اگر سامنے نہیں تو

بیابان میں ہی موجود ہوں گے۔[1] وہ چاہتے ہیں کہ اگر مشرکین دوبارہ مسلمانوں پر چڑھائی کرنے آجائیں گے تو وہ مدینہ سے نکل کر بیابان میں جا کر ٹھہر جائیں اور وہاں سے مسلمانوں کے بارے معلومات لیتے رہیں۔ اگر فرض کریں کہ یہ لوگ صحرا میں نہ جائیں، مسلمانوں کے ساتھ مدینہ ہی میں موجود رہیں تو آپ لوگ دیکھو گے کہ ان میں سوائے تھوڑی تعداد کے کوئی بھی جہاد کے لیے حاضر نہ ہو گا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا موجود رہنا انہیں کوئی زیادہ فائدہ نہ دے گا کیونکہ انہوں نے کوئی قابل توجہ خدمت انجام نہیں دینی۔ جنگ احزاب کے دوران منافقوں کی یہ حالت رہی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

ترجمہ: ”البتہ تمہارے لیے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔“

رسول اللہؐ کی پیروی کا حکم

اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عملی انداز، ان کی روش اور ان کی بہترین سیرت کو اپناؤ۔ یہ بات ان کے لیے ہے جو اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ہے اور یہ اُمید رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ انہیں اچھا بدلہ عطا فرمائے گا ۔ مومنوں کی یہ شان ہے کہ وہ اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرتے ہیں۔ مومنوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے

[1]۔ اس جنگ کو جنگ احزاب اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس جنگ میں سارے قبائل رسول خدا ﷺ کے خلاف متحد ہوئے تھے اور سب نے مل کر ایک حزب اور جماعت تشکیل دی تھی۔

کہ تم دیکھ رہے ہو کہ رسول اللہ ﷺ دین کی خاطر کتنی تکالیف کو برداشت کرتے ہیں، کس طرح مشکلات میں ثابت قدم رہتے ہیں، گھبراتے نہیں۔ مومنین کو چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت ان کے لیے بہترین عملی نمونہ ہے جسے وہ اپنی زندگی کے تمام مراحل میں اپنا سکتے ہیں۔

وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا ؕ﴿۲۲﴾

ترجمہ: ”اور جب مومنوں نے فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس سے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں ترقی ہو گئی۔“

مومنین کی شان

اس آیت میں جنگ احزاب کے دوران منافقوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس جنگ میں تمام اسلام دشمن جماعتوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ خندق کی وجہ سے وہ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے۔ ان کی کثرت دیکھ کر منافق پریشان تھے لیکن مومنین کے ایمان میں اور اضافہ ہوا۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ دشمن کی افواج نے مدینہ کے اطراف میں پڑاؤ ڈال دیا ہے تو کہنے لگے یہ تو وہی کچھ ہو رہا ہے جس کا ہمیں اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے وعدہ دیا تھا اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا وعدہ برحق اور سچا ہے۔ ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور اللہ کے احکام پر تسلیم میں اضافہ ہو گیا۔ وہ منافقوں کی مانند دشمن کی افواج کو دیکھ کر پریشان اور مضطرب نہیں ہوتے۔ وہ تو صرف اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''ایمان والوں میں سے ایسے آدمی بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا، پھر ان میں سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں اور عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

مومنین کی وفاداری

''نحب'' ایسی نذر جس کا پورا کرنا واجب ہو، اس جگہ اسے موت مراد لی گئی ہے۔

فرمارہے ہیں کہ مومنین میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کیا ۔ اور وہ عہد یہ تھا کہ میدان جنگ میں وہ دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائیں گے، دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔[1] ان میں سے کچھ کی موت کا وقت آگیا اور وہ جنگ کے دوران مارے گئے اور کچھ اپنی طبیعی موت سے مرے اور کچھ وہ ہیں جو اپنی موت کے وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے عہد و پیمان میں کچھ بھی تبدیل نہیں کیا۔

پیغام: مومنین کی یہ نشانی ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لا کر جو عہد و پیمان باندھتے ہیں اس سے آخری دم تک رُخ نہیں موڑتے اور اس پر قائم رہتے ہیں، پورے دین پر عمل کرتے ہیں۔

---

[1] ۔ اس بناء پر کہ منافقین کے بارے میں سورۂ احزاب آیت ۱۵ میں فرمایا: ''وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ'' حالانکہ پہلے یہ لوگ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ''تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول کرے، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

مومنین اور منافقین کا انجام

مسلمانوں کے دو گروہ ہیں: (۱) مومنین (۲) منافقین۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دے گا ان پر رحمت اُتارے گا کیونکہ اُنہوں نے اپنا عہد وفا کیا اور سچ پر قائم رہے۔ منافقوں کے لیے دو صورتیں ہیں، اگر انہوں نے مرنے سے پہلے اپنے جرائم اور بدعہدی پر توبہ نہ کی تو اللہ انہیں عذاب میں ڈالے لیکن اگر انہوں نے توبہ کرلی تو پھر اللہ انہیں اپنی رحمت میں شامل کرلے گا، ان پر مہربانی کردے گا کیونکہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے، گناہ معاف کردیتا ہے اور اپنے بندوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہے۔

بعض اوقات گناہ سعادت کا مقدمہ

جب انسان گناہ کرتا ہے تو آدمی کا نفس اسے تاریکی اور شقاوت میں دھکیل دیتا ہے جس سے اس میں عجیب وحشت اور خوف سا ہونے لگتا ہے اور یہی امر اسے بیدار کرنے کا وسیلہ بھی بن جاتا ہے۔ اسے گناہوں کے دوران ہی ایسی ٹھوکر لگتی ہے کہ وہ بیدار ہو جاتا ہے اور اپنے رب کی طرف واپس پلٹ آتا ہے، ایسی صورت میں گناہ اسے سعادت کی طرف لانے کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور وہ اس طرح کہ وہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتا ہے جو فرائض چھوٹ گئے ہیں انہیں انجام دیتا ہے اور آئندہ نیک بن کر رہنے کا عہد کرتا ہے۔ اسی حوالے سے اس آیت میں منافقوں کے بارے بھی کہا گیا کہ بدعہدی کرنے کے بعد اگر توبہ

کرلیں اور سچے دل سے اللہ کے پاس واپس آجائیں تو اللہ اپنی رحمت کے صدقہ انہیں معاف کر دیتا ہے اور اپنی رحمت کے سایہ تلے لے آتا ہے۔

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ”اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا لوٹایا انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آیا، اور اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اپنے ذمہ لے لی، اور اللہ طاقتور غالب ہے۔“

کافروں کی شکست

جنگ خندق میں کافروں کو بری طرح ہزیمت اُٹھانا پڑی۔ ان کا نامی گرامی جنگجو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ کئی دن کے محاصرے کے بعد سخت آندھی اور تند و تیز ہواؤں نے ان کے خیمے اکھاڑ دیئے۔ وہ سب درہم برہم ہوئے اور خوف کے مارے واپس پلٹ گئے اور مومنوں کو کافروں سے جنگ بھی نہ کرنا پڑی۔ جب کافر غصے میں تھے، غمزدہ بھی تھے وہ اپنی کسی آرزو کو حاصل نہ کرسکے، ان کے تمام منصوبے ناکام ہوئے تو مومنین خوشحال تھے۔ اللہ قادر ہے اور جیسا فیصلہ چاہے، کرتا ہے۔ اللہ ہی غالب ہے کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس جنگ میں مومنوں کو بغیر جنگ کے کافروں سے فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔[1]

1۔ جنگ احزاب یا جنگ خندق: اسلامی جنگوں کی تاریخ میں ایک اہم جنگ، جنگ احزاب ہے۔ اس جنگ میں تمام مشرک قبائل متحد ہوئے اور اطراف مدینہ کے یہودیوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ انہوں نے مدینہ پر حملہ کا فیصلہ کیا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے سلمان فارسی سے مشورہ کے تحت فیصلہ کیا کہ مدینہ کے اطراف میں ایک بڑی خندق کھودی جائے جو دشمن کے حملہ میں رکاوٹ بنے۔ اللہ کی غیبی امداد ہوئی کہ دشمن کے خیموں میں سخت ٹھنڈی ہوا چلنا شروع ہوئی اور اللہ نے یہودیوں کے دلوں پر رعب و وحشت ڈال دی کہ انہوں نے خود کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ قریش کی جماعت سے چند آدمی خندق کو عبور کرسکے جن میں سب سے بڑا اور اہم شخص عمرو بن عبدو تھا جو ایک ہزار جنگی جوانوں کی برابری کرتا تھا۔ امیر

وَ اَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ صَیَاصِیۡهِمۡ وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَ تَاۡسِرُوۡنَ فَرِیۡقًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: ''اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا۔''

وَ اَوۡرَثَکُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَ دِیَارَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ وَ اَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡهَا ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: ''اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا تمہیں مالک بنا دیا اور زمین کا جس پر تم نے کبھی قدم نہیں رکھا تھا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

یہود بنی قریظہ کا واقعہ

''صیاصی'' سے مضبوط و محکم قلعہ مراد ہے۔ یہود بنی قریظہ بڑے ہی مضبوط اور محکم قلعوں میں رہتے تھے جنہوں نے کافروں کی پشت پناہی کی تھی اور ان کو تعاون فراہم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے بلند و بالا اور محکم قلعوں سے نیچے لے آیا اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا۔ قلعوں سے باہر آنے کے بعد مسلمانوں نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور

المومنین امام علی علیہ السلام نے بڑی بہادری اور جوانمردی سے عمرو بن عبدو کو ہلاک کر دیا جس کے بعد کافروں نے راہ فرار اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح مسلمانوں سے کافروں کے ساتھ جنگ لڑنے کی زحمت اور مشقت کو اُٹھالیا۔

بچوں کو اسیر بنالیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی زمینوں، اموال، گھروں کو تمہارے حوالے کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے خیبر کی زمین کو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے نصیب کی۔ (ایسی زمین جس میں تم نے قدم نہیں رکھا اس سے مراد یہ ہے کہ تم اس زمین پر جنگ کے لیے نہیں گئے بلکہ بغیر جنگ کے وہ زمین مسلمانوں کو مل گئی)۔ یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے کہ وہ ہر امر پر قادر ہے، چاہے بغیر جنگ کے کامیابی دے، چاہے جنگ کے ذریعہ کامیابی دے، چاہے دشمن کے دل میں خوف پیدا کر کے کامیابی دے دے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ”اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔“

وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

ترجمہ: ”اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک بختوں کے لیے بڑا اجر تیار کیا ہے۔“

رسول اللہؐ کی ازواج کے بارے

بظاہر رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں سے کچھ نے ایسا عمل انجام دیا تھا جو اس بات کی عکاسی کرتا تھا کہ وہ اپنی مادی زندگی سے راضی نہیں ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے ذریعہ ان کو یہ پیغام دیا اور فرمایا کہ اے میرے حبیبؐ! اپنی بیویوں کو بتا دو کہ ان کے سامنے دو

راستے ہیں ان میں سے ایک کا انتخاب کریں۔

۱۔ اگر دُنیا چاہتی ہیں، دُنیا کا مال و متاع ان کی پسند ہے، تو ٹھیک ہے آؤ اور اس حوالے سے کچھ مال تمہیں دے دیں اور پھر تمہیں چھوڑ دیں۔

۲۔ اگر تم دُنیا کی بجائے اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور آخرت کو چاہتی ہو تو پھر تمہیں معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بہت بڑا اجر قرار دیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ تم نیک رہو، اگر نیک اعمال نہ کیے تو پھر تمہیں کچھ اجر نہ ملے گا۔ رسول خداؐ کی نیک ازواج کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا اجر ہے۔

ان آیات سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ دُنیاوی عیش و عشرت اور رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف ایک جگہ اکٹھے نہیں چل سکتے۔

۲۔ اگر انسان دُنیا اور اس کے زیب و زینت کو اپنا ہدف قرار دے، چاہے آخرت اس کی نظر میں ہو یا نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ دوسری جانب سے آنکھ بند کرلے۔ اسے کچھ نصیب نہ ہوگا۔ لیکن جو آخرت کو اپنا ہدف بنائے، دنیا میں اس کے لیے وسعت و خوشحالی ہو یا نہ ہو تو اس صورت میں اسے اخروی اجر کا اُمیدوار رہنا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ اس کا ہدف کیا ہے، دنیا ہے یا آخرت، اسی حوالے سے حساب ہوگا۔

۳۔ فقط رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہونا کرامت و شرافت کا سبب نہیں اور نہ ہی اس وجہ سے آخرت میں بڑا اجر ملے گا۔ زوجیت کے شرف کا فائدہ تب ملے گا جب وہ نیک ہوں، اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کریں۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰

ترجمہ: ''اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بدکاری کرے تو اسے دگنا عذاب دیا جائے گا، اور یہ اللہ پر آسان ہے۔''

برے عمل کی سزا

جب بھی کوئی برا عمل کرتا ہے تو اسے اس کی سزا ملتی ہے۔ جتنا برا عمل کیا اتنی سزا ملتی ہے، اس سے زیادہ نہیں ملتی لیکن رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے لیے علیحدہ فرمان جاری کیا گیا ہے کہ اگر وہ کھلی فحاشی کا ارتکاب کریں گی تو انہیں ایک سزا نہیں بلکہ دو سزائیں ملیں گی۔ ایک تو اس برے عمل کی اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی حرمت کا پاس نہ کرنے کی۔ رسول اللہ کی ازواج پر واضح کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آنے کے بعد یہ خیال نہ کریں کہ وہ بادشاہوں کی بیویوں کی طرح آزاد ہیں اور جو مرضی آئے کرتی پھریں، ان کی باز پرس نہ ہو گی۔ بادشاہوں کی بیویوں کو دُنیاوی قوانین کے کے اعتبار ہر قسم کی آزادی ہوتی ہے لیکن الٰہی قوانین میں ایسا نہیں ہے، الٰہی قوانین کی نظر میں سب برابر ہیں، عذاب سے تقویٰ ہی بچا سکتا ہے۔ تقویٰ کرامت و شرافت کا ضامن ہے۔ ازواج پیغمبر کے لیے دو برابر سزا ہے کہ وہ رسول اللہ کی مصاحبت میں رہتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتی ہیں۔ وہ ذات جو الٰہی کمال و جمال کا تمام آئینہ نما تھی اس کی مصاحبت میں رہنے کے باوجود گناہ کیا، فحاشی کا ارتکاب کیا تو یہ بہت بڑا گناہ ہے، عام افراد کے گناہ جیسا نہیں ہے، اس لیے اس کی سزا چند برابر ہو گی۔

وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: ''اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک

کام کرے گی تو ہم اسے اس کا دہرا اجر دیں گے، اور ہم نے اس کے لیے عزت کا رزق بھی تیار کر رکھا ہے۔"

نیک اور اطاعت گذار بیویوں کا اجر

وہ بیویاں جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرتی ہیں اللہ کے احکام کے سامنے خاضع و خاشع ہیں اور نیک اعمال کرتی ہیں، رسول اللہ ﷺ کی فرمانبردار ہیں تو ان کو دو برابر اجر و ثواب دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ایسی بیویوں کے لیے اللہ کے ہاں بہت ہی عمدہ روزی کا انتظام بھی ہے جس سے وہ مزید خوشحال ہوں گی۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: "اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو اور دبی زبان سے بات نہ کہو کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرے گا اور بات معقول کہو۔"

ازواج پیغمبرؐ کا بلند مقام

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ازواج پیغمبرؐ کا مقام بلند ہے، شرط یہ ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اگر تقویٰ اختیار نہ کریں گی تو پھر ان کے لیے سخت سزا ہے۔ آپ کی نسبت رسول اللہؐ سے ہے اس لیے آپ کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں لہٰذا تم نامحرم مردوں کے ساتھ گفتگو میں نرم لہجہ نہ اپنانا، ایسا پیارا انداز نہ ہو کہ جس سے مرد آپ پر فریفتہ ہو جائیں کیونکہ بیمار دل کا ایمان

ضعیف ہوتا ہے، تمہارے نرم لہجہ کی وجہ سے شیطانی خیالات ان کے دلوں میں نہ آجائیں، شہوانی خیالات پیدا نہ ہو جائیں، شہوت و فحاشی کا خیال پیدا نہ ہو جائے بلکہ معمول کے مطابق بات کریں۔ اس طرح بات کریں کہ آپ جو کہنا چاہتی ہیں وہ بات ان تک پہنچ جائے۔ ایسا انداز نہ ہو جسے معاشرہ اور شریعت میں ناپسندیدہ کہا جاتا ہے، اچھا اور مناسب انداز ہو۔

(اس آیت میں عام عورتوں کے لیے بھی پیغام موجود ہے کہ جب نامحرم مردوں سے بات کریں تو ایسا انداز نہ ہو کہ سننے والا شیطانی خیالات میں پڑ جائے اور آپ کے بارے شہوانی جذبات دل میں لے آئے اور سوء قصد کرے کیونکہ عورت کے بارے کہا گیا ہے کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت سخت لہجہ ہو، سننے والوں کو طمع و ہوا و ہوس میں نہ ڈال دے، ہنستے مسکراتے ہوئے پیارے پیارے الفاظ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر بات کرنے سے کمزور ایمان والے اور بے تقویٰ مردوں میں غلط خیالات پیدا ہوتے ہیں اس سے بچا جائے)۔

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ﴿۳۳﴾

ترجمہ: ”اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور گزشتہ زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، اور نماز پڑھو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اس گھر والو! تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں خوب پاک کرے۔“

ازواج پیغمبرؐ کے لیے خصوصی احکام

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے لیے خصوصی احکام بیان کیے ہیں:۔

ا۔ اپنے گھروں میں رہیں اور گھروں سے باہر نہ نکلیں۔
۲۔ زمانہ جاہلیت کی عورتوں جیسا بناؤ سنگھار نہ کریں۔ لباس، چال ڈھال، بناؤ سنگھار میں اُن جیسی نہ بنیں۔
۳۔ نماز بجالائیں جو کہ عبادتی اعمال میں اہم عمل اور بنیادی رکن ہے۔
۴۔ اجتماعی اور معاشرتی روابط و معاملات کے اعتبار سے زکات ادا کریں۔
۵۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے اوامر و نواہی کی پیروی و اتباع کریں اور ان کے اوامر کی مخالفت نہ کریں۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳

''سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ نے ارادہ کیا ہے کہ تم اہل البیتؑ سے رجس اور پلیدی کو دُور کردے اور تمہیں طاہر و پاکیزہ بنادے جس طرح طاہر اور پاکیزہ بنانے کا حق ہے''۔

اہل البیتؑ کی طہارت و عصمت کا اعلان

ازواج پیغمبرؐ کے بارے گفتگو کے دوران، اہل البیت علیہم السلام کے بارے ایک جملہ معترضہ بیان کیا گیا ہے۔ واضح ہے کہ اس جگہ اہل البیت علیہم السلام سے مراد ازواج پیغمبرؐ نہیں ہیں کیونکہ ازواج پیغمبرؐ کو تو مختلف ہدایات دی جاتی ہیں، مختلف کاموں سے روکا جارہا ہے، انہیں نیک بننے کی تلقین کی جارہی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ازواج پیغمبر میں سے بعض نیک ہیں اور ان میں سے بعض گناہگار بھی ہیں۔ان میں سے نیک سیرت کے لیے چند برابر اجر و ثواب کا اعلان کیا گیا ہے اور برائی کرنے والوں کے لیے چند برابر سزا بیان ہوئی ہے۔ جبکہ اہل البیت علیہم السلام کے بارے کہا جارہا ہے کہ اللہ نے انہیں طاہر و مطہر بنایا ہے کیونکہ اللہ کا ارادہ کن فیکون ہے۔ اللہ کے ارادہ کرنے سے ہی شئی وجود میں آتی ہے، اہل البیت علیہم السلام کے بارے اللہ تعالٰی کا ارادہ یہ ہے کہ ان سے پلیدی و نجاست، ظاہری و باطنی دور ہو اور وہ طاہر

و پاک ہوں۔ گویا کہ وہ ایسا ہی ہیں، ظاہری نجاسات جیسے پیشاب و پاخانہ، بول و براز، خون وغیرہ، باطنی نجاسات جیسے شرک و کفر اور دیگر برے اعمال سے پاک ہیں۔

تطہیر سے مراد یہ ہے کہ انہیں ایسی صلاحیت دیتا ہے کہ اعتقاد اور عمل کے مرحلہ میں حقیقت کا ادراک کریں۔ اہل البیت علیہم السلام: اس سے مراد نبی کے گھر والے نہیں بلکہ نبوت و رسالت، اللہ کی نمائندگی والے مراد ہیں کیونکہ اس جگہ ضمیر "کم" لائی گئی ہے جبکہ ازواج پیغمبرؐ کے لیے ضمیر "کن" لائی گئی جو عورتوں سے خاص ہے۔ "کم" مردوں سے خاص ہے۔

لہٰذا اہل بیت کے متعلق دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ اہل البیت علیہم السلام سے مراد رسول ﷺ کی بیویاں اور آپ کی اولاد مراد ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے اقرباء مراد ہیں۔ اس مسئلے کو احادیث کے ذریعہ ہی حل کیا جا سکتا ہے۔ ظاہری عبارت سے واضح ہے اہل البیت علیہم السلام میں بیویاں شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ اس میں جن کو خطاب ہے وہ مرد ہیں۔[1] طہارت کے امر میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔

لفظ "رِجسَ" ہر قسم کی پلیدی اور نجاست کے معنی میں ہے۔ یہ ہر قسم کی نجاسات کو شامل ہے اور اس خصوصیت کا اطلاق فقط عصمت پر ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی ایسی علمی حیثیت جو انسان کو ہر قسم کے باطل عقیدہ اور نادرست عمل سے بچا کر رکھتی ہے۔ اور الٰہی عصمت (الٰہی حفاظتی انتظام) فقط معصوم ہستیوں کے لیے ہی ہے کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اس بناء پر یہ آیت اہل

---

[1]۔ صحیح روایات کی روشنی میں یہ خطاب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام، حضرت حسن علیہ السلام، حضرت حسین علیہ السلام اور جناب سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے ہے۔ شیعہ اور سنی حدیثی منابع میں چالیس مختلف واسطوں سے نقل ستر احادیث میں اس آیت کے مصداق کو اہل البیت علیہم السلام قرار دیا گیا ہے۔ غایۃ المرام، عبقات الانوار، الدر المنثور اور دیگر حدیثی اور تفسیری کتب میں ان احادیث کو بیان کیا گیا ہے۔

بیت علیہم السلام کی عصمت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔[1]

ابن کثیر نے حضرت اُم سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب اُم سلمہؓ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ سے کسی نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا تم مجھ سے ایسے شخص کے بارے پوچھ رہے ہو جو رسول اللہ ﷺ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب ہے اور ان کی زوجہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اپنے باپ کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ بتحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ علی، فاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام کو اپنے پاس بلایا اور اپنی عباء کے نیچے لیا اور یہ دعا مانگی: "اے اللہ! یہ میرے اہل البیت علیہم السلام ہیں، ان سے رجس اور پلیدی کو دُور کر دے انہیں اسی طرح پاکیزہ بنادے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے"۔ میں اس وقت اُٹھی اور ان کے قریب گئی اور میں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں بھی اہل البیتؑ سے ہوں؟ تو آپ نے ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے فرمایا: "جی ہاں ٹھیک ہے لیکن تم اس فضیلت میں شامل نہیں ہو، جو ان کے لیے ہے"۔

اس بیان سے پہلے بیویوں کے بارے خصوصی ہدایات دی گئیں اور اس کے بعد بھی ازواج پیغمبر کے احکام ہیں، خود یہی بات ثابت کر رہی ہے کہ جن اہل البیت علیہم السلام سے رجس کو دور کر دیا گیا ہے اور انہیں طاہر بنایا گیا وہ ان بیویوں کے علاوہ ہیں۔ یہ عصمت مآب ہستیاں ہیں۔ درحقیقت یہ ان ذوات کا تعارف ہے اور ان کی شان کا بیان ہے جس کے پاس اللہ کی بشارت و نمائندگی ہے۔ یہ نبی تو نہیں بلکہ نبوت و رسالت والے ہیں، اس پر بہت زیادہ دلائل اور ثبوت موجود ہیں۔

---

[1]۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اس آیت میں کسی کے شامل ہونے کا ملاک عصمت ہے تو یہ آیت پنجتن آل عبا کے علاوہ باقی ائمہ علیہم السلام کو بھی شامل ہوگی کیونکہ وہ بھی معصوم ہیں۔

وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: "اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتیں ہیں انہیں یاد رکھو، بے شک اللہ رازدان خبردار ہے۔"

ازواج پیغمبرؐ کے لیے خصوصی یاد ہانی

اس آیت میں ازواج پیغمبر ﷺ کو یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ جو حکمت اور آیات الٰہی ان کے گھر میں تلاوت کی جاتی ہیں ان کی حفاظت کریں اور ہمیشہ ان کا خیال رکھیں اور ان سے غفلت نہ برتیں۔ ہمیشہ اپنی اعمال پر نظر رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے اعمال سے آگاہ ہے اور وہ ساری باریکیوں سے بھی باخبر ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: "بے شک اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایمان دار

مردوں اور ایماندار عورتوں اور فرمانبردار مردوں اور فرمانبردار عورتوں اور سچے مردوں اور سچی عورتوں اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں اور عاجزی کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور خیرات کرنے والی عورتوں اور روزہ دار مردوں اور روزدار عورتوں اور پاک دامن مردوں اور پاک دامن عورتوں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مردوں اور بہت یاد کرنے والی عورتوں کے لیے بخشش اور بڑا اجر تیار کیا ہے۔"

مرد اور عورت کی کرامت

اسلامی تعریف میں انسانی شرافت و کرامت میں مرد اور عورت میں فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے ایک کلی ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ (سورۂ آل عمران، آیت ۱۹۵)

ترجمہ "میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کا کام ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت"

ہر ایک کو اس کے عمل کا اجر ملے گا، عورت اور مرد میں اس لحاظ سے کچھ فرق نہیں ہے۔

"اسلام" دین کے معاملہ میں عملی طور پر تسلیم ہونا ہے اور تمام شرعی ذمہ داریوں (تکالیف شرعیہ) کو بجالانے کو کہتے ہیں۔

"ایمان" قلبی امر اور باطنی اعتقاد ہے اس طرح کہ اس کا اثر ظاہری اور بدنی اعمال پر ظاہر ہو لہٰذا ہر مومن مسلمان ہے لیکن ہر مسلمان مومن نہیں ہوتا۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ اسلام زبان سے اسلامی اعتقادات کا اقرار کرنا ہے جبکہ ایمان تمام اسلامی اعتقادات کا دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار اور بدنی اعضاء و جوارح سے اس کے مطابق عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

"قنوت" اطاعت اور خضوع وانکساری میں دوام اور ہمیشگی کو کہتے ہیں۔

"صدق" ہر وہ عمل یا گفتار جو واقعیت اور حقیقت کے عین مطابق ہو جیسا ہے ویسا کیا جائے تو یہ صداقت ہے۔

"صبر" مصیبت کے وقت برداشت کرنا، حوصلہ کرنا، اطاعت کو انجام دینے اور معصیت ترک کرنے میں صبر کرنا، بے حوصلہ نہ ہونا، بے صبری نہ کرنے کے معنی میں ہے۔

"خشوع" باطنی اور قلبی انکساری، پستی دکھانا۔ خود کو کمتر ظاہر کرنا، اپنے سے بزرگ کے لیے جھکنا، اللہ کے حضور اطاعت کو خضوع کہا گیا ہے۔

"تصدق" صدقہ دینا، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ واجب زکات اس کے مصادیق سے ہے۔

"صوم" مستحبی یا واجب روزہ۔

"حفظ فروج" جنسی خواہش کو حرام سے پورا نہ کرنا۔ حلال طریقہ سے جنسی خواہش کو پورا کرنا۔

"ذکر الٰہی" انسان اللہ کو دل سے یاد کرے، اٹھنے بیٹھنے، رکوع میں، قیام میں، سجود میں، سوتے میں، ہر حال میں اللہ کی یاد میں رہنا اور اللہ کی یاد سے غفلت نہ کرنا۔

مردوں اور عورتوں میں سے جو ان صفات کا حامل ہو گا، اللہ تعالیٰ انہیں بڑا اجر دے گا۔ نیک سیرت مردوں اور عورتوں کو نوید دی ہے کہ تمہارے ان اعمال کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بہت بڑا اجر آمادہ کر رکھا ہے۔

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ۝۳۶

ترجمہ: ''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا۔''

اللہ اور رسولؐ کے فیصلہ کی حیثیت

اس آیت میں ایک کلی فرمان جاری کیا گیا ہے کہ کسی بھی امر بارے چاہے وہ اجتماعی معاملہ ہو یا انفرادی، جو فیصلہ اللہ اور اللہ کا رسولؐ دے دے تو پھر اس فیصلہ کے بارے کسی کو اعتراض کا اختیار نہیں ہے۔ سب کو اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ سب انسانوں پر ولایت و حاکمیت اللہ کی ہے اور پھر اللہ کے رسولؐ کی ہے اور جو بھی اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ (قضاء) سے مراد شرعی اور قانونی فیصلہ ہے۔ اللہ کی قضاء شریعت کا حکم و قانون ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قضا یہ ہے کہ مسلمانوں کے مسائل میں سے کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی حکم دے دیں، کسی معاملے بارے فیصلہ سنا دیں کوئی اجتماعی معاملہ میں ارادہ کر لیں، کسی قسم کا فرمان حکومتی جاری کریں تو اس کی مخالفت کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا حکم اور فیصلہ حتمی ہے، سب کو اس کی پیروی کرنا ہو گی اور اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ اس میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ یا پہلو تہی کا مطلب گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ مومن مرد اور مومنہ عورتیں اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے احکام کے سامنے سر تسلیم ختم کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی یہ شان نہیں کہ وہ اس بارے کسی قسم کا اختلاف کریں یا اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے فیصلے پر عملدرآمد میں کوتاہی کریں۔

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَى

النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۳۷

ترجمہ: ''اور جب تو نے اس شخص سے کہا جس پر اللہ نے احسان کیا اور توں نے احسان کیا کہ اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور تو اپنے دل میں ایک چیز چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا، حالانکہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ تو اس سے ڈرے، پھر جب زید اس سے حاجت پوری کر چکا تو ہم نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی گناہ نہ ہو جب کہ وہ ان سے حاجت پوری کرلیں، اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔''

زید اور اس کی زوجہ زینب کا معاملہ

اللہ نے جس پر انعام کیا اس سے مراد زید بن حارثہ ہے جو غلام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا کہ وہ ایمان لے آیا۔ پھر رسول اللہؐ نے اس پر احسان کیا کہ اسے آزاد کر دیا اور اسے آزاد کرنے کے بعد اپنا بیٹا بنالیا اور پھر اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب سے اس کا نکاح کر دیا۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی جانب سے زید بن حارثہ پر احسان اور نیکی تھی۔ بظاہر زید اور ان کی بیوی کے تعلقات اچھے نہ بن سکے، ان کی آپس میں ہم آہنگی نہ تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مشورہ کے لیے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے زید کو زینب کو طلاق دینے سے منع کیا اور فرمایا کہ خدا سے ڈرو اس زینب کو طلاق نہ دو۔ لیکن ان کے تعلقات اچھے نہ ہو سکے اور زید نے زینب کو

طلاق دی۔ اس آیت کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے زید کی طلاق یافتہ بیوی زینب سے نکاح کرنا تھا۔ باوجودیکہ پیغمبر اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ یہ اللہ کا فیصلہ اور حکم ہے لیکن لوگوں کے خوف سے کہ کہیں وہ اس عمل پر اللہ اور اللہ کے دین پر اعتراض نہ کریں اور رسول اللہ ﷺ کو اس عمل پر نامناسب الفاظ سے یاد کریں، رسول اللہ ﷺ نے اس امر کو دل میں پوشیدہ رکھا کیونکہ آپؐ کو معلوم تھا کہ منافق اور بیمار دل اور وہ لوگ جن کا ایمان کمزور ہے اس واقعہ پر معترض ہوں گے بڑی بڑی باتیں کریں گے اور ایمان چھوڑ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے ان لوگوں کا خوف دل میں نہ لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر واجب کیا ہے کہ تم زید کی زوجہ سے شادی کرو لہٰذا زید کو کہہ دو کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے جب عدت گزر جائے تو تم اس سے شادی کر لو یہ اس لیے ہے کہ مومنوں کے لیے یہ مسئلہ باقی نہ رہے کہ اگر ان کے منہ بولے بیٹے کسی سے شادی کریں اور پھر اسے طلاق دے دیں تو باپ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کر سکتا ہے۔ اس میں ان کے لیے کوئی مانع اور رکاوٹ نہ رہے گی۔ اللہ کے امر نے ہی پورا ہونا ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بیان سے رسول خداؐ کو اطمینان دلا دیا کہ آپ کو اس بارے کسی قسم کی پریشانی نہ ہو، یہ ازواج کا حکم اللہ کی جانب سے ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خاندانی تقویٰ و برتری کے عنوان کو ختم کرنے کے لیے زید بن حارثہ جو غلام تھا اور غلامی سے آزاد ہوا تھا اور ان کا کوئی نامی گرامی خاندان بھی نہ تھا، مکہ میں تو وہ ناشناس تھا اس کے ساتھ بنی ہاشم سے ایک خاتون کی شادی کر دینا زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کو توڑنا تھا۔ شرعاً تو یہ ٹھیک تھا لیکن عرف اور ماحول کے اعتبار سے زینب اور زید آپس میں ہم کفو نہیں بنتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شادی کے بعد بھی دونوں کے درمیان تعلقات اچھے نہ ہوئے اور زید اسے طلاق دینے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ کی اس حوالے سے خاص مشیت تھی اور وہ زمانہ جاہلیت کی ایک غلط رسم

کو توڑنا تھا اور وہ اس طرح کہ لوگ منہ بولے بیٹے کی چھوڑی ہوئی بیوی سے نکاح نہیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مصطفیٰ ﷺ کے منہ بولے بیٹے زید کی پہلے شادی کروائی اور وہ بھی بنی ہاشم کے خاندان کی ایک لڑکی سے، پھر جب اس کا نباہ نہ ہوا اور زید نے خود طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپؐ اس سے شادی کرلیں تاکہ اس طرح مومنوں کے لیے آسانی ہو جائے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی طلاق یافتہ بیوی سے شادی کرلی ہے تو پھر ہم ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ اس آیت میں اسی حکم کا بیان ہے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''نبی پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے، جیسا کہ اللہ کا پہلے لوگوں میں دستور تھا، اور اللہ کا کام اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے۔''

پیغمبرؐ کے لیے اللہ کا فرمان

اے رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے جو امر معین کیا ہے اور جسے آپ کے لیے مباح قرار دیا ہے یا جسے حرام قرار دیا ہے تو یہ امر سنت الٰہی ہے جو سب انبیاء کے لیے جاری رہی ہے آپ اس کے مطابق عمل کریں۔ اس میں آپ کے لیے کوئی مانع و رکاوٹ موجود نہیں ہے، اللہ کا امر سنجیدہ اور حساب شدہ ہوتا ہے، اس کے تمام جوانب کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر فرد کے لیے جو اس کے واسطے مناسب ہے اسی کے مطابق امر فرماتا ہے۔ سارے انبیاء اس قانون میں شامل ہیں کسی کے لیے کوئی اشتثناء نہیں ہے۔ جو اللہ نے مقدر کیا ہوتا ہے اسی کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ
كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتے، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔''

الٰہی پیغام پہنچانے والے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچانے والوں کی خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے، اپنے پروردگار کی عظمت کے سامنے خشیت رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے غلطی نہ ہو جائے اور اللہ کی پکڑ میں نہ آجائیں وہ اس سے خوف کھاتے ہیں کہ کہیں غیر اللہ کی طرف ان کی توجہ نہ چلی جائے۔ البتہ انبیاء میں ایسی حالت موجود نہیں ہوتی اور ان کی توجہ غیر اللہ کی طرف بالکل نہیں ہوتی، وہ ہمیشہ متوجہ الی اللہ رہتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ عالم میں غیر اللہ کی بالکل تاثیر نہیں ہے۔ البتہ آیت کے انداز بیان سے استفادہ ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغام پہنچانے والوں کا غیر خدا سے خوف نہ کھانا اس معنی میں ہے کہ انبیاء تبلیغ کے امر میں کسی قسم کے خوف کا شکار نہیں ہوتے لیکن وسیع تر معنی میں یہ ہے وہ غیر خدا سے کسی بھی مورد میں خوفزدہ نہیں ہوتے۔ اللہ ہی تمام اعمال بارے چھوٹے ہوں یا بڑے حساب لینے کے اعتبار سے کافی ہے۔ عام افراد پر بھی لازم ہے کہ انبیاء کی مانند وہ بھی تبلیغ دین کے امر میں اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں اور تبلیغ دین بلاخوف و خطر انجام دیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ
النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

ترجمہ: ”محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے خاتمے پر ہیں، اور اللہ ہر بات جانتا ہے۔“

محمدؐ، اللہ کے رسول اللہؐ ہیں

یہ آیت ان لوگوں کے جواب میں ہے جو زید کی بیوی سے رسول اللہ ﷺ کی شادی پر اعتراض کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے کی چھوڑی ہوئی بیوی سے شادی کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا ہے کہ اس وقت جتنے بھی مرد موجود ہیں ہمارا رسول محمد مصطفیٰ ﷺ ان میں سے کسی کا باپ نہیں ہے۔[1] یعنی تکوینی طور پر آیت کے نزول کے وقت محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے صلبی باپ نہیں ہیں۔ زید رسول اللہ ﷺ سے متولد نہیں ہوئے لہٰذا وہ ان کے صلبی بیٹے نہیں ہیں۔ لہٰذا زید پر حقیقی باپ کے آثار مترتب نہیں ہوں گے اور رسول خداؐ کا اس کی چھوڑی ہوئی بیوی سے ازدواج کرنا اپنے حقیقی بیٹے کی چھوڑی ہوئی بیوی سے شادی کرنا جیسا نہیں ہے۔

رسول اللہؐ کا خاتم الانبیاء ہونا

اس آیت میں ایک اور بات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد ﷺ رسول اللہ ہیں۔ ان کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ خاتم النبیین ہیں۔ خاتم: ہر وہ مطلب جس کے ذریعے تحریر کے اختتام پر مہر لگا دی جاتی ہے کہ اس کے بعد اور کچھ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے رسول اللہ ﷺ کے وجود سے نبوت و رسالت کے عنوان پر مہر لگا دی گئی ہے۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی رسول آئے گا۔ ان کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں آئے گی جس کے پاس

---

[1]۔ پیغمبر اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے عطا کیے: قاسم، طیب، طاہر اور ابراہیم۔ آپ کے چاروں حقیقی بیٹے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوئے۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اس آیت کے نزول کے وقت بچے تھے چونکہ اس آیت میں رجال کا لفظ استعمال ہوا ہے اس بناء پر ان کو بھی یہ آیت شامل نہیں ہے۔

غیب سے کچھ خبر آئے، یہ سلسلہ بند ہو چکا۔ نبی اسے کہتے ہیں جو غیب سے خبر لائے اور غیب سے مراد دین اور دینی احکام ہیں۔ پیغمبر خاتم الانبیا ہیں اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ خاتم الرسل بھی ہیں کیونکہ نبی کا عنوان رسول سے عام ہے لہٰذا جب غیب کی خبر آنا آپ کی آمد پر ختم ہو گئی تو حتمی طور پر حضور پاک ﷺ کے بعد رسالت بھی نہیں ہو گی۔ اس طرح حضور پاک ﷺ خاتم الانبیاء بھی ہیں اور خاتم المرسلین بھی۔ لوگوں کے ساتھ آنحضرتؐ کا تعلق اور ارتباط نبوت اور رسالت کے منبع و مرکز سے مربوط ہے لہٰذا ان کے تمام اعمال اللہ سبحانہ تعالیٰ کے امر سے انجام پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام امور سے آگاہ ہے لہٰذا اللہ نے جو کچھ تمہارے لیے بیان کیا ہے یا اپنے رسول کو پہنچایا ہے تو یہ سب اس کے علم کا تقاضا ہے۔ خاتم النبیین سے ہر قسم کے نبی کی نفی ہے۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ مرتد و کافر ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کرو۔“

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ”اور اس کی صبح و شام پاکی بیان کرو۔“

مومنین کے لیے خصوصی ہدایات

مومنین سے کہا جا رہا ہے:

۱۔ زبان اور دل سے اللہ کا بہت ذکر کیا کرو۔ جب انسان اللہ کو یاد رکھے گا تو پھر گناہ نہیں کرے گا۔

۲۔ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو، اللہ کی پاکیزگی کو بیان کرو کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس

سے فقط زبان سے سبحان اللہ کہنا مراد نہیں۔ کیونکہ سب سے اہم تسبیح دل سے اس کا اعتراف کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے ذکر کرنے والی زبان دی گئی ہے تو اسے بہت زیادہ خیر عطا کی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝۴۳

ترجمہ: ”وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے، اور وہ ایمان والوں پر نہایت رحم والا ہے۔“

مومنین پر اللہ کی رحمت

”صلاۃ“ مہربانی اور رحمت کے معنی میں ہے۔ اس کی نسبت اگر اللہ کی طرف ہو تو اسے رحمت مراد لی جاتی ہے۔ اور اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا معنی استغفار اور طلب مغفرت ہوتا ہے۔ پچھلی آیت میں مومنین کو حکم دیا گیا کہ اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرو، صبح و شام اللہ کی تسبیح کرو تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تمہارے اوپر اپنی خاص رحمت اُتارے گا اور آخرت کے لیے اپنی رحمت کو ذخیرہ کر رکھا ہے، اللہ بھی تمہیں یاد کرے گا، اللہ کے فرشتے بھی تمہارے لیے دعا کریں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں کو فراموشی کی تاریکیوں اور اندھیروں اور غفلت کی تاریک وادیوں سے نور کی طرف لے آتا ہے اور اللہ کی رحمت تمہارے شامل ہے کیونکہ ایمان کی صفت تمہارے وجود میں ہے، اللہ تو مومنوں پر مہربان ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے آپ پر صلوات اور دعا کے بارے سوال کیا گیا اور کہا گیا کہ اس کی تعلیم دیں تو آپؐ نے اس شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا: اس طرح درود پڑھا کرو: ”اے اللہ! رحمتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی آل پر، جس طرح تو نے

رحمتیں نازل کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر، اے اللہ! تو برکتیں نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی آل پر، جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل پر، بے شک تو تعریف کا مستحق بڑی بزرگی والا ہے"۔[1]

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ: "جس دن وہ اس سے ملیں گے ان کے لیے سلام کا تحفہ ہوگا، اور ان کے لیے عزت کا اجر تیار کر رکھا ہے۔"

قیامت کے دن اللہ سے ملاقات

قیامت کے دن مومن اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔ اس دن اللہ کی طرف سے اللہ کے فرشتے مومنین پر سلام و تحیت پیش کریں گے۔ مومنین ہر قسم کے عذاب اور سختیوں سے امان و سلامتی میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے بہت بڑا اجر جو کہ پورے احترام سے دیا جائے گا تیار کر رکھا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ﴿۴۵﴾

ترجمہ: " اے نبی ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

[1]۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ اللھم بارك علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علی آل ابراھیم انك حمید مجید۔

ترجمہ: ”اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چراغ روشن بنایا ہے۔“

رسول اللہؐ کی خصوصیت

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے ذمہ لگائے گئے کاموں کا تذکرہ ہوا ہے اور آپؐ کی نمایاں صفات کو بیان کیا گیا ہے جن میں درج ذیل امور اہم ہیں:۔

۱۔آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔

۲۔آپؐ اُمت کے اعمال پر گواہ ہیں۔ رسول اللہؐ کے بعد ائمہ اطہار ان کے اعمال پر گواہ ہیں۔

۳۔آپؐ بشارت دینے والے ہیں۔ مومنوں کو اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ کی پیروی کرنے پر اللہ کا ثواب اور الٰہی انعامات کی خوش خبری دینے والے ہیں۔

۴۔ آپؐ نذیر ہیں، ڈرانے والے، یعنی اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

۵۔ آپؐ لوگوں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دینے والے ہیں۔ آپؐ ان کو اللہ کے دین پر آنے، اللہ کو یکتا ماننے کا حکم دیتے ہیں اور یہ کہ یہ امر یعنی رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور تبلیغ کے لیے مبعوث ہونا سب اللہ کی جانب سے ہے۔

۶۔آپؐ سراج منیر اور چمکتا دمکتا نور بکھیرتا سورج ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا قرار دیا ہے کہ ان کے وسیلہ سے لوگ اپنی سعادت کو پائیں گے، بد بختی کی تاریکیوں اور گمراہیوں کے تنگ و تاریک راستے آپ کے وسیلہ سے روشن ہو جاتے ہیں اور انسان اس طرح بد بختی سے نکل کر سعادت میں آتا ہے اور گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آتا ہے۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ”اور ایمان والوں کو خوشخبری دے اس بات کی کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔“

وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ دَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ: ''اور کفار اور منافقین کا کہنا نہ مانیے اور ان کی ایذا رسانی کی پروانہ کیجیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے، اور اللہ کارساز کافی ہے۔''

کفار اور منافقوں سے دُوری کا حکم

رسول اللہ ﷺ اس بات پر مامور ہیں کہ مومنوں کو خوشخبری دیں کہ اللہ کی جانب سے ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اس بات سے وہ خوش بھی ہو جائیں اور دوسرے لحاظ سے وہ کافروں، منافقوں کی طرف سے دی جانے والی تکالیف کو برداشت کرنے سے نہ گھبرائیں۔ یہ خبر اس لیے بھی مومنوں کے واسطے اہم ہے کہ انہیں بتایا جارہا ہے کہ ان کا اجر اور ان کے عمل کا بدلہ ان کے عمل سے بہت زیادہ دیا جائے گا اور یہ اللہ کی طرف سے فضل و کرم ہے۔ **''تفضل''** استحقاق سے زیادہ عطا کرنے کے معنی میں ہے۔

کافروں، منافقوں سے دُوری

کافروں اور منافقوں کی ہمیشہ کوشش رہی کہ پیغمبر اکرم ﷺ سے مذاکرات کریں اور انہیں اپنی دعوت کو عام کرنے سے روکیں۔ منافقین اسلام کے لبادہ میں آکر بات کرتے اور کافروں کی جانب سے جو تجاویز آرہی تھیں ان کی افادیت کو بیان کرتے اور ساتھ ڈراتے تھے کہ کافروں کی طرف سے مزاحمت بڑھ جائے گی۔ آپؐ کو بہت زیادہ زحمت اُٹھانا پڑے گی تو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ کافروں اور منافقوں کی کسی بات کو نہیں ماننا۔ باقی رہا ان کی طرف سے آپ کو اذیت پہنچانا تو اس بارے زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں، آپؐ اسے نظر انداز

کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہیں اور اپنی دعوت کے عمل کو جاری رکھیں۔ انہیں اپنے سے دُور کرنے اور ان کی سازشوں کی ناکامی کا کام اللہ کے سپرد کردو۔ اللہ ہی کافروں اور منافقوں کو شکست دینے اور ناکام بنانے کے لیے آپ کے وکیل ہیں اور اللہ ہی ایسا وکیل ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی پریشانی کی ضرورت نہیں۔ جو اپنے امور اللہ کے سپرد کرتے ہیں تو اللہ ان کے لیے کافی ہے۔ اس بیان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی ہمت بندھائی اور انہیں بتادیا کہ کافروں اور منافقوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا معاملہ کرنے کی ضرورت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والوں! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں چھوؤ تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں ہے کہ تم ان کی گنتی پوری کرنے لگو، سو انہیں کچھ فائدہ دو اور انہیں اچھی طرح سے رخصت کردو۔“

نکاح کے بعد طلاق

اس آیت میں مومنوں کے لیے طلاق کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔ نکاح سے ازدواج اور ”مس“ سے مرد و عورت کا باہمی مقاربت کرنا مراد ہے۔ ”تسریح جمیل“ بغیر لڑائی جھگڑے کے طلاق دے دینا (عورت کو آزاد کردینا) کے معنی میں ہے۔ ”مَتِّعُوْهُنَّ“ انہیں مال دینے کے ذریعے فائدہ پہنچاؤ۔ شرعی حکم یہ ہے کہ اے مومنو! اگر تم اپنی بیویوں سے مقاربت کرنے سے

پہلے انہیں طلاق دو تو ان عورتوں کے لیے عدت طلاق کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حوالے سے اخلاقی پہلو مدنظر رہے کہ طلاق دینے میں جھگڑا مت کرو۔ باہمی رضایت اور اچھے انداز سے طلاق دو اور پھر آپ پر واجب ہے کہ جب طلاق دے رہے ہو تو اسے کچھ مالی امداد بھی دو۔ جو مہر یہ ان کے لیے قرار دیا تھا وہ واپس کر دو یا کچھ اور مال دے دو۔ اس آیت میں اخلاقی پہلو پر بہت زور دیا ہے اور خواتین کی دلجوئی کا حکم بھی دیا ہے۔ اور یہ کہ طلاق کا معاملہ باہمی لڑائی جھگڑا اور رشتہ ناطہ توڑنے کا سبب نہ بنے بلکہ اچھے ماحول میں طلاق دی جائے۔ اسلام میں باہمی روابط کو مناسب انداز میں برقرار رکھنے کی بہت زیادہ اہمیت ہے کہ جب مرد اور عورت ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہوں تو وہ اچھا انداز اپنائیں اور جھگڑا نہ کریں۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ؗ وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰

ترجمہ: ”اے نبی ہم نے آپ کے لیے آپ کی بیویاں حلال کر دیں جن کے آپ مہر ادا کر چکے ہیں اور وہ عورتیں جو آپ کی مملوکہ ہیں جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوا دی ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کے خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت

کی، اور اس مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دے دے بشر طیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہے، یہ خالص آپ کے لیے ہے نہ کہ اور مسلمانوں کے لیے، ہمیں معلوم ہے جو کچھ ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں مقرر کیا ہے تاکہ آپ پر کوئی دقت نہ رہے، اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔''

رسول اللہؐ کے لیے حلال عورتیں

اس آیت میں ان عورتوں کا تذکرہ ہوا ہے جن سے رسول اللہ ﷺ کو نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ سات قسم کی عورتیں رسول اللہ کے لیے حلال ہیں:۔

اول: وہ عورتیں جن کا حق مہر دیا گیا ہو۔

دوم: وہ کنیزیں جو جنگی غنیمت میں مسلمانوں کو ملی ہیں۔

سوئم و چہارم: چچاؤں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں۔

پنجم و ششم: ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں۔ (بعض نے کہا ہے اس سے بنی زہرہ کی عورتیں مراد ہیں) یہ ان ایام کی بات ہے جب مسلمانوں کے لیے ان عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہ تھا جنہوں نے ہجرت نہیں کی ہے، بعد میں یہ حکم فسخ ہو گیا۔

ہفتم: وہ مومنہ عورتیں جو خود کو رسول اللہؐ کے لیے پیش کر دیں کہ ان کا حق مہر نہ ہو اور رسول اللہؐ کی ان سے ازدواج کی خواہش بھی ہو۔

اختصاصی حکم: البتہ کوئی عورت خود کو رسول اللہؐ کے لیے پیش کر دے اور رسول اللہؐ ان سے ازدواج کرنا چاہیں تو آپؐ بغیر مہر کے ایسی عورت سے شادی کر سکتے ہیں لیکن یہ حکم فقط رسول اللہؐ سے خاص ہے، باقی مومنوں کے لیے نہیں۔

مومنوں کے لیے بیان

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے مومنوں کے واسطے کون سے عورتیں حلال کی ہیں اور کون سی کنیزیں وہ لے سکتے ہیں ان کے لیے باقاعدہ قوانین موجود ہیں جن کی مومنین کو پیروی کرنا ہو گی۔

رسول اللہؐ پر خصوصی مہربانی

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اے ہمارے رسول! ہم نے ان سات قسم کی عورتوں کو تیرے لیے حلال کیا ہے اور اس حوالے سے واضح بیان بھی دے دیا ہے تاکہ آپ کسی مشکل میں نہ پڑیں اور نہ ہی کسی کو آپ پر اعتراض کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے اور وہ کمزوریوں پر پردہ ڈالتا ہے، غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے، وہ تو اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَ تُـٔۡوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابۡتَغَیۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی اَنۡ تَقَرَّ اَعۡیُنُهُنَّ وَ لَا یَحۡزَنَّ وَ یَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ اٰتَیۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴿۵۱﴾

ترجمہ: ''آپ ان میں سے جسے چاہیں چھوڑ دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دیں، اور ان میں سے جسے آپ (پھر بلانا) چاہیں جنہیں آپ نے علیحدہ کر دیا تھا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں، یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غمزدہ نہ ہوں اور ان سب کو جو آپ دیں اس پر راضی ہوں، اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ جانتا ہے، اور اللہ جاننے والا بردبار ہے۔''

رسول اللہؐ کے لیے آسانی

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے اختیار کی بات کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اوپر کسی امر کو بوجھ نہ سمجھیں۔

"**ارجاء**" تاخیر میں ڈالنا، مؤخر کرنا، اس جگہ ارجاء پیشکش کو ٹھکرا دینے اور اسے قبول نہ کرنے کے معنی میں ہے۔

"**ایواء**" کسی جگہ سکونت دینے اور ٹھہرانے کے معنی میں ہے۔ اس جگہ کنایہ ہے اس امر سے کہ انہیں اپنا کرلیں، دُور نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے اے رسول! جس عورت نے خود کو آپ کے حوالے کیا ہے تو ہم نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ اس کی پیشکش کو قبول کرلیں یا اسے رد کردیں اس میں آپ پر کچھ بھی اجبار نہیں ہے، اگر اس کی پیشکش رد کردوگے تو اس میں آپ پر کچھ گناہ نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ اس جگہ بیویوں کے درمیان شب خوابی کی تقسیم مراد ہو کہ آپ کو اختیار ہے کہ اپنی بیویوں کے درمیان راتوں کو تقسیم کریں یا نہ کریں۔ جب چاہیں جس کے پاس جانا چاہیں جاسکتے ہیں اس میں آپ پر کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر راتوں کو تقسیم کر دیا تو پھر اس کے برعکس بھی کرسکتے ہیں۔ جس بیوی کی باری ہو اسے چھوڑ کر دوسری کے پاس چلے جائیں تو یہ آپ کے اپنے اختیار میں ہے ایسا کرنے پر آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ایک بیوی کو کچھ عرصہ کے لیے چھوڑ دیں اور پھر اس کے ساتھ مقاربت کریں، ایسا کرنا بہتر ہے اور یہ اس امر کے نزدیک تر ہے کہ تیرے اس انداز سے بیویوں کی آنکھیں خوش ہوں، وہ خوشحال ہو جائیں اور جو کچھ آپ نے ان کے اختیار میں دیا ہے وہ اس پر راضی ہوں اور غمزدہ نہ ہوں۔ اللہ اس سب کچھ کو جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے، یعنی خدا جانتا ہے کہ آپ نے کس عورت کی پیشکش کو قبول کیا اور کس کی پیشکش کو رد کیا ہے۔ اسی طرح اللہ جانتا ہے کہ کس کی باری کو مؤخر کیا ہے اور کس کی باری کو مقدم کیا ہے اور کس سے دُوری اختیار کی ہے اور کس کے قریب گئے ہو۔ اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں اور مفادات سے آگاہ ہے۔ اللہ بردبار اور حلیم ہے (حوصلہ والا ہے

جلد باز نہیں) سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، اور بعض امور میں لوگوں کی مصلحت کے تحت انہیں مہلت دیتا ہے۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعۡدُ وَ لَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ يَمِيۡنُكَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ رَّقِيۡبًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ''اس کے بعد آپ کے لیے عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ آپ ان سے اور عورتیں تبدیل کریں اگرچہ آپ کو ان کا حسن پسند آئے مگر جو آپ کی مملوکہ ہوں، اور اللہ ہر ایک چیز پر نگران ہے۔''

رسول اللہؐ کے لیے خصوصی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے سابقہ بیان کے بعد اس آیت میں اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ ہم نے جو خواتین آپ کے لیے حلال کی ہیں انہیں بیان کر دیا ہے۔ اب ان کے علاوہ دوسری خواتین آپ پر حلال نہیں ہیں۔ اس سے مراد شاید وہ خواتین ہیں جن کا بیان سورہ النساء کی آیت ۲۳ میں آیا ہے کہ آپ پر آپ کی مائیں، بیٹیاں، خالائیں، پھوپھیاں حرام ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے لیے حکم دیا کہ آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی کچھ بیویوں کو طلاق دے دو اور ان کی جگہ دوسری کو لے آؤ اگرچہ ان دوسری عورتوں کا حسن تمہیں فریفتہ ہی کیوں نہ کرے۔ اس میں فقط کنیزوں کو استثناء کیا گیا ہے۔ آخر میں خبردار کر دیا گیا ہے کہ اللہ تمہارے تمام اعمال پر نگران ہے۔

پیغام: جب رسول اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس طرح واضح پابندی لگا دی ہے کہ وہ اللہ کے بیان کردہ ضابطوں اور قوانین کے مطابق زندگی گزاریں تو اُمت کے جتنے افراد ہیں ان پر تو بطریق اولیٰ ان قوانین کی پابندی لازم ہے۔ زبانی اسلام لے آنا کافی نہیں بلکہ اسلام کے قوانین

پر عمل کرنا ہی نجات کا ضامن ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اس وقت کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے اور نہ ہی کھانا پکنے کا انتظار کرو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تب داخل ہو پھر جب تم کھا چکو تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں کے لیے جم کر نہ بیٹھو، کیوں کہ اس سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتا ہے، اور حق بات کہنے سے اللہ شرم نہیں کرتا، اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی ہے، اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ تم رسول کی بیویوں سے ان کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔“

رسول اللہؐ سے معاشرت کے آداب

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو رسول اللہؐ کے ساتھ رفتار کے آداب سکھائے ہیں کہ وہ اس حوالے سے ان چند باتوں کا لحاظ رکھیں:۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں۔

۲۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی کو کھانے پر بلائیں تو اس وقت آپؐ کے گھر جا سکتے ہیں۔

۳۔ کھانے کی دعوت ملنے پر کھانا لگنے سے پہلے نہ پہنچ جائیں بلکہ جب کہا جائے کہ اندر آجاؤ، اسی وقت جائیں۔

۴۔ کھانا کھانے کے بعد اُٹھ کر واپس چلے جائیں۔

۵۔ کھانے کی دعوت پر بلانے کا مطلب یہ نہیں کہ کھانا کھانے کے بعد گپ شپ، مسئلے مسائل پر گفتگو کے لیے وہیں پر بیٹھ جائیں بلکہ جب کھانا کھالیں تو فوراً اُٹھ کر چلے جائیں کیونکہ تمہارا یہ انداز رسول اللہ ﷺ کو ناپسند ہے لیکن وہ شرم کی وجہ سے کسی سے نہیں کہہ سکتے کہ تم چلے جاؤ۔ یہ بات ادب کے خلاف ہے۔

٦۔ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں سے اگر کچھ پوچھنا ہو تو درمیان میں پردہ لگا ہو۔ ایسا کرنا مومنوں کے دلوں اور پیغمبرؐ کی بیویوں کے دلوں کی طہارت و پاکیزگی کے لیے بہتر ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ تمام احکام کو واضح اور کھل کر بیان کرتا ہے، کسی سے حیاء مانع نہیں کہ اللہ حقیقت کو بیان نہ کرے۔

۸۔ تمام مومنین پر لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دستورات کی مخالفت نہ کریں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت ہو۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ان کی بیویوں سے شادی کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔

اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمان ایسے تھے جن کے دل میں یہ بات تھی کہ وہ

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ان کی بیویوں سے شادی کر لیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اُمت کی مائیں ہیں اور ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔

پیغام: مؤمنوں کو رسول اللہ کے ساتھ رابطے اور تعلق کے بارے جو ہدایات دی ہیں ان میں خصوصی احکام کے علاوہ باقی آداب بجالانے کا حکم مسلمانوں کے لیے بھی ہے کہ وہ بھی جب ایک دوسرے کے ساتھ حُسنِ معاشرت چاہیں تو انہیں ان آداب کا خیال رکھنا چاہیے جن تذکرہ اس آیت میں ہو رہا ہے۔

اِنۡ تُبۡدُوۡا شَيۡـًٔا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ”اگر تم کوئی بات ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ تو بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

علم الٰہی

یہ آیت علم الٰہی کے متعلق ہے کہ علم الٰہی عام ہے، اس کے تحت ہر چیز آتی ہے اور علم الٰہی سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ آیت ان کے لیے تنبیہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیتے تھے یا رسول اللہ ﷺ کی بیویوں سے شادی کرنے کا سوچتے تھے۔ اس خاص بات کو بیان کرنے کے بعد ایک عام ضابطہ بیان کیا گیا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ اور انکے گھرانے سے رابطہ رکھنے کے لیے جو ضابطے اور آداب بیان کیے ہیں اگر ان آداب کی مخالفت کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بات مخفی و پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا جو لوگ چھپ کر گناہ کرتے ہیں یا کھلے عام گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں تو وہ اپنے گناہوں کے برے انجام سے ڈریں اگرچہ وہ گناہ نیت سے بڑھ کر عمل میں تبدیل نہ ہوں۔ ان کے ذہن میں یہ بات ہو اور

ان آداب کی مخالفت کرنے کا سوچا ہو تو اللہ اس سوچ اور باطنی نیت اور ارادے سے بھی آگاہ ہے۔ انکے دلوں میں ان فرامین کو قبول کرنے یا رد کرنے کے حوالے سے جو کچھ ہے، اللہ اس سے آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بابت ان کا احتساب کرے گا۔ اس لیے وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مومنوں کے درمیان فحاشی اور برائی پھیلے تو اللہ انہیں سخت عذاب سے خبردار کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اس گناہ اور برے عمل کا ارتکاب نہ بھی کریں۔ ان کا فقط یہ سوچنا کہ گناہ معاشرہ میں پھیل جائے، برائی عام ہو تو اس کے متعلق بھی اللہ احتساب کرے گا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَ لَآ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآئِهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَ اتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

ترجمہ: ''ان پر اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنے غلاموں کے، اور اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔''

حجاب کے بارے استثناء

اس آیت میں حجاب کے حکم سے مستثنیٰ عورتوں کا تذکرہ ہوا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ محرم عورتوں پر اپنے محارم سے حجاب ضروری نہیں ہے۔ اس آیت میں چچا، ماموں اور شوہر کے باپ (سسر) کے بارے حکم بیان نہیں کیا گیا۔[1] اس آیت میں خواتین سے مؤمنہ خواتین مراد ہیں

[1]۔ سورہ نور آیت ۳۱ میں شوہر کے باپ (سسر) کے محرم ہونے اور آیت ۹۱ میں چچا، ماموں کے محرم ہونے کا حکم موجود ہے لیکن داماد کے محرم ہونے کا ذکر قرآن میں بیان نہیں ہوا۔ (مصحح)

جو کہ کافر نہیں۔ اس کے علاوہ یہ حکم غلاموں اور کنیزوں کو بھی شامل ہے۔ آخر میں اس جملہ سے اس حکم کی مزید تائید کی گئی ہے کہ اللہ سے ڈرو کہ اللہ گواہ بھی ہے اور ناظر بھی، اس سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجو۔''

رسول اللہؐ پر صلوات وسلام کا حکم

''صلوۃ'' انعطاف کے معنی میں ہے، کسی کی طرف جھکاؤ ظاہر کرنا، متوجہ ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجنے کا معنی اللہ کا اپنے رسول کی طرف متوجہ ہونا، یعنی ان پر رحمت کے ذریعہ توجہ کرنا ہے او وہ بھی رحمت مطلق، رحمت عام، (رحمت من حیث الرحمت) فرشتوں کا آپ پر صلوات بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ وہ آپ کی طرف توجہ کرتے ہیں اس لحاظ سے کہ آپ کی طہارت و پاکیزگی کو بیان کریں اور آپ کے لیے استغفار کریں۔ مومنوں کے صلوات بھیجنے کا معنی یہ ہے کہ وہ دعا کے ذریعہ آپ کی طرف توجہ کریں، جو دعا اور اللہ سے آپ کے لیے طلب رحمت کرنا ہے (آپ پر اور آپ کے خاندان پر) مومنوں پر ہے کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجنے میں اللہ اور اللہ کے فرشتوں کی پیروی کریں، ان کی اقتداء میں ایسا کریں۔

صلوات پڑھنے کا طریقہ

شیعہ اور سنی حدیثی منابع میں آپؐ پر مومنین کا صلوات پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ سے

درخواست کریں کہ اللہ پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کی آلؑ پر صلوات بھیجے یعنی رحمت اُتارے۔ جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی میں امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ جس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا نام لیا جائے اور آپؐ پر صلوات نہ پڑھے تو ایسا شخص بخیل ہے۔ (اسی طرح یہ روایت بھی ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص میرا نام سنے اور مجھ پر صلوات نہ پڑھے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اسی طرح جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ پر صلوات اور سلام کس طرح پڑھا جائے تو آپ نے فرمایا میرے اوپر اور میری آل پر ملا کر صلوات پڑھو، اور مجھ پر (ٹوٹی ہوئی، نامکمل، ادھوری) صلوات نہ پڑھو کہ میرے اوپر صلوات پڑھو اور میری آل پر صلوات نہ پڑھو (آپؐ کی آل میں علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام سمیت ان کے نو معصوم فرزند شامل ہیں جو کہ سب امام ہیں اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے عنوان سے یاد کیے جاتے ہیں)۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾

ترجمہ: ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کیا ہے۔“

اللہ اور رسولؐ کو اذیت دینے والوں پر لعنت

اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک و منزہ ہے کہ اسے کوئی اذیت یا تکلیف پہنچا سکے۔ رسول اللہ ﷺ اور اللہ کو اذیت اور تکلیف دینے کو ایک جگہ اکٹھا ذکر کرکے رسول اللہ ﷺ کی شرافت اور کرامت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور یہ سمجھایا گیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو اذیت دے یا اذیت دینے کا قصد کرے تو اس نے اللہ کو اذیت دی ہے، اللہ کو تکلیف پہنچائی

ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے برا سوچنا، آپ کو تکلیف دینا، اللہ کی جناب میں گستاخی کے مترادف ہے۔

"لعنت" اللہ کی رحمت سے دُوری کی درخواست کے معنی میں ہے۔ رحمت مومنوں کے لیے مخصوص ہے، جو اس مقام پر عقائد حقہ، حقیقی ایمان اور عمل صالح کی جانب ہدایت دینے کے معنی میں ہے۔ لہٰذا رحمت خدا سے محرومیت، دُنیا میں ہدایت کی نعمت سے بے بہرہ ہونا اور نعمت الٰہی سے دُور ہونا اور آخرت میں قرب الٰہی سے دور ہونے کے معنی میں ہے۔ ایسے افراد قیامت کے دن اللہ کے قرب کی نعمت سے بے بہرہ ہوں گے۔ یہ محرومیت ان افراد کے لیے ایک طرح کی سزا ہے۔ اس لحاظ سے کہ انہوں نے تکبر کیا، اپنی سرکشی کے نتیجہ میں انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول کی اہانت کی، آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دے گا۔ یہ عذاب ان کے لیے آمادہ ہے، وہاں پہنچتے ہی انہیں ملے گا۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

ترجمہ: "اور جو ایمان دار مردوں اور عورتوں کو ناکردہ گناہوں پر ستاتے ہیں سو وہ اپنے سر بہتان اور صریح وواضح گناہ لیتے ہیں۔"

بغیر جرم کے مومنین کو اذیت دینا

یہاں پر جرم سے حد شرعی مراد ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مومنین میں سے کسی نے کوئی جرم کیا ہو جس پر انہیں شرعی سزا ملے جسے شرعی اصطلاح میں حد شرعی یا قصاص کہا جاتا ہے تو یہ اذیت کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ یہ سزا تو ان کے لیے ان کے جرم کی وجہ سے اللہ کی طرف سے متعین ہے لیکن جن مومنوں نے ایسا جرم نہیں کیا ان کو اذیت دینا بہت بڑا گناہ

ہے۔

''بہتان'' جھوٹ باندھنا، کسی کے سامنے اس پر جھوٹ بولنا یا کافروں کے سامنے ان پر جھوٹ بولنا، ایسے برے عمل کی نسبت مومن مردوں یا عورتوں کی طرف دینا جسے انہوں نے انجام نہیں دیا۔ اس آیت میں کسی پر بہتان باندھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس بارے عقل و شرع دونوں کا فیصلہ ہے کہ کسی کی طرف غلط نسبت دینا، کسی پر جھوٹ باندھنا مذموم اور قابل نفرت و قابل مذمت عمل ہے۔ ایسے افراد پر دُنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

ترجمہ: ''اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے مونہوں پر نقاب ڈالا کریں، یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ پہچانی جائیں پھر نہ ستائی جائیں، اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔''

حجاب کا حکم

''جلباب'' ایسی چادر کو کہا جاتا ہے جو پورے بدن کو ڈھانپ لیتی ہے یا خاص قسم کا برقعہ و مقنعہ جو سر اور چہرے کو چھپانے کا ذریعہ بن سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ذریعہ خواتین کے لیے پردہ کا قانون بیان کیا ہے کہ خواتین اس طرح چادریں اوڑھیں کہ ان کی گردن اور سینہ آشکار نہ ہو۔ بدن کو اس طرح چھپا کر رکھنا عورتوں کی عفت اور پاکدامنی کے لیے بہتر ہے کیونکہ جب مردوں کو معلوم ہو گا یہ پردہ کرنے والی ہیں تو پھر انہیں اپنی غلط نگاہوں سے اذیت اور تکلیف نہیں دیں گے۔ اہل فسق و فجور، گھٹیا اور پست فطرت مردان سے دُور رہیں

گے۔ بعض مفسرین کے نزدیک ایسا حجاب اس بات کو سمجھانے کے لیے ہے کہ یہ خواتین مسلمان اور آزاد ہیں، کنیزیں نہیں؛ کیونکہ اس زمانے میں کنیزوں کا پردہ نہیں ہوتا تھا۔[1] آخر میں اس قانون کی وجہ و حکمت کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندوں کے لیے بخشش اور عیب پوشی اور رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ جو بھی حکم دیتا ہے اس میں رحمت اور مہربانی کا پہلو موجود ہوتا ہے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٠﴾

ترجمہ: ''اگر منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں غلط خبریں اڑانے والے باز نہ آئیں گے تو آپ کو ہم ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ اس شہر میں تیرے پاس نہ ٹھہریں گے۔''

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿٦١﴾

ترجمہ: '' مگر بہت کم لعنت کیے گئے ہیں، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور قتل کیے جائیں گے۔''

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾

ترجمہ: ''یہی اللہ کا قانون ہے ان لوگوں میں جو اس سے پہلے ہو گزر چکے ہیں، اور آپ اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی ہرگز نہ پائیں گے۔''

---

[1] ۔ تفسیر کشاف، ج ۳۔

منافقین کے بارے الٰہی فیصلہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقوں، کمزور ایمان والے دل کے مریضوں اور مدینہ میں آشوب مچانے اور فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت کارروائی کا حکم دیا ہے کہ اگر اُنہوں نے اپنی کمینگی بند نہ کی اور اپنی مذموم حرکات سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف کارروائی کریں کہ وہ اب تمہارے ساتھ مدینہ میں نہیں رہ سکیں گے، انہیں شہر بدر کر دیں۔ اس حکم کے آنے کے بعد ان کو مہلت نہ دی جائے اور اس ماموریت کو عملی جامہ پہنانے میں دیر نہ کریں۔ اس طرح کہ وہ جہاں بھی ہوں ان پر لعنت اور پھٹکار ہو اور مسلمان انہیں جہاں بھی پائیں ان کو قتل کر دیں، ان کا خون مسلمانوں کے لیے مباح ہے۔

ہم نے منافقوں، دل میں کھوٹ رکھنے والوں اور فسادیوں کے لیے جو سزا رکھی ہے تو ہمیشہ سے الٰہی قانون اسی طرح ہے۔ گذشتہ اقوام میں بھی فتنہ پھیلانے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا جاتا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سزا دینے کے طریقہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہے۔ وہی طریقہ اس اُمت میں بھی جاری ہوگا۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾

ترجمہ: ”آپ سے لوگ قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے، اور آپ کو کیا خبر کہ شاید قیامت قریب ہی ہو۔“

قیامت کے بارے علم

بظاہر لوگ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے تھے کہ قیامت نے کب آنا ہے؟ اس بارے رسول اللہ سے کہا گیا ہے کہ لوگوں کو بتا دیں کہ قیامت کے وقت کا انہیں علم

نہیں ہے اس کا علم فقط اللہ کے پاس ہے، اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ قیامت نے کب واقع ہونا ہے۔ اس مطلب کی پیچیدگی اور ابہام کو مزید واضح کرنے کی لیے پیغمبرؐ کو مخاطب کرکے فرمادیا کہ آپ کو کیا معلوم کہ قیامت نے کب آنا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہر آن قیامت کے آنے کے انتظار میں رہو، کسی بھی وقت قیامت بپا ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی طرح قیامت کے وقت کا علم نہیں جس طرح عام لوگوں کو نہیں معلوم کہ قیامت کب واقع ہو گی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۙ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ''بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔''

خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۚ﴿۶۵﴾

ترجمہ: ''وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔''

کافروں کا انجام

ان آیات میں کافروں کا انجام بیان کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس دن ان کا کوئی ولی نہیں ہو گا جو ان کے معاملات وامور کو اپنے ذمہ لے لے۔ ان کے لیے آگ کا عذاب آمادہ ہے، جب انہیں عذاب دیا جائے گا تو ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا، وہ بے سرپرست ہوں گے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾

ترجمہ: ''جس دن ان کے منہ آگ میں الٹ دیے جائیں گے تو وہ کہیں گے اے کاش ! ہم نے اللہ اور رسول کا کہا مانا ہوتا۔''

جہنم میں کافروں کی حالت

کافروں کو بھڑکتی آگ میں پھینک دیا جائے گا، آگ میں جلنے کی وجہ سے ان کے چہرے تبدیل ہو جائیں گے، سب کچھ بھون دیا جائے گا، پہلے زردی مائل اور پھر سیاہ ہو جائیں گے۔ آخر کار جل کر کوئلہ بن جائیں گے انہیں آگ میں اُلٹا یا پلٹا یا جائے گا تاکہ ہر انداز سے آگ میں بھونے جائیں۔ ایسا عذاب دیکھ کر حسرت اور مایوسی کی حالت میں کہیں گے: کاش! ہم نے اللہ کی اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کی ہوتی اور اس عذاب میں نہ جھونکے جاتے۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾

ترجمہ: ''اور وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا سو انہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔''

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

ترجمہ: ''اے ہمارے رب انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔''

کافروں کی بہانہ تراشی

قیامت کے دن کافر عمومی طور پر اپنی نافرمانیوں کے لیے بہانہ پیش کریں گے کہ ہم نے تو اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی تھی، ہم بغیر سوچے سمجھے ان کی تقلید کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا اور اس کے ساتھ ہی اللہ سے درخواست کریں گے کہ اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے اس لیے انہیں دگنی سزا دی جائے ایک سزا تو اس بات کی کہ وہ گمراہ تھے،

دوسری سزا اس بات کی کہ وہ ہماری گمراہی کا سبب بنے۔ پروردگارا! انہیں اپنی رحمت سے بہت دور کر دے۔ جیسا کہ دوسری آیات میں بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ، کافروں کو جواب دے گا کہ ہم نے تو تمہارے پاس اپنا رسول بھیجا۔ اپنی آیات بھیجیں لیکن تم نے ان سب کو جھٹلایا، اب سزا بھگتو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو ستایا پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کی باتوں سے بری کر دیا (جو وہ لوگ موسیٰؑ کے بارے کرتے تھے) اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والا تھا۔''

مومنین کے لیے خصوصی ہدایت

ان آیات میں اُمت مسلمہ کو خصوصی ہدایت دی گئی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہ دو، جس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی باتوں سے اذیت پہنچاتے تھے کہ اُنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی کہ ان میں مردانہ صلاحیت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفائی پیش کی اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، اللہ کے ہاں معزز و محترم ہیں۔ مسلمانوں سے کہا گیا کہ تم بھی ایسی باتیں نہ کرو جس سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف اور اذیت ہو کیونکہ جب زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور آپؐ نے زینب سے شادی کر لی تو لوگوں نے آپ پر تہمت لگانا شروع کر دی تو اللہ نے انہیں اس بات سے منع کر دیا اور کہا کہ اگر ایسا کام کرنے سے نہ رکے تو انہیں سزا ملے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔“[1]

يُّصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ وَ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَ مَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۝

ترجمہ: ”تاکہ وہ تمہارے اعمال کو درست کرے اور تمہارے گناہ معاف کر دے، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا سو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

مومنین کے تقویٰ کا نتیجہ

”قول سدید“ اس کلام کو کہتے ہیں جو واقعیت کے مطابق ہو اور لغو اور بے ہودہ نہ ہو یا چغلخوری کی طرح غیر شرعی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے اوامر اور نواہی کی پابندی کرو اور سنجیدہ اور ٹھیک بات کہو جو برائی اور فتنہ انگیزی کا سبب نہ بنے۔
تاکہ اگر مومنین تقویٰ اختیار کریں، لغویات، جھوٹ، تہمت، فحشاء و منکرات، چغلخوری، غیبت اور دیگر محرمات سے خود کو بچائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی اصلاح فرمادے گا اور ان کے اعمال صالح ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی کمزوریوں کو دُور کر دے گا۔ اگر سابقہ گناہوں سے توبہ کر لی ہو تو جو کچھ ان سے رہ گیا ہے اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کرے گا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ سابقہ روش پر افسوس کریں اور آئندہ کے لیے پابندی سے احکام الٰہی پر عمل کرنے کا عہد کریں تو ایسے افراد کے لیے اللہ کی مغفرت ہے۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ جس نے بھی اللہ کی اطاعت کی اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کی تو یہی انسان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ واجبات کو بجالانا، حرام کاموں سے بچنا، الٰہی احکام پر کاربند رہنا، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کرنا انسان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔

---

[1] ۔ نقل ہوا ہے کہ رسول خدا ﷺ ہمیشہ وعظ و نصیحت کے آغاز میں اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا ﴿ۙ۷۲﴾

ترجمہ: ''ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت [1] پیش کی پھر انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اسے انسان نے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑا ظالم بڑا نادان تھا۔''

انسان کا الٰہی امانت کو اٹھا لینا

''امانت'' کوئی چیز دوسرے کو عارضی طور پر دینا تاکہ جسے امانت دی گئی ہے وہ اس کی حفاظت کرے اور اسے مالک کو صحیح وسالم واپس کر دے۔ ہمارے نزدیک اس آیت میں امانت سے مراد الٰہی ولایت اور دین حق کے حقائق کے ذریعے علمی اور عملی میدان میں طلب کمال اور تزکیہ نفس مراد ہے۔ اس امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں اور دیگر موجودات پر پیش کرنے کا مطلب ان کی وضع اور پوزیشن کا اس ولایت کے حوالہ سے مقایسہ کرنا ہے یعنی اگر ولایت الٰہی کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی وضع و حالت کو سامنے رکھ کر اس کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ ان میں اسے اٹھانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ فقط انسان ہی ہے جو اسے اٹھا سکتا ہے یعنی انسان میں یہ صلاحیت اور قابلیت موجود ہے کہ ولایت الٰہی کے تحت کام کر سکتا ہے۔ آسمان، پہاڑ اور زمین اگرچہ خلقت کے اعتبار سے عظیم اور وسیع ہیں لیکن اگر ان کا تقابل

[1] ۔ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول حدیث کے مطابق اس امانت سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت ہے۔ لیکن معلوم رہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت، الٰہی ولایت پر بھی منطبق و صادق آتی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت، الٰہی ولایت سے علیحدہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔

انسان سے کیا جائے تو وہ انسان کے مقابلے میں چھوٹی مخلوق ہیں کیونکہ ان میں الٰہی ولایت کو سنبھالنے اور اٹھانے کی تاب و صلاحیت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بوجھ بہت بھاری ہے اسی وجہ سے انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے لیکن انسان اگرچہ جسمانی اعتبار سے چھوٹا ہے، کم وزن ہے لیکن نفس کے لحاظ سے وہ ستمگر تھا اور اس بوجھ کو اٹھانے کے عواقب سے بے خبر تھا کہ اس امانت کو لینے سے اسے کیا کرنا ہوگا اور پھر اس کا انجام کیا ہوگا، اس لیے اس نے اسے قبول کر لیا اور انکار نہ کیا کیونکہ اس امانت کے متعلق اگر خیانت کی گئی تو اس کا نتیجہ ہمیشہ کی ہلاکت ہے اور اس کے منفی اثرات لاحق رہیں گے۔

انسان کے پاس علم و عدالت کا سرمایہ نہ تھا لیکن اس میں صلاحیت اور قابلیت تھی کہ وہ اس کو زیب تن کر سکے اس لیے اللہ تعالیٰ نے علم اور عدالت انسان کو عطا کی۔ انسان ان دو کی وجہ سے ظلم و جہالت کی پستی سے نکل کر عدالت و علم کی اوج پر ترقی کر جاتا ہے۔[1]

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ”تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی کرے، اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔“

الٰہی امانت لینے کا انجام

[1] ۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے نفس کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ ظالم ہے اور پروردگار کے اعتبار سے دیکھیں تو جاہل ہے۔ (مصحح)

اس امانت کو لینے کا انجام اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو جو اس امانت سے خیانت کرتے ہیں اور ظاہری طور پر تو الٰہی امانت کے مطابق عمل کرنے کی بات کرتے ہیں لیکن باطناً مخالفت کرنے والے ہیں اور مشرکین کو جن میں ظاہر اور باطن دونوں لحاظ سے خیانت کا عنصر ہے، عذاب دے۔ اور مومنین کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازے جنہوں نے امانت الٰہی کی پاسداری کی اور اس میں خیانت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو بخشتا ہے اور ان کی درخواست کو قبول کرتا ہے جو اس کی رحمت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ اپنے مومن بندوں کو علم نافع اور عمل صالح کے زیور سے آراستہ کر دیتا ہے۔